بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (البقرۃ:238)

الصّلوٰةُ الْحَنِيْفِيَّة

فِی

الانوارِ النّبويّة

احناف کی مکمل نماز کو احادیث کی روشنی میں پیش کیا گیا

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ (السجدۃ:24)

ہر حنفی کی ضرورت ہے

تالیف و ترتیب

مولانا محمد فیض اللہ خان

فاضل دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ

نام کتاب ☆ الصّلوٰۃُ الْحَنِیْفِیَّۃفِی ا لانوارِ النّبویّۃ

ترتیب و تالیف ☆ علامہ فیض اللہ خان صاحب

کمپوزنگ ☆ فضیلۃ الشیخ مولانا محمد بخش سیالوی فاضل

دار العلوم ضیاء الشمس العلوم سیال شریف

عبارات کی تصحیح و حوالہ جات ☆ فضیلۃ الشیخ مولانا خضر حیات دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ

دِیْبَاچَہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَخَیْرِ الْاَنْبِیَآءِ۔

اسلام ایک جامع اور اکمل دین ہے جو زندگی کے تمام شعبوں پر مکمل رہنمائی فرماتا ہے اور اسلام کی بنیاد ایک طرف ایسی جامع آسمانی کتاب قرآن مجید پر رکھی گئی ہے جو تمام اصول و معارف اور احکامات و تعلیمات پر مشتمل ہے اور دوسری طرف اسلامی احکامات و تعلیمات کو ایسے افضل ترین رسول اللہ ﷺ کی ذات اور سیرت سے جوڑ دیا گیا ہے جس کی مبارک زندگی کا ہر لمحہ اور ہر حرکت خدائی حفاظت و نگرانی میں رہی جس نے جملہ احکاماتِ ربانی کی عملی تفسیر و تصویر پیش کی۔

اسلام میں عبادت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور زندگی کے تمام شعبے اِسی بندگی سے روشنی پاتے ہیں۔ اور بندگی کا اعلیٰ ترین انداز اسلام نے نماز کو قرار دیا ہے اور نماز تمام تر مخلوقات کے اندازِ بندگی کی جامع ہے۔ اور نماز کے بغیر اسلام کی عمارت قائم نہیں رہتی اور نماز کے بغیر ایمان و اسلام کا دعوی بھی بے جان رہ جاتا ہے۔ چونکہ نماز کو اسلام میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے نماز کی مکمل ترتیب و تشکیل اور اس کے جملہ چھوٹے بڑے مسائل سے خود رسولِ اسلام ﷺ نے پوری طرح آگاہ کر دیا ہے اور فرما دیا کہ تم اسی طرح نماز پڑھو جیسے مجھے پڑھتا دیکھتے ہو۔ بحمد اللہ آج تک اُمت مسلمہ وہی نماز ادا کر رہی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائی مگر چند مٹھی بھر لوگوں کو اعتراض ہوا کہ شاید احناف وہ نماز نہیں پڑھتے جو رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائی بلکہ وہ نماز پڑھتے ہیں جو امام اعظم ابو حنیفہؒ نے تعلیم فرمائی ہے جبکہ امام ابو حنیفہؒ حضور علیہ السلام کے ادنیٰ غلاموں میں سے ہیں اور عین وہی نماز تعلیم فرماتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائی۔ اسی غلط فہمی کا تدارک کرنے کے لئے یہ چند اوراق تحریر کیے جن سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ قرآن و حدیث کی رہنمائی سے سرِ مُو نہ امام ابو حنیفہؒ ہٹے اور نہ ہی احناف۔

اس مختصر کتابچے کو ہر گھر اور مسجد کی زینت بنائیں اور جب بھی آپ لوگوں کو کوئی پریشان کرنے کی کوشش کرے تو آرام سے یہ دِکھادیں اور سکون پائیں۔ اگر پھر بھی کوئی نادان دوست امام ابو حنیفہؒ اور احناف پر لعن طعن سے باز نہ آئے تو ناچیز بھی آپ کی کال پر حاضر رہے گا۔ مسائل پر شدّت اختیار کرنے اور لڑائی جھگڑے سے قطعی گریز کیا جائے اور مکمل شائستگی اور جامع دلائل سے اپنا دفاع شعار بنائیں۔

وَاللہُ الْمُسْتَعَانُ وَ عَلَیْہِ التَّوَکَّلُ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

الاھداء/ انتساب

میری یہ کاوش۔۔۔۔۔۔

میری یہ جستجو۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میری یہ کتاب

☆ اُن اساتذہ کے نام جن کی وجہ سے مجھے یہ مقام ملا۔

☆ پیارے والدین کے نام!

جن کی شب وروز کی محنت اور دعاؤں سے مجھے یہ مقام عطا ہوا۔

تعارف مصنف

نام ☆ محمد فیض اللہ خان

مقام پیدائش ☆ انڈا کہ ڈاکخانہ صابر آباد ضلع کرک

حفظِ قرآن مجید ☆ جامعہ غوثیہ رضویہ اسلام پور روڈی کلور کوٹ ضلع بھکر

زیر سرپرستی استاذ العلماء حضرت الحاج غلام سرور چشتی زید مجدہ

قرأت قرآن مجید ☆ دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ

فاضل عربی ☆ دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ

دورہ حدیث ☆ دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ

فراغت ☆ 1987ء

تصوف و سلوک ☆ ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری رحمۃ اللہ علیہ

برائے رابطہ ☆ 03339008754

فہرست

چند ابتدائی اصول

کتاب میں داخل ہونے سے قبل چند ابتدائی اصول ذہن نشین فرمالیں۔

1۔ ضروری نہیں کہ کتاب کی ہر بات آپ کی رائے کے عین مطابق ہو لہٰذا اختلافِ رائے کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کریں۔

2۔ کسی بھی حدیث پر ایسی رائے کبھی نہ دیں اور ایسے الفاظ کسی بھی روایت بارے استعمال نہ کریں جس سے گستاخی رسول ﷺ کا احتمال ہو۔

3۔ کوئی روایت کسی ایک یا دو محدثین یا ائمہ کی جرح کی وجہ سے ضعیف نہیں ہوتی کہ دوسرے اس کو ثقہ کہنے والے بھی ہوتے ہیں۔

4۔ روایت میں ضُعف کے لئے اتنا کافی نہیں کہ امام بخاریؒ فرمائیں کہ اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے کیونکہ لازمی نہیں کہ جس راوی کو امام بخاریؒ نہیں جانتے وہ لازمًا بُرا ہی ہو کیونکہ اسلام میں حسنِ ظن کی تعلیم موجود ہے لہٰذا مجہول بارے حُسنِ ظن ہی قائم کیا جائے۔

5۔ کوئی بھی روایت اگر امام ابو حنیفہؒ کی زندگی کے بعد ضعیف ہوتی ہے تو اسے امام صاحب کے خلاف دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ لہٰذا جب بھی روایت کو سند میں کسی راوی کی وجہ سے ضعیف کہا جائے تو فورًا معلوم کرو کہ اس راوی کا زمانہ کیا 150 ہجری سے پہلے والا ہے یا بعد۔

6۔ جہاں ایک روایت پر کچھ جرح و تنقید کرتے ہیں وہاں تائید بھی کرنے والے ہوتے ہیں۔

7۔ احادیث میں ایسی تطبیق دینے کی کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ یا پھر تمام بظاہر مُتعارض روایات اپنی اپنی جگہ پر درست ثابت ہوں۔

8۔ کسی بھی روایت کا موقع و محل ضرور معلوم کریں کہ مفہوم اِسی سے مُتعین ہوتا ہے مثلًا نماز میں آہستہ آہستہ پابندی اور سکون لازم کیا گیا جو نماز میں آسانی کی روایت لا رہا ہے کیا اس کا تعلق اُس زمانے سے تو نہیں جب نماز کو ابھی باقاعدہ ہی نہ کیا گیا تھا۔

9۔ امام بخاریؒ ہوں یا کوئی مُحدّث ان کا کام صرف روایات کو جمع کر کے پیش کرنا ہے جیسے ایک پنساری ہر قسم کی جڑی بوٹیاں جمع رکھتا ہے مگر جہاں تک جمع شدہ روایات سے مسائل کا اخراج ہے یہ محدثین کی نہ ذمہ داری ہے اور نہ یہ کام انہوں نے کیا۔ جس طرح پنساری جڑی بوٹیاں تو رکھتا ہے مگر کسی مریض کے لئے کچھ تجویز کرنا ماہر طبیب کا کام ہے عین اسی طرح محدثین کی جمع شدہ روایات سے مسائل کا استدلال محدثین کا گراؤنڈ نہیں بلکہ ائمہ فقہ کا کام ہے۔

10۔ جو چیز آپ کے سامنے دلیل کے طور پر پیش کی جا رہی ہے آپ یقین کریں کہ آیا یہ باقاعدہ سند کے ساتھ حدیث ہے کہ باب کے شروع میں ترجمۃُ الباب کے طور پر امام بخاریؒ کا قول۔

11۔ یہ بھی یاد رہے کہ امام بخاریؒ جب باب کے شروع میں ترجمۃ الباب قائم کرے اور اس کے عین مطابق نیچے حدیث نہ لائے تو اس کا اشارہ اس طرف ہوتا ہے کہ یہ قول قابل حجت نہیں کہ اس پر حدیث نہیں ملی مثلاً جیسے امام بخاریؒ آمین بالجہر کا باب تو قائم فرماتے ہیں مگر ایک روایت بھی اٰمین بالجہر کی نہیں لاتے جس سے اٰمین بالجہر کو ناقابلِ حجت ہونے کا باریک اشارہ کر جاتے ہیں۔

12۔ کسی بھی شاذ یا عذر کی وجہ سے کیے گئے عمل کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا جیسا کہ جنگِ خندق کے موقع پر حضور ﷺ کی چار نمازیں قضا ہو گئیں اب دلیل بنائیں کہ نماز قضا کرنا جائز ہے دیکھیں حضور ﷺ نے بھی تو قضا کی۔ ایک دوسرے موقع پر دورانِ سفر رات کو حضور ﷺ تمام شرکاءِ سفر سمیت سوئے رہ گئے اور جس کی ڈیوٹی تھی وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی سو گئے اب دلیل بنالیں کہ صبح کی نماز کے لئے اٹھنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ حضور ﷺ بھی سوئے رہ گئے۔ ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔

13۔ جس طرح ہر شعبۂ زندگی میں اس کے ماہرین کی رائے معتبر ہوتی ہے ایسے ہی شریعت کے مسائل میں بھی ماہرین کی رائے معتبر ہے اور وہ ماہرین ائمہ فقہ ہیں جن پر امت کا اجماع عملی ہو چکا ہے ورنہ شریعت کی حکمت اور روایات کا تعارض اس قدر شدید ہے کہ ہر کوئی اس سے استدلال کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

14۔ جن روایات کو بے دھڑک ضعیف کہہ دیا جاتا ہے سوال یہ ہے کہ ان روایات کو چودہ سو سال تک محدثین نے اپنی تصانیف کا حصہ کیوں بنائے رکھا؟ ظاہر ہے کہ ضعیف حدیث موضوع کی طرح

بالکل بے کار نہیں ہوتی۔ اصلاً وہ حدیث ہی ہوتی ہے مگر کسی راوی کے ضُعف کی وجہ سے پایۂ صحت سے گر جاتی ہے۔

15۔ وہ ضعیف حدیث جس کے معنی و مفہوم کو دوسری صحیح یا حسن احادیث ثابت کر رہی ہوں اس کو بھی ضعیف کہہ کر رد کرنا لغو ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جب وہ مفہوماً ثابت ہے تو ضُعف کا کیا مطلب۔

16۔ ائمۂ فقہ از خود شریعت میں کچھ بھی کمی بیشی کے روادار نہیں وہ صرف موجود روایات کی تطبیق اور ان سے ایک جامع و بامقصد مسئلہ سامنے لانے کی کوشش کرتے ہیں جیسے علم وکالت تو بہت وسیع ہے مگر کسی بھی پیش آوردہ کیس پر ماہر وکیل مختلف قوانین کی جزئیات ملا کر ایک مفہوم سامنے لاتا ہے۔

17۔ جہاں کوئی واضح قانون نظر نہ آئے وہاں جس طرح سپریم کورٹ کا فیصلہ از خود قانون کی حیثیت رکھتا ہے ایسے ہی جہاں قرآن وحدیث کی واضح رہنمائی نہ ہو تو ائمہ فقہ کی رائے قانونِ شرعی کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے اور یہی اجتہاد کہلاتا ہے۔ جس کی رائے یہ ہو کہ اجتہادی مسائل میں ہر کسی کو رائے دینے کا حق ہے اور ہر کسی کی رائے وزنی بھی ہے اُسے چاہیئے کہ ہر مریض کے بارے ماہر ڈاکٹروں کی رائے کی بجائے عام لوگوں کے مشورہ پر عمل کرے۔ اور جنگی صورت حال میں ماہرین جنگ کی رائے کو خاطر میں نہ لائے اور امور سیاست میں صرف اسمبلی ممبران کی رائے ہی قانون نہ بنے بلکہ گلی کوچوں میں جو بھی پھر رہا ہو اس کی رائے کا اتنا ہی وزن دے جتنا اسمبلی ممبران کی اجتماعی رائے کو دیا جاتا ہے۔

18۔ مسلمان اختلافی مسائل میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی بجائے ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں اور راہِ اعتدال اختیار کریں۔

19۔ خاص کر عبادات میں نئی نئی باتیں اور طریقے ایجاد کرنے سے گریز کریں کہ امّت کے اختلاف کا باعث نہ بنیں۔

20۔ آپ کی رائے کوئی بھی ہو مگر آپ اپنی رائے اور عمل سے قصداً دوسروں کو تنگ کرنے کی نیّت نہ کریں کہ بد نیتی سے آپ کا عمل نیک عمل نہیں رہے گا بلکہ برائی بن جائے گی۔

21۔ جب آپ کے سامنے کوئی دلیل لائے تو آپ یقین کریں کہ کیا یہ حدیث ہے یا صحابیؓ کا ذاتی قول و عمل۔ اس لئے کہ حدیث کی اتفاقی تعریف یہ ہے کہ جس میں حضور ﷺ کا قول، فعل اور تقریر ہو یعنی

صحابی کا قول فعل اور تقریر حدیث نہیں ہوتی جب تک صحابی اپنے قول و فعل اور تقریر کو حضور ﷺ کی طرف منسوب نہ کرے۔ہاں خلفائے راشدینؓ کا معاملہ الگ ہے کہ صحیح حدیث سے حضور ﷺ نے ان کے قول و فعل اور تقریر کو بھی لازم قرار دیا ہے۔

22۔ باہم اختلاف رائے رکھنے والے احباب دلوں سے بغض و نفرت کو نکال کر اعتماد اور حسنِ ظن کی طرف آئیں اور اپنی تقریر و تحریر میں احتیاط کا دامن مضبوطی سے پکڑ کر رکھیں کہ کسی مسلمان بھائی کو غیر مسلم قرار دینا کارِ خیر نہیں بلکہ غیر مسلم کو مسلم بنا لینا ہی کارِ خیر ہے۔

23۔ ہر گروہ اپنی اپنی کمزوریوں اور غلطیوں پر نظر رکھیں اور اس کی اصلاح کریں۔ہم اپنی اصلاح کرنے کی بجائے دوسروں کی اصلاح کی فکر کرتے ہیں یہیں سے خرابی شروع ہوتی ہے۔

24۔ ہر کلمہ گو مسلمان کو اپنے سے بہتر مسلمان گمان کریں کہ ایمان کا تعلق باطن سے ہے اور باطن کا حال رب ہی بہتر جانتا ہے ہم نہیں

اذان کا بیان

اِقامت نماز و جماعت چونکہ بالعموم اذان کے جواب میں کھڑی ہوتی ہے اس لئے نماز سے پہلے اذان کا بیان لایا گیا۔اذان کے فضائل و مسائل سے آگاہی لازم ہے، تاکہ اس عظیم کام کو محض رسم و رواج کے طور پر ادا نہ کیا جائے بلکہ اجر و ثواب کی نیّت سے ادا کیا جائے۔

اذان کے لئے قرآنی آیات:۔

1. وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْہَا ہُزُوًا وَّ لَعِبًا ط ذٰلِکَ بِاَنَّہُمْ قَوْمٌ لَّايَعْقِلُوْنَ[1]

---

[1] المائدۃ:58

اور جب تم بلاتے ہو نماز کی طرف (اذان دیتے ہو) تو وہ اسے مذاق تماشہ بنا دیتے ہیں اس لئے کہ وہ بے عقل قوم ہیں۔

2. یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللہِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ ط ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ[2]

اے ایمان والو! جب تمہیں بلایا جائے (اذان دی جائے) نماز کی طرف جمعہ کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف اور چھوڑ دو خرید و فروخت یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔

3. وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللہِ وَ عَمِلَ صٰلِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔[3]

اور اُس شخص سے بہتر کس کا کلام ہے جس نے دعوت دی اللہ کی طرف اور نیک عمل کئے اور کہا کہ میں تو (رب کے) فرمانبردار بندوں میں سے ہوں۔

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں:۔ میرا خیال ہے کہ یہ آیت مُؤَذِّنین کے حق میں نازل ہوئی۔

4. وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ ۔[4]

اور اعلانِ عام کر دو لوگوں میں حج کا۔

جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حج کے لئے اعلان عام کر کے لوگوں کو بیت اللہ شریف کی طرف بلایا، عین اسی طرح مؤذن اذان دیکر لوگوں کو نماز کی طرف بلاتا ہے جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اعلانِ عام فرمایا اسی طرح مؤذن اذان بھی از خود نہیں بلکہ اللہ و رسول کے حکم سے لوگوں کو نماز کی طرف بلاتا ہے، لہٰذا بظاہر تو مؤذن اعلان کر کے بلا رہا ہوتا ہے جبکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی بلا رہے ہوتے ہیں، لہٰذا اذان کو اللہ کی طرف سے بُلاوا یقین کرتے ہوئے ضرور نماز کے لئے حاضر ہو جانا چاہیئے۔ وہ رب کا کیسا بندہ ہے جس کو رب بلائے اور وہ حاضر نہ ہو۔

---

[2] الجمعہ۔9

[3] حم السجدہ۔33

[4] الحج۔27

اذان کے مروّج و معروف کلمات طیّبات کس طرح ترتیب پائے؟

اذان مدینہ منورہ میں شروع ہوئی کیونکہ مکّی زندگی میں ایک طرف صحابہ کی تعداد بہت کم ہونے کی وجہ سے جماعت کی نوبت نہ آئی پھر پانچ نمازیں بھی معراج میں فرض کی گئیں جو 10 نبوی کا واقعہ ہے دوسرا یہ کہ مکہ کے حالات بھی جماعت کی اجازت نہ دے رہے تھے لہذا جب جماعت کا انتظام نہ ہوا تو اذان کی ضرورت کیونکر پیش آتی مگر جب مدینہ میں حالات موافق ہوئے تو اذان کی بھی ضرورت پیش آئی لہذا اذان مدینہ میں شروع ہوئی۔

اذان کی پہلی شکل:۔

مدینہ منورہ میں بھی کچھ ابتدائی زمانہ میں جماعت بغیر اذان کے یوں ہوتی تھی کہ نمازی اندازے سے جمع ہو جاتے تھے اور جماعت ہو جاتی مگر اذان کی ضرورت تو ظاہر ہے محسوس کی جا رہی تھی ایک دن حضور ﷺ نے صحابہ کے ساتھ اس بارے مشورہ فرمایا تو یہ آراء سامنے آئیں۔

1. آگ جلا کر اطلاع دی جائے۔
2. عیسائیوں کی طرح ناقوس بجایا جائے۔
3. یہودیوں کی طرح سِنکھ بنا کر بجایا جائے مگر رسولِ اسلام ﷺ کی دُور بین نظر و فکر نے ملّتِ اسلامیہ کا تشخص برقرار رکھنے کے لئے ایسی کسی تجویز کو قبول نہ فرمایا جب حضرت عمرؓ نے رائے دی کہ کسی کو مقرر کیا جائے جو جماعت کے لئے اعلان کر دیا کرے تو حضور ﷺ نے فرمایا "اے بلال اٹھو اور نماز کے لئے اعلان کرو۔ یہ صرف اعلانِ نماز تھا نہ کہ موجودہ کلمات طیبات سے اذان۔

عَنْ عَبْدُ اللهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ كَانَ المُسْلِمُونَ حِينَ قَدِمُوا المَدِينَةَ يَجْتَمِعُونَ فَيَتَحَيَّنُونَ الصَّلاَةَ لَيْسَ يُنَادَى لَہَا، فَتَكَلَّمُوا يَوْمًا فِی ذَلِکَ، فَقَالَ بَعْضُہُمْ: اتَّخِذُوا نَاقُوسًا مِثْلَ نَاقُوسِ النَّصَارَى، وَقَالَ بَعْضُہُمْ: بَلْ بُوقًا مِثْلَ قَرْنِ اليَہُودِ، فَقَالَ عُمَرُ: أَوَلاَ تَبْعَثُونَ رَجُلًا يُنَادِی بِالصَّلاَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اُللہ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ: يَا بِلاَلُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلاَةِ[5]

[5] بخاری کتاب الأذان باب: بدء الأذان

ترجمہ :۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جب مسلمان مدینہ تشریف لائے تو اذان نہ تھی بلکہ لوگ اندازے سے جمع ہوتے اور نماز کا اہتمام فرماتے تو ایک دن اس پر مشورہ ہوا تو کچھ نے کہا نصاریٰ کی طرح ناقوس بجایا جائے کچھ بولے یہود کی طرح سنکھ بنالیا جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے کہ کسی آدمی کو ہی مقرر کیوں نہ کیا جائے جو نماز کی اطلاع کر دیا کرے تو حضور ﷺ نے فرمایا اے بلال اٹھو اور لوگوں میں نماز کا اعلان کرو۔

اذان کی دوسری شکل:۔

بعد ازاں حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کے کچھ کلمات تعلیم فرما کر حکم دیا۔

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ اُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَّشْفَعَ الْاَذَانَ۔[6]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کے کلمات دو دو مرتبہ بولنے کا حکم دیا۔

اذان میں ترجیع نہیں:۔

ترجیع کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شہادتین کو دو دو مرتبہ آہستہ آہستہ آواز سے کہا جائے پھر دودو مرتبہ بلند آواز سے جبکہ اذان میں ترجیع نہیں۔ موجودہ مسجد نبوی کی اذان تواترِ عمل سے رہی ہے جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے سامنے دیا کرتے تھے۔

عَنْ اِبْرَاہِیْمَ ابْنَ اِسْمَاعِیْل ابن عبد الملک ابن ابی محذورۃ قَالَ: سَمِعْتُ جَدِّیَ عَبْدَ الْمَلِکِ بْنَ أَبِی مَحْذُورَۃَ، یَذْکُرُ أَنَّہُ سَمِعَ أَبَا مَحْذُورَۃَ، یَقُولُ: أَلْقَی عَلَیَّ رَسُولُ اِللہ صَلَّی اُللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْأَذَانَ حَرْفًا حَرْفًا اللہ اکبر اللہ اکبر-------- الٰی آخرہٖ---------(ولم یَذکُر فیہ ترجیعًا) ۔[7]

---

[6] بخاری کتاب الاذان۔ باب الاذان مثنٰی مثنٰی

[7] الطبرانی معجم الاوسط

ترجمہ:۔ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے پوتے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دادا سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ابو محذورہ فرماتے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے کلمات حرفاً حرفاً اللہ اکبر سے آخر اذان تک تعلیم فرمائے اور اس میں ترجیع کا کوئی ذکر تک نہ کیا۔

الغرض حضرت عبد اللہ بن زیدؓ کو صحیح روایت کے مطابق جو اذان خواب میں سکھائی گئی اور جو حضرت بلالؓ ساری زندگی مسجد نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دیتے تھے صحیح احادیث سے ان میں ترجیع ثابت نہیں۔ اب رہے حضرت ابو محذورہؓ جو بیت اللہ شریف کے مؤذن مقرر کیے گئے تھے یہ شوال 8 ھجری میں مسلمان ہوئے۔ انہوں نے مؤذّن کی اذان حالت کفر میں سن کر بلند آواز سے مذاقاً اذان دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر اذان کی تعلیم دی اور چونکہ یہ غیر مسلم تھے تو تعلیم و تفہیم کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادتین چار مرتبہ کہلوائے کہ توحید ورسالت دل ودماغ میں اتر جائے پھر دعادی تو یہ عاشق اسی تعلیم کے انداز سے اذان دیتے تھے۔ پوری تفصیل معارف الحدیث ج3 ص151 پر ہے۔

اقامت کے جملے بھی مثلِ اذان دو دو مرتبہ دھرائے جائیں:۔

ترمذی اور ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن ابی لیلی رضی اللہ عنہ تابعی سے روایت کیا۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ الْأَنْصَارِيُّ، مُؤَذِّنُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْفَعُ الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ۔[8]

ترجمہ: ابن ابی لیلی تابعیؒ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ مُؤذنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اذان اور اقامت دونوں کے جملوں کو دو دو دفعہ دہراتے تھے۔

چونکہ یہاں الاذان والاقامۃ آپس میں معطوف علیہ اور معطوف ہیں لہذا یشفع دونوں کو شامل ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ اِنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ الْاَذَانُ مَثْنٰى مَثْنٰى وَالْاِقَامَةُ مَثْنٰى مَثْنٰى وَمَرَّ بِرَجُلٍ يُقِيْمُ مَرَّةً مَرَّةً فَقَالَ اِجْعَلْهَا مَثْنٰى مَثْنٰى لَا اُمَّ لَكَ۔ [9]

---

[8] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ باب من کان یشفع الاقامۃ

[9] رواہ بیہقی فی کتاب الاذان

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ کہ اذان بھی دو دو بار ہے اور اقامت بھی دو دو بار۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو اقامت ایک ایک بار کہہ رہا تھا تو آپؓ نے فرمایا تیری ماں مرے اسے دو دو بار کہہ۔

گزارش ہے کہ اقامت کو دو دو بار کہہ کر حضرت علیؓ کی بد دعا سے ضرور بچیں اور اپنی ماؤں کی خیر منائیں۔ اللہ تعالیٰ سلامت رکھے،

اذان و اقامت کی تیسری شکل:۔

اذان و اقامت کے مکمل کلمات فرشتے نے عبد اللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کو خواب میں تعلیم فرمائے جب یہ خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبد اللہ یہ کلمات بلال کو سکھا دو پھر یہی اذان و اقامت ہی رائج ہو گئی۔۔

قَالَ: حَدَّثَنَا أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ زَيْدٍ الْأَنْصَارِيَّ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ رَجُلًا قَامَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ أَخْضَرَانِ عَلَى جِذْمَةِ حَائِطٍ، فَأَذَّنَ مَثْنَى، وَأَقَامَ مَثْنَى۔ [10]

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن ابن ابی لیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے بہت سے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ عبد اللہ ابن زید انصاریؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک مرد کھڑا ہوا جس پر دو سبز چادریں تھیں پھر وہ دیوار پر کھڑا ہوا اور اذان و اقامت دو دو بار پڑھا۔

اقامت میں قد قامت الصلوٰۃ کا جملہ بھی احادیث ہی سے ثابت ہے۔ [11]

---

[10] مصنف ابن ابی شیبہ باب ماجاء فی الاذان، رواہ ابو داؤد، بیہقی

[11] بخاری کتاب الاذان

اذان کی چوتھی اور آخری شکل:۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ صبح کی اذان کے بعد کاشانۂ نبوت پر حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جماعت کے لئے بلاتے ایک دن جب آپ نے الصلوٰۃ خیر من النّوم کے الفاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلال ان کلمات کو اذانِ صبح میں شامل کر لو۔ بس اسی دن سے آج تک وہی اذان واقامت مروّج ہے۔ اگر مزید تحقیق وروایات کی ضرورت پیش آئے تو مولانا احمد یار خان گجراتیؒ کی تالیف جاء الحق کے حصّہ دوم کی طرف رجوع فرمائیں۔

اذان خوب بلند آواز سے دی جائے:۔

چونکہ اذان سے مقصود اطلاعِ عام ہے لہٰذا جس قدر آواز بلند ہو گی تو اذان دُور تک جائے گی اور اطلاع زیادہ ہو گی اور یہ آواز کی بلندی دورانِ لاؤڈ سپیکر پر بھی ملحوظ رکھی جائے اور اقامت بھی صرف پاس کھڑے امام یا پہلی صف والوں کو ہی نہ سنائی جائے بلکہ اتنا بلند آواز سے اقامت کہی جائے کہ مسجد کے آخری حدود تک چلی جائے تاکہ کہیں کوئی مصروفِ تلاوت ہے یا محوِ ذکر ہے یا وضو کر رہا ہے تو اس کو اطلاع ہو جائے کہ جماعت کھڑی ہو گئی ہے حیرت ہے ان لوگوں پر جو نہایت مہذّب اور شرمیلے بن کر انتہائی آہستہ آواز سے اقامت کہتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ وہ اقامت کی غرض سے بے خبر ہیں۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ قَالَ لَہُ: إِنِّی أَرَاکَ تُحِبُّ الغَنَمَ وَالبَادِیَۃَ، فَإِذَا کُنْتَ فِی غَنَمِکَ، أَوْ بَادِیَتِکَ، فَأَذَّنْتَ بِالصَّلاَۃِ فَارْفَعْ صَوْتَکَ بِالنِّدَاءِ، فَإِنَّہُ: لاَ یَسْمَعُ مَدَی صَوْتِ المُؤَذِّنِ، جِنٌّ وَلاَ إِنْسٌ وَلاَ شَیْءٌ، إِلَّا شَہِدَ لَہُ یَوْمَ القِیَامَۃِ ، قَالَ أَبُو سَعِیدٍ: سَمِعْتُہُ مِنْ رَسُولِ اللَّہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔[12]

ترجمہ:۔ حضرت عبد اللہ بن عبد الرحمٰن روایت کرتے ہیں کہ انہیں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم بکریوں اور جنگل کو پسند کرتے ہو جب تم بکریوں کے پاس یا جنگل میں ہوتے ہو اور نماز کے لئے اذان کہو تو اپنی آواز بلند رکھو کیونکہ مؤذن کی آواز کو جو بھی جن وانس یا کوئی دوسری چیز سُنے گا تو وہ قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دے گا ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں، کہ میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔

---

[12] بخاری کتاب الاذان باب رفع الصوت بالندآء

نوٹ۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ اذان صرف مسجد میں اور صرف جماعت کے لئے ہی کہی جائے جبکہ یہ خیال درست نہیں بلکہ مسجد کے علاوہ کہیں جماعت ہو یا منفرد نمازی، کسی پہاڑی، جنگل یا صحراء وغیرہ میں جب بھی کوئی نماز پڑھنا چاہے تو اس کے لئے اذان دینی چاہیئے تاکہ توحید و رسالت کا اعلان اور نماز کے لئے دعوت ہر جگہ گونج جائے۔

اذان شِعارِ اسلام ہے:۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اُللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا غَزَا بِنَا قَوْمًا، لَمْ يَكُنْ يَغْزُو بِنَا حَتَّى يُصْبِحَ وَيَنْظُرَ، فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا كَفَّ عَنْهُمْ، وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ عَلَيْهِمْ۔[13]

ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے بارے روایت کرتے ہیں کہ جب حضور ﷺ ہمارے ساتھ جنگ میں کسی قوم پر حملہ کرتے تو صبح کا انتظار فرماتے اگر صبح کی اذان اس قوم سے سن لیتے تو حملہ سے رُک جاتے اور اگر ان سے اذان نہ سنتے تو ان پر حملہ کر دیتے۔

نوٹ:۔ گویا اذان مسلمان قوم ہونے کا شعار ہے جو قوم اذان دیتی ہو اس کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائے جائیں گے اور اختلاف رائے کے باوجود ان کو مسلمان تصور کیا جائے گا سوائے مرزائیوں کے کہ وہ ختم نبوت کے انکار کی وجہ سے گویا رسالت کے منکر ہیں اور انکارِ رسالت کے بعد کسی تاویل سے بھی وہ مسلمان ثابت نہیں کیے جا سکتے۔

اذان کی فضیلت اور شیطان کی چکّر بازی:۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اُللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا نُودِيَ لِلصَّلاَةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ، وَلَهُ ضُرَاطٌ، حَتَّى لاَ يَسْمَعَ التَّأْذِينَ، فَإِذَا قَضَى النِّدَاءَ أَقْبَلَ، حَتَّى إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلاَةِ أَدْبَرَ، حَتَّى إِذَا قَضَى التَّثْوِيبَ أَقْبَلَ، حَتَّى يَخْطِرَ بَيْنَ المَرْءِ وَنَفْسِهِ، يَقُولُ: اذْكُرْ كَذَا، اذْكُرْ كَذَا، لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ لاَ يَدْرِي كَمْ صَلَّى۔[14]

---

[13] بخاری کتاب الاذان باب ما یُحقن بالاذان من الدِّمآء

[14] بخاری کتاب الاذان باب فضل التأذین

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب اذان ہوتی ہے تو شیطان پاد مارتا پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے اتنا کہ اذان نہیں سنتا۔ بعد اذان واپس آجاتا ہے پھر اقامت سن کر پہلے کی طرح بھاگ جاتا ہے اقامت کے بعد واپس آکر انسانی دل میں وسوسہ ڈال کر کہتا ہے فلاں یاد کر فلاں یاد کر یہاں تک کہ آدمی کو پتہ نہیں چلتا کہ اس نے کتنی رکعتیں نماز ادا کی ہیں۔ العیاذُ بِااللہِ

اذان کا جواب دینا:۔

اذان سننے والے خاموشی سے اذان سنیں۔ اگر تلاوت کر رہے ہیں تو بھی روک دیں اور اذان سن کر وہی کلمات ساتھ ساتھ دہرائیں۔

عَنْ أَبِی سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اُللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ، فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ المُؤَذِّن۔[15]

ترجمہ:۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم اذان سنو تو وہی کلماتِ اذان کہو جو مؤذن کہتا ہے۔

عَنْ عِیْسٰی بْن طَلْحَۃ انّہ سمع مُعاویۃ یَومًا فَقال بِمثلہ الی قولہٖ وَاشھدُ انّ محمدًا رّسولُ اللّٰہقَالَ يَحْيَى وَحَدَّثَنِی بَعْضُ إِخْوَانِنَا، أَنَّہُ قَالَ لَمَّا قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ، قَالَ لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ، وَقَالَ: ہٰکَذَا سَمِعْنَا نَبِيَّكُمْ صَلَّى اُللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُول۔[16]

ترجمہ:۔ حضرت عیسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سنا کہ انہوں نے ایک دن مؤذن کے ساتھ " اشھد انّ محمد رسول اللہ "تک وہی کلمات جواب میں پڑھے۔ حضرت یحیٰؒ کہتے ہیں مجھے بعض بھائیوں نے بتایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے "حیّ علی الصلوۃ" کے جواب میں لاحول ولاقوۃ الا باللہ" پڑھا اور کہا میں نے تمہارے نبی ﷺ سے ایسا ہی سنا ہے۔

[15] بخاری کتاب الاذان باب مایقول اذ سمع المنادی

[16] بخاری کتاب الاذان باب مایقول اذ سمع المنادی

حضرت سیدنا عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہے تو تم بھی یہی کہو جب وہ اشھد ان لا الہ الّا اللہ کہے تو تم بھی ایسا کہو جب وہ اشھد انّ محمداً رّسول اللہ کہے تو تم بھی یہی کہو اور جب وہ حیّ علی الصلوۃ اور حیّ علی الفلاح کہے تو تم لاحول ولا قوۃ الّا باللہ کہو پھر جب وہ اللہ اکبر اللہ اکبر کہے تو تم بھی ایسا ہی کہو جب لا الہ الّا اللہ کہے تو تم دل سے (اخلاص سے) لا الہ الا اللہ کہو جو اس طرح اذان کا جواب دے گا وہ جنت میں داخل ہو گا۔[17]

امام مسلمؒ کے باب استحباب القول کے استعمال سے ظاہر ہے کہ اذان کا جواب دینا مستحب ہے واجب نہیں۔

اذان کے بعد دعاء:۔

اذان دینے والے اور سننے والوں کو چاہیئے کہ دعاء پڑھیں اور دعا سے پہلے درود شریف بھی پڑھ لیں کہ حدیث مسلم سے یہی ثابت ہے۔ ایک صاحب نے لکھا کہ اذان کے بعد درود کا حکم حضور ﷺ نے سننے والوں کو دیا ہے خود اذان دینے والے کے لئے نہیں حیرت ہوئی اس خیال اور درود شریف بارے اس قدر بخل پر کیونکہ اذان دینے والے اور جواب دینے والوں نے اذان میں رسول محترم کا نام لیا ہے۔ لہذا دونوں درود پڑھیں۔ مؤذن اصل ہے اور سامع فرع۔ فرع پر درود پڑھنا لازم ہو اور اصل پر نہیں یہ کیا معقولیت ہوئی؟ پھر حضور ﷺ کا حکم درود تو سب کو شامل ہے آپ ﷺ نے یہ کب فرمایا کہ ثم صلّوا علی الّا المؤذن کہ بعد از اذان باقی دردو پڑھیں اور خود مؤذن اس سعادت سے محروم رہے۔ ہاں علمآء دیوبند نے اس جگہ درود شریف پڑھنے کا ذکر پوری دیانت سے کیا ہے۔ ہاں یہ بھی خیال رہے کہ اگر کوئی بعد از اذان سرّاً درود پڑھے تو وہ بھی درود ہی ہے کہ درود پڑھنے کے لئے جہر ہی لازم نہیں۔ اللہ کریم اختلاف سے امت کو بچائے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے۔[18]

---

[17] صحیح مسلم نے کتاب الصلوۃ باب استحباب القول مثل قول المؤذن

[18] رواہ مسند احمد

اذان کے بعد مشہور و معروف دعاء حدیث رسول ﷺ سے:۔

عَنْ جَابِرِ بنْ عَبْدُ اللهِ انَّ رسول الله ﷺ قال من قال حين يسمعُ النِّدآءَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّۃِ وَالصَّلَاةِ الْقَآئِمَۃِ اٰتِ (سَیِّدَنَا)مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَوَابْعَثْہُ مَقَامًا مَحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ حلّت لہٗ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ۔[19]

ترجمہ:۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو اذان سن کر یہ دعا پڑھے کہ اے اللہ ! اے اس دعوتِ کامل اور قائم ہونے والی نماز کے رب محمد ﷺ کو وسیلہ و فضیلت اور وہ مقامِ محمود عطا فرما جس کا آپ نے اس سے وعدہ کیا ہے تو اس کے لیے بروز قیامت میری شفاعت حاصل ہو گئی۔

اذان کے دوران کانوں میں اُنگلیاں ڈالنا اور بغیر وضو کے اذان دینا:۔

امام بخاریؒ کتاب الاذان ج 1 میں کانوں میں انگلیاں ڈالنے اور نہ ڈالنے کے بارے میں صحابہ کا عمل ذکر کرتے ہیں اور پھر اذان کے لئے باوضو ہونے اور نہ ہونے کی بات کرکے بغیر فیصلہ دیئے اور کسی طرف ترجیح دیئے آگے گزر جاتے ہیں کہ مسائل کا اخراج احادیث سے اس کا منصب نہیں یہ ائمہ فقہ کا منصب ہے لہٰذا ملاحظہ ہو فقہ حنفی کی عبارت۔

وينبغی أن يؤذن ويقيم على طهرٍ، فإن أذن على غير وضوءٍ جاز، ويكره أن يقيم على غير وضوءٍ أو يؤذن وہو جنبٌ۔[20]

ترجمہ:۔ چاہیئے کہ اذان و اقامت باوضو ہو کر دی جائے ہاں اگر اذان بغیر وضو کے دی تو جائز ہے مگر اقامت بغیر وضو کے مکروہ ہے۔ یا اذان دینا حالتِ جنابت میں بھی مکروہ ہے۔

(واضح رہے کہ مکروہ کا مطلب یہ نہیں کہ وہ عمل جائز ہی نہیں بلکہ اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ ایسا کرنا پسندیدہ عمل نہیں جواز میں کوئی شک نہیں۔)

---

[19] بخاری کتاب الاذان باب الدعآء عند الندآء

[20] قدوری باب الاذان

اذان مندرجہ ذیل عقائد و نظریات کا اظہار و اعلان اور دعوت ہے:۔

1۔ اللہ تعالیٰ کی کبریائی و بڑائی　　　　2۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی

3۔ حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی　　　　4۔ نماز کی دعوت

5۔ فلاح و کامرانی کے راستہ کی دعوت　　　　6۔ نماز کی نیند وغیرہ سے فضیلت

7۔ آخر اذان میں پھر اللہ تعالیٰ کی کبریائی و بڑائی اور اس کی الوہیت کی وحدانیت کا اعادہ۔

یہ پیغام ہمہ وقت چوبیس گھنٹے مسلسل کائنات میں گونج رہا ہے جب کسی ایک شہر میں اذانوں کا وقت ختم ہوتا ہے تو دوسرے شہر میں شروع ہوتا ہے اور یہ عمل اسی طرح مسلسل چلتا رہتا ہے کبھی رکتا نہیں پھر یہ بھی ممکن ہے کہ جب کسی ایک ملک میں یہ پیغام گونج رہا ہو عین اسی وقت کسی دوسرے دور دراز ملک میں کسی اور نماز کا وقت ہو اور وہاں بھی اذانیں گونج رہی ہوں۔ حق بھی یہی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا ایک اکیلا خالق، مالک اور رازق ہے اس کی تعریف اور اس کی بندگی کا اعلان جہان میں ہمہ وقت ہوتا رہے اور ورفعنالک ذکرک کے تحت اس کے محبوب ﷺ کا ذکر بھی اذان و اقامت و دعاء و نماز میں ساتھ ساتھ چلتا رہے۔

خدا کا ذکر کرے ذکرِ مصطفیٰ نہ کرے　　　　ہمارے منہ میں ہو ایسی زباں خدا نہ کرے

سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ وَ صَلَّى اللهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ

مُروّج دُعاء کے آخری کلمات وَ ارْزُقنَا شفاعته يوم القيامة:۔

حضور ﷺ سے اکثر مقاماتِ دعاء میں کئی کئی دعائیں احادیث کی زینت ہیں جبکہ ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے کسی ایک کو ہی یاد کر پاتے ہیں جیسے نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد یا پھر آخری قعدہ میں درود شریف کے بعد یا ایسے نماز جنازہ کے موقع پر کئی دعائیں ملتی ہیں۔ اب جو دعا بعد از اذان عوام میں مروج ہے یہ بخاری سے لی گئی ہے اور اس میں وارزقنا شفاعتہٗ یوم القیامۃ کے الفاظ بظاہر تو نہیں ہیں لیکن اس جگہ حلّت لہ شفاعتی یوم القیامۃ کے الفاظ ہیں جو وارزقنا شفاعتہ یوم القیامۃ پر دلالت کر رہے ہیں پھر بھی اگر آپ الفاظ کی تلاش کریں تو الفاظ یہ ہیں۔

وَاجْعَلْنَا فِي شَفَاعَتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَجَبَتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ۔[21]

یہ الفاظ حضور ﷺ کی دعا کے آخری الفاظ ہیں جو آپؐ فرمایا کرتے تھے۔

یہ پوری دعا ان الفاظ سمیت آپ کو مجمع الزوائد ج۔2رقم 1879,1878ص94پر ملے گی۔

اذان کے اوّل و آخر میں جہرًا مخصوص الفاظ سے درود کا لزوم:۔

ہم ایک ایسے دَور سے گزر رہے ہیں جہاں شریعت کا اتباع کم اور تعصّب کا دَور دورہ ہے اکثر علماء جانبداری میں بات کرتے نظر آتے ہیں اور اکثر ایسے بھی ہیں جو کسی مسئلہ کو گہرائی سے جانتے تک نہیں مگر دلائل پر دلائل دیتے چلے جاتے ہیں۔ کچھ وہ بھی ہیں جو حق کو سمجھتے تو ہیں مگر خوفِ مخالفت میں حق بولنے کی جراءت نہیں کرتے۔

جہاں تک مطلق درود شریف کی بات ہے تو نہ اس کی فضیلت سے انکار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی بھی وقت پڑھنے سے۔ مسئلہ صرف تب پیدا ہوتا ہے جب ایک مطلق اور غیر لازم عمل کو مخصوص الفاظ اور مخصوص وقت سے یوں لازم کر دیا جائے کہ اس پر عمل نہ کرنے والے کو بُرا بھلا بھی کہا جائے اور فرض کو تو کبھی مجبورًا چھوڑ دیا جائے مگر اپنے جاری کردہ عمل کو ہر حال میں جاری رکھا جائے۔ پھر یہ کہ ایک عمل جائز تو ہو مگر اس کو جہر سے یوں لازم تصور کیا جائے کہ سرًا پڑھنے کو جائز ہی نہ سمجھا جائے۔ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے وہ یہ کہ اذان کو اللہ جل شانہ کے مبارک نام سے شروع کیا جائے اور اسی کے عظیم اور بابرکت نام پر ختم کیا جائے۔ جہاں تک اول و آخر مخصوص الفاظ سے درود کی بات ہے تو اس بارے میں شیخ الحدیث غلام رسول سعیدیؒ کی شرح صحیح مسلم کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہ ہو گا جہاں تک مجھے یاد ہے آپ فرماتے ہیں کہ حقیقت تو یہ ہے کہ درود شریف کو اذان کے اول و آخر میں جہری پڑھنا یہ خیر القرون میں نہ تھا بعد میں ملایا گیا ہے۔ یعنی حضور ﷺ کے مبارک زمانہ میں اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں صرف اذان ہی جہرًا کہی جاتی تھی۔ اب رہا درود شریف کا مسئلہ تو اذان سے پہلے کسی حدیث میں نہیں، عموم سے ثابت ہے مگر عموم سے تو اور بھی بہت کچھ ثابت ہوتا ہے کیا ہم وہ سب کرتے ہیں۔؟ مثلاً عموم سے رات بھر یا دن بھر تلاوت کرنا یا نوافل

[21] المعجم الكبير-الطبراني

پڑھنا ثابت ہے کیا ہم کرتے ہیں۔ جو چیز عموم سے ثابت ہو اس کو عموم پر رکھا جائے نہ کہ خاص کر لیا جائے یہی وجہ ہے کہ حضور ضیاء الامت ؒ نے اپنے مُؤذن کو پابند کیا ہوا تھا کہ وہ اذان کے شروع میں درود و سلام نہ پڑھے اور بعد اذان بھی کچھ وقفہ دے کر پڑھے اور اختتام رب کریم کی حمد پر یوں کرے الصلوۃ والسلام علیک یا رحمۃً للعٰلمین و الحمد للہ رب العالمین چونکہ بعد از اذان حدیث مسلم سے ثابت ہے مگر درود وہی ثابت ہے جہر کا لزوم ثابت نہیں۔

اذان کے بعد درود شریف پر اپنا عمل اس طرح ہے کہ بعد از اذان دعاء سے پہلے اس کو سرًا پڑھ کر ساتھ ہی دعا پڑھ لیتا ہوں کہ یہ درود شریف اذان کے بعد بھی ہو جائے اور دعا کی قبولیت کے لئے اس کے شروع میں بھی ہو جائے یہ سارا عمل سرًّا کر لیا جاتا ہے گویا ہر کسی کو اصلاح کی ضرورت ہے اللہ ہمیں فہم وسعتِ نظری اور اپنی اپنی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسلِّمْ عَلَیْہِ۔

اذان و اقامت کے چند عمومی مسائل:۔

1۔ اذان صرف نماز پنج گانہ اور جمعہ کے لئے سنت ہے باقی کسی نماز کے لئے نہ اذان دینا سنت ہے اور نہ ہی اقامت جیسے نماز وتر، نماز تراویح، عیدین، نماز کسوف و خسوف یا نماز استسقاء وغیرہ کسی کے لئے اذان دینا سنت نہیں۔

2۔ اذان کھڑے ہو کر دی جائے اگر کسی عذر سے بیٹھ کر دے تو جائز ہے کہ عذر سے خود نماز بھی بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔

3۔ اذان کے دوران سر پر کپڑا ہونا ادب تو ہے مگر مسئلہ نہیں کیونکہ اذان نماز نہیں بلکہ ذکر ہے اور اذکار کے لئے نہ وضو شرط ہے نہ قبلہ رو ہونا شرط ہے نہ کپڑے کا سر پر ہونا شرط ہے۔

4۔ اذان کو ترسیل سے پڑھا جائے یعنی کلمات کو الگ الگ کر کے پڑھا جائے مگر اذان میں گانے کی طرح غناء منع ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک شخص نے کہا میں آپ کو اللہ کے لئے محبوب رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا میں آپ کو اللہ کے لئے ناپسند کرتا ہوں اس نے کہا ایسا کیوں تو

آپ نے فرمایا کہ تو اذان کو گاتا ہوا پڑھتا ہے ایسے ایک دوسرے آدمی کی اذان کو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے سُنا تو فرمایا ٹھیک طریقہ سے اذان دے یا پھر ہٹ جا کوئی اور دے دے گا۔

5۔ اقامت یعنی تکبیر میں ترّسل کی بجائے حدر کی جائے یعنی جلدی جلدی جملے کہے جائیں۔

6۔ اذان میں حیّ علی الصلٰوۃ اور حیّ علی الفلاح پر اب دائیں بائیں چہرہ پھیرنے کی ضرورت نہیں رہی کہ اب سپیکر ہے دائیں بائیں منہ پھیرنے سے آواز کی بلندی میں فرق آتا ہے اگر آپ کہیں کہ حضرت بلالؓ نے ایسا کیا تو پھر آپ کو سپیکر بھی چھوڑنا ہوگا مسجد سے بھی باہر آنا ہوگا اور کسی اونچی جگہ پر اذان دینی ہوگی پھر دائیں بائیں چہرہ بھی پھیر لینا۔

7۔ اگر ایک جماعت کی نماز قضا ہو جائے تو اسے ادا کرنے کے لئے اذان و اقامت دونوں سنت ہیں کہ حضور ﷺ نے ایسا ہی کیا۔

8۔ کسی بھی اذان کو وقتِ نماز کے داخل ہونے سے پہلے نہ کہا جائے۔ اگر کہہ دی گئی تو وقت پر اس کا اعادہ کرے۔ ہاں فجر کی اذان امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صبح صادق سے پہلے جائز ہے مگر اس سے بھی وہ اذان مراد ہے جو حضرت بلالؓ تہجد کے لئے دیا کرتے تھے اور بعد میں نماز کے لئے پھر سے اذان دی جاتی تھی۔[22]

9۔ اقامت خود امام صاحب بھی پڑھ سکتا ہے یہ رواج ہے کہ وہ نہیں پڑھتا مسئلہ نہیں۔ حضور ﷺ نے ایک دن خود اذان پڑھی خود ہی اقامت پڑھی اور خود ہی نماز پڑھائی۔

10۔ اقامت صرف پہلی صف پر امام کے پیچھے ہی نہیں بلکہ کسی بھی صف اور مسجد کے کسی بھی کونے سے پڑھنی جائز ہے۔

فضائل نماز

دینِ اسلام میں کلمہ طیبہ پڑھ لینے اور اس کا دل سے اقرار کر لینے کے بعد جس عنوان اور حکم کو بنیادی و مرکزی حیثیت حاصل ہے وہ نماز ہے جو بندگی کی کامل ترین صورت ہے اور کثیر عبادات

---

[22] بخاری کتاب الاذان

کا مجموعہ ہے۔ یہ تحفۂ معراج ہے فرشتوں کی جملہ عبادات کو شامل ہے۔ بندے اور رب کے درمیان رابطے اور کلام کا عمدہ ترین طریقہ ہے۔ اللہ و رسول کی رضا و خوشنودی کا ذریعہ ہے فکر و قلب کی اصلاح اور ظاہری و باطنی صفائی اور صحت و تندرستی کے لئے اکسیر ہے۔ علامتِ ایمان اور دلیلِ مسلمانی ہے قرآن مجید کی ہزاروں اٰیات بیّنات کی بجا آوری ہے جن اٰیات کا تعلق اقامتِ صلٰوۃ، ذکرِ خداوندی، تسبیح و حمدِ باری تعالیٰ سے ہے۔

نماز دراصل بوجھ نہیں بلکہ رب کا بندوں پر احسان ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے در پر حاضری اپنے دسترخوانِ کرم سے مانگنے اور اپنے ساتھ ہم کلام ہونے کا موقع فراہم کیا کہ انسان رب کی ذات والا صفات سے کٹ کر نفس و ابلیس اور متاعِ دنیا کے دھوکے میں گرفتار ہو کر ابدی بدبخت اور خائب و خاسر نہ ہو جائے۔

اذاں ازل سے تیرے عشق کا ترانہ بنی　　　نماز تیری دید کا اِک بہانہ بنی

فضائل نماز احادیث کی روشنی میں:۔

چونکہ زیرِ نظر کتاب کی تحریر و تالیف سے اصل مقصود یہ ہے کہ احناف کی نماز کو احادیث کی روشنی میں پیش کیا جائے لہذا فقہی مسائل سے اجتناب کرتے ہوئے بفضلہ تعالیٰ احادیث مبارکہ پیشِ خدمت ہیں۔

1. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ: الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمْعَةُ إِلَى الْجُمْعَةِ، وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ، مُكَفِّرَاتٌ مَا بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ۔[23]

ترجمہ:۔　ابوہریرہؓ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے پانچوں نمازیں، جمعہ دوسرے جمعہ تک اور رمضان دوسرے رمضان تک درمیانی عرصہ کے لئے کفّارہِ سیّٔات ہیں جبکہ کبائر سے بچا جائے۔

---

[23] مسلم کتاب الطہارت باب الصلوات الخمس

2. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا، مَا تَقُولُ ذَلِكَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ قَالُوا لاَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ شَيْئًا، قَالَ فَذَلِكَ مِثْلُ الصَّلَوَاتِ الخَمْسِ، يَمْحُو اللَّهُ بِهِ الخَطَايَا۔[24]

ترجمہ:۔ ابوہریرہؓ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تمہارا کیا خیال ہے اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو اور وہ دن میں پانچ دفعہ اس میں غسل کرے تو اس کے بدن پر کوئی میل باقی رہ جائے گی؟ گزارش کی جناب کوئی مَیل باقی نہیں رہے گی تو جناب نے فرمایا بس پانچ نمازیں ادا کر لینا بھی ایسے ہی ہے کہ اللہ ان کی ادائیگی سے تمام خطائیں مٹا دیتا ہے۔

3. عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ رَجُلًا أَصَابَ مِنَ امْرَأَةٍ قُبْلَةً، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْبَرَهُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: (أَقِمِ الصَّلاَةَ (ص:112) طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ، إِنَّ الحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ) (ہود: 114) فَقَالَ الرَّجُلُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلِي هَذَا؟ قَالَ: لِجَمِيعِ أُمَّتِي كُلِّهِمْ وفی روایۃ لمن عمل بها مِنْ أُمَّتی[25]۔

ترجمہ:۔ عبد اللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ کسی آدمی نے کسی عورت کا بوسہ لے لیا تو رسول اللہ ﷺ کو آکر خبر دی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ قائم کریں نماز دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات کے حصّوں میں بے شک نیکیاں مٹا دیتی ہیں برائیوں کو تو اس آدمی نے گزارش کی یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ کرمِ خداوندی صرف میرے لئے خاص ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا نہیں یہ میری ساری امّت کے لئے ہے اور ایک روایت میں ہے کہ میری امت میں سے جو اس پر عمل کرے۔

4. عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي أَصَبْتُ حَدًّا فَأَقِمْهُ عَلَيَّ، قَالَ: وَلَمْ يَسْأَلْهُ عَنْهُ، قَالَ: وَحَضَرَتِ الصَّلاَةُ، فَصَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلاَةَ، قَامَ إِلَيْهِ الرَّجُلُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي أَصَبْتُ حَدًّا، فَأَقِمْ فِيَّ كِتَابَ اللَّهِ، قَالَ: أَلَيْسَ قَدْ صَلَّيْتَ مَعَنَا قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: " فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ ذَنْبَكَ، أَوْ قَالَ: حَدَّكَ۔[26]

---

[24] بخاری کتاب مواقیت الصلوۃ باب الصلوٰت الخمس، مسلم

[25] بخاری کتاب مواقیت الصلوۃ باب الصلات کفارۃ۔ مسلم

[26] بخاری کتاب المحاربین من اہل الکفر والردۃ باب اذا اقر بالحد ولم یبین ہل للامام ان یستر علیہ، مسلم

ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک شخص حضور ﷺ سے آکر گزارش کرتا ہے میں نے قابلِ حد جرم کر دیا ہے مجھ پر حد قائم فرمائیں (جرم کی سزا جاری) آپ نے فرمایا تو اس بارے تونے کسی سے پوچھا نہیں ؟ اتنے میں نماز کھڑی ہوئی تو اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی بعد از نماز کھڑا ہو کر پھر کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے قابل حد جرم کر لیا مجھ پر حد بطور سزا جاری فرمائیں حضور ﷺ نے فرمایا کیا آپ نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی ؟ تو اس نے کہا جی پڑھی ہے تو جناب نے فرمایا پھر اللہ نے یقیناً تیرا گناہ یا تیری حد بخش دی۔

نوٹ۔ رب کریم نے کرم کی انتہا کر دی مگر عین ممکن ہے اس بخشش کا دارومدار حضور ﷺ کی صحبت واقتداء کے ساتھ ہو۔ جبکہ اَلَیْس قد صلّیت معنا کے الفاظ اسی طرف اشارہ بھی کر رہے ہیں۔

5. عن عَبْدِ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْہُ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اُللہ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَيُّ العَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: الصَّلاَةُ عَلَى مِيقَاتِہَا ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ثُمَّ بِرُّ الوَالِدَيْنِ ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: الجِہَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَسَكَتُّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اُللہ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ، وَلَوِ اسْتَزَدْتُہُ لَزَادَنِی۔[27]

ترجمہ:۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا اللہ کے ہاں کونسا عمل زیادہ محبوب ہے تو سرور عالم ﷺ نے فرمایا نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا ،میں نے کہا جناب نماز کے بعد کونسا عمل زیادہ محبوب ہے تو فرمایا والدین سے نیکی کرنا میں نے کہا پھر ؟ تو جناب نے فرمایا جہاد فی سبیل اللہ ابن مسعودؓ نے کہا میں خاموش رہا اور اگر میں زیادہ پوچھتا تو آپ ﷺ مزید فرماتے۔

6. عَنْ أَبِي ذَرٍّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اُللہ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ يَتَہَافَتُ ، فَأَخَذَ بِغُصْنَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ، قَالَ: فَجَعَلَ ذَلِكَ الْوَرَقُ يَتَہَافَتُ، قَالَ: فَقَالَ: يَا أَبَا ذَرٍّ قُلْتُ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ: إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيُصَلِّي الصَّلَاةَ يُرِيدُ بِہَا وَجْہَ اللَّهِ، فَتَہَافَتُ عَنْہُ ذُنُوبُہُ كَمَا يَتَہَافَتُ ہَذَا الْوَرَقُ عَنْ ہَذِهِ الشَّجَرَةِ۔[28]

ترجمہ:۔ ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سردیوں کے زمانے باہر تشریف لے گئے جبکہ پت جھڑ کا موسم تھا جناب نے ایک درخت کی ٹہنیوں کو پکڑا تو اس کے پتے گرنے لگے تو آپ ﷺ نے

---

[27] بخاری کتاب مواقیت الصلوۃ باب فضل الصلوٰۃ، مسلم

[28] رواہ احمد بن حنبل

ابو ذر سے فرمایا اے ابو ذر تو میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہِ مُسلم محض اللہ کی رضاجوئی کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے اس درخت کے پتے جھڑ گئے۔

7. عن عُبادةبن الصامت قال أَشْہَدُ أَنِّی سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّہِ صَلَّی اُللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُولُ: خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَہُنَّ اللَّہُ تَعَالَی مَنْ أَحْسَنَ وُضُوءَ ہُنَّ وَصَلَّاہُنَّ لِوَقْتِہِنَّ وَأَتَمَّ رُکُوعَہُنَّ وَخُشُوعَہُنَّ کَانَ لَہُ عَلَی اللَّہِ عَہْدٌ أَنْ یَغْفِرَ لَہُ، وَمَنْ لَمْ یَفْعَلْ فَلَیْسَ لَہُ عَلَی اللَّہِ عَہْدٌ، إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَہُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَہُ۔[29]

ترجمہ:۔ عبادہ بن صامت ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض فرمائیں جو خوب اچھی طرح سے ان کے لئے وضو کرے اور ان کو وقت پر ادا کرے اور ان کے رکوع کو پوری طرح ادا کرے اور ان میں خشوع سے کام لے تو اس کا اللہ کے ہاں ذمّہ کرم ہے کہ اس کو بخش دے اور جو ایسا نہ کرے اس کے لئے اللہ کے ذمہ کچھ نہیں چاہے تو اس کو بخش دے اور چاہے تو اس کو عذاب دے۔

نوٹ:۔ حدیث بالا سے ظاہر ہے کہ جو ان نمازوں کو ادا نہ کرے وہ قابل مغفرت ہے جبکہ قابل مغفرت کے لئے ایمان لازمی ہے تو ظاہر ہے کہ ترک نماز گناہ کبیرا ہے کفر نہیں جن احادیث سے کفر کا اظہار ہوتا ہے ان کی بھی ایسی ہی تاویل کی جائے گی جس سے حدیث ھذا کارد لازم نہ آئے۔ ایک دوسری حدیث اس طرح ہے کہ ایک جوان صحابی نے شادی کی بیوی نے حضور ﷺ کو شکایت کی کہ صبح کی نماز کا تارک ہے حضور ﷺ نے بلا کر پوچھا تو اس نے جوانی اور نئی نئی شادی کا عذر پیش کیا کریم نبی ﷺ نے اس پر کفر کا فتوی نہ لگایا بلکہ فرمایا اچھا جب بھی صبح بیدار ہوتے ہو تو پڑھ لیا کرو۔ یعنی قضا کر لیا کرو۔

8. قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اُللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: " فَفَرَضَ اللَّہُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَی أُمَّتِی خَمْسِینَ صَلاَۃً، فَرَجَعْتُ بِذَلِکَ، حَتَّی مَرَرْتُ عَلَی مُوسَی، فَقَالَ: مَا فَرَضَ اللَّہُ لَکَ عَلَی أُمَّتِکَ؟ قُلْتُ: فَرَضَ خَمْسِینَ صَلاَۃً، قَالَ: فَارْجِعْ إِلَی رَبِّکَ، فَإِنَّ أُمَّتَکَ لاَ تُطِیقُ ذَلِکَ، فَرَاجَعْتُ، فَوَضَعَ شَطْرَہَا، فَرَجَعْتُ إِلَی مُوسَی ، قُلْتُ: وَضَعَ شَطْرَہَا، فَقَالَ: رَاجِعْ رَبَّکَ، فَإِنَّ أُمَّتَکَ لاَ تُطِیقُ، فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَہَا، فَرَجَعْتُ إِلَیْہِ، فَقَالَ: ارْجِعْ رَبَّکَ، فَإِنَّ أُمَّتَکَ لاَ تُطِیقُ ذَلِکَ، فَرَاجَعْتُہُ، فَقَالَ: ہِیَ خَمْسٌ وھی خمسون لا یبدّلُ القول لدیَّ فرجعتُ الی موسیٰ ؑ فقال راجعْ ربک فقلتُ استحییتُ من رّبّی۔[30]

---

[29] رواہ احمد، ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب المحافظۃ علی الصلوات، مالک والنسائی

[30] بخاری کتاب الصلوۃ کیف فرضت الصلوات فی الاسراء

یہ کتاب الصلوۃ کی پہلی حدیث ہے جس میں معراج کا تفصیلی ذکر ہے اس حدیث سے متعلقہ حصّہ پیش کیا گیا ہے۔

ترجمہ:۔ حضور ﷺ نے فرمایا معراج کی رات اللہ نے میری امت پر پچاس (50) نمازیں فرض فرمائیں تو میں لیکر واپس ہوا، پر جب موسیٰؑ کے پاس سے گزرا تو انہوں نے کہا اللہ نے آپ کی اُمت پر کیا فرض فرمایا میں نے کہا پچاس نمازیں تو بولے اپنے رب کے پاس واپس جاؤ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی تو میں واپس گیا تو اللہ نے ایک حصہ کم کر دیں پھر موسیٰؑ کے پاس آیا تو بتایا کہ ایک حصہّ کم ہو گئیں تو انہوں نے کہا رب کے پاس واپس جاؤ آپ کی امت ان کی بھی طاقت نہیں رکھتی تو میں واپس گیا ایک حصّہ کم ہو گیا پھر موسیٰؑ کے پاس آیا تو بولے رب کے پاس واپس جاؤ آپ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی تو میں اللہ کے پاس واپس گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب یہ پانچ ہیں مگر یہ اجر میں پچاس ہیں کہ میرے پاس قول بدلتے نہیں تو میں موسیٰؑ کے پاس واپس پلٹا تو انہوں نے کہا رب کے پاس پھر جاؤ تو میں نے کہا اب مجھے اپنے رب سے شرم آتا ہے۔

سبحان اللہ ! کیا عجیب منظر حدیث میں پیش کیا گیا رب نے ایک ملاقات کے لئے بلایا تھا نماز کے طفیل اور موسیٰؑ کی مداخلت سے کئی بار بارگاہ ایزدی میں شرف ملاقات نصیب ہوتا رہا۔ کریم رسول بار بار جاتا رہا کریم رب نے ایک مرتبہ بھی خالی نہیں موڑا یہی اس کو زیبا بھی ہے۔ کہ آخر میں حضور ﷺ جانے سے حیا کی وجہ سے رک گئے اگر جاتے تو خالی نہ آتے۔ یوں کہیں کہ بندہ مانگتے مانگتے بس کر گیا دینے والے نے دینے سے انکار نہ کیا۔ مزید کرم یہ فرمایا کہ پڑھیں پانچ نمازیں اور اجر پچاس نمازوں کا پائیں۔ اب سوال یہ ہے کہ رب نے تو پچاس نمازیں عطا فرمائیں پچاس سے پانچ کس کے واسطہ سے ہوئیں؟ یہ واسطہ حضرت موسیٰؑ اور جناب سید الانبیآء بنے اب اگر واسطہ کا انکار کریں تو پچاس ادا کرنا پڑتی ہیں لہذا واسطہ کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ میرے ذوق کی خاص بات یہ ہے کہ حضور ﷺ پچاس لیکر چلے تھے آپ کے ذوق بندگی میں یہ بالکل زیادہ نہ تھیں اور حضرت موسیٰؑ نے بھی امت کی بات کی کہ وہ ادا نہ کر سکیں گے صرف امت کی خاطر بار بار جانا پڑا مگر حیرت ہے امت پر کہ بڑی لاپرواہی سے اس عظیم تحفہء خداوندی کو ترک کرکے ناشکری کا مظاہرہ کرتی ہے۔ حضور ﷺ کو حیاء اس وجہ سے آئی کہ رب کریم فرمائیں گے پچاس سے پانچ کر دیں اب ان کی ادائیگی کے لئے بھی تیار نہیں۔ وہاں

حضور ﷺ کو حیا آگئی آج ہم کو حیا نہیں آتی کہ دعوی بھی مسلمان ہونیکا، رب کا بندہ اور نبی کا غلام ہونے کا کریں اور ہمارا سر بارگاہ ایزدی میں جھکنے سے محروم ہو۔ ایسے حرماں نصیبوں کے لئے خدائی اور قہر آنی جلال ملاحظہ ہو۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ[31]

ترجمہ:۔ اور آج جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اپنے رب کے سامنے جھکو تو نہیں جھکتے۔

ایسے لوگ بے نمازوں کا کل قیامت کا منظر اور ذلّت بھی ملاحظہ فرمائیں۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ[32]

ترجمہ:۔ جس روز پردہ اٹھایا جائے گا ایک پنڈلی سے تو ان کو سجدہ کی دعوت دی جائے گی تو وہ سجدہ نہ کرسکیں گے ندامت سے جھکی ہونگی ان کی آنکھیں ان پر ذلّت چھا رہی ہوگی۔

اے اللہ تعالیٰ ہمیں نماز کی سعادت سے کبھی محروم نہ فرما اور ہماری نسلوں کو بھی توفیق عطا فرما۔

9. عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اُللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلَّى يُنَاجِي رَبَّهُ، فَلاَ يَتْفِلَنَّ عَنْ يَمِينِهِ، وَلَكِنْ تَحْتَ قَدَمِهِ اليُسْرَى ۔[33]

ترجمہ:۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا نبی کریم ﷺ نے تم میں سے جو کوئی نماز میں ہوتا ہے تو وہ درحقیقت اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے لہذا اس کو اپنی دائیں نہیں تھوکنا چاہیئے ہاں لیکن اپنے بائیں قدم کے نیچے۔

10. عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اُللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ذَكَرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا فَقَالَ: مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا، كَانَتْ لَهُ نُورًا، وَبُرْهَانًا، وَنَجَاةً مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا، لَمْ تَكُنْ لَهُ نُورًا، وَلَا نَجَاةً، وَلَا بُرْهَانًا، وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ، وَأُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ۔[34]

---

[31] المرسلات 48

[32] القلم۔42

[33] بخاری کتاب مواقیت الصلوۃ حدیث باب باب المصلی یناجی ربّہٗ

[34] رواہ احمد والدارمی والبیھقی فی شعب الایمان

ترجمہ:۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک روز نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا جو نماز کی حفاظت کرے گا تو نماز اس کے لئے نور، حجت اور نجات کا باعث ہو گی کل قیامت کے دن۔ اور جو اس کی حفاظت نہ کرے اس کے لئے نہ نور ہو گا نہ حجت اور نہ قیامت کے روز نجات ہو گی اس روز وہ قارون، فرعون، ھامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہو گا۔

نماز سے محرومی احادیث کی روشنی میں:۔

نماز اسلامی تعلیمات کا وہ بنیادی حکم ہے جس پر پوری اسلامی عمارت قائم ہے جس طرح اللہ جل شانہ نے ہر ذی روح کی زندگی کا مدار پانی پر رکھا عین اسی طرح ہر مومن کے ایمان و عمل، اخلاق و کردار اور اصلاحِ ظاہر و باطن کا دارومدار نماز پر ہے۔ نماز تمام انبیاء کی تعلیمات اور جملہ شریعتوں کی مرکزی تعلیم ہے نماز کے بغیر اسلام کا تصور کرنا ناممکن ہے جب حضور ﷺ سے گزارش کی گئی کہ ہم اسلام کو قبول کرتے ہیں مگر اس شرط پر کہ نماز نہیں پڑھیں گے تو حضور ﷺ نے فرمایا وہ کونسا دین ہوا جس میں نماز نہ ہو۔ ترکِ نماز کی برائی پر چند احادیث پیشِ خدمت ہیں۔

1. عن جَابِرٍ قالَ: قالَ رَسُولُ الله صلى الله عليه وسلم: بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصّلاَةِ[35]

ترجمہ:۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑنے کا ہی فاصلہ ہے۔

2. عَنْ بُرَيْدَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: العَهْدُ الَّذِى بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ۔[36]

ترجمہ:۔ حضرت بُرَیدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہمارے اور اسلام قبول کرنے والے عام لوگوں کے درمیان نماز کا عہد و میثاق ہے وہ ہے نماز کا نہ چھوڑنا پس جس نے نماز چھوڑ دی تو اس نے عہد کا انکار کر دیا جو ہمارے ساتھ کیا تھا۔

---

[35] ترمذی کتاب الایمان عن رَسُولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب ماجاءَ فی تَرکِ الصّلاۃ

[36] ترمذی کتاب الایمان عن رَسُولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب ماجاءَ فی تَرکِ الصّلاۃ، رواہ ابن ماجہ والنسائی

3. عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، قَالَ: أَوْصَانِي خَلِيلِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ: لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ شَيْئًا، وَإِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ، وَلَا تَتْرُكْ صَلَاةً مَكْتُوبَةً مُتَعَمِّدًا، فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا، فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ، وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ، فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ ۔[37]

ترجمہ:۔ حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ میرے خلیل ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ اللہ کے ساتھ کبھی کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ تیرے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور آگ میں جلا دیا جائے اور فرض نماز نہ چھوڑنا جان بُوجھ کر بس جو دانستہ فرض نماز کو چھوڑدے تو میں اس کی ذمہ داری سے بری ہوں اور شراب نہ پینا کہ یہ ہر برائی کی کنجی ہے۔

4. فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْمِلَّةِ ۔[38]

ترجمہ:۔ پس جس نے عمداً نماز کو ترک کردیا وہ ملّت سے خارج ہو گیا۔

نوٹ:۔ ایسی ہی چند دیگر احادیث کی بنیاد پر حضرت امام ابو حنیفہؒ نے نماز کو معیار قرار دیتے ہوئے ہر اس انسان کو ملّتِ اسلامی سے خارج تصور نہیں کیا جو اہلِ قبلہ یعنی نمازی ہو لہٰذا مقلدین امام پر لازم ہے کہ وہ توحید باری کا اقرار کرنے والے ہمارے قبلہ کو قبلہ یقین کرنے والے اور ہماری نماز کی طرح نماز پڑھنے والے پر کفر کے فتوے سے اجتناب کریں ورنہ ایک حدیث کی روشنی میں جو کسی مسلمان پر کفر کا فتویٰ لگائے وہ خود کفر کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ کمال یہ نہیں کہ توحید و رسالت کے قائل کو کافر ثابت کیا جائے بلکہ کمال یہ ہے کہ کسی غیر مسلم پر محنت کرکے اس کو دائرۂ اسلام میں شامل کیا جائے ۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

نِشہ پلا کے گِرانا تو سب کو آتا ہے — مزا تو تب ہے کہ گرتے کو تھام لے ساقی

5. جلیل القدر تابعی عبد اللہ بن شقیق العقیلی نے حضرات صحابہ کرام کے بارے فرمایا۔

[37] ابن ماجہ کتاب الفتن باب الصبر علی البلاء

[38] مجمع الزوائد کتاب الوصایا باب وصیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَقِيقٍ الْعُقَيْلِيِّ، قَالَ كَانَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الأَعْمَالِ تَرْكُهُ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلَاةِ ۔[39]

ترجمہ:۔ اصحاب رسول ﷺ اعمال اسلامی میں سے سوائے نماز کے کسی عمل کے ترک کو کفر خیال نہیں کرتے تھے۔

ان مذکورہ احادیث سے امام احمد بن حنبلؒ اور بعض دوسرے اکابر امت نے یہ سمجھا کہ جو قصداً بلا وجہ نماز ترک کرے وہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے اور وہ ملت اسلامیہ کا فرد باقی نہیں رہتا مگر دیگر ائمہ اور جمہور علماء کے نزدیک اگرچہ بلا عذر قصداً ترکِ نماز جرمِ شنیع ہے مگر وہ کافر اس لئے نہیں ہوا کہ ترکِ نماز جرم عملی ہے نہ کہ اس نے نماز کی فرضیت سے انکار کیا ہے۔ صرف کلمہ طیبہ کی بنیاد جن لوگوں کی نجات ہو گی وہ احادیث اسی نظریہ کی تائید کرتی ہیں کہ ترکِ نماز گو شدید جرم ہے مگر کفر نہیں۔ ہاں اگر کوئی تارکِ نماز ہے اور نماز کی فرضیت کا بھی قولاً و اعتقاداً انکار کرے تو اس کے کفر میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

پانچ نمازوں کے اوقات احادیث کی روشنی میں:۔

اللہ کریم نے نمازوں کے اوقات کو اجمالاً و صراحۃً قرآن مجید میں بھی اوقاتِ نماز کی تعلیم فرمائی پھر جبریلؑ کو حکم دیا وہ آئے اور دو دن نمازوں کی امامت یوں فرمائی کہ پہلے دن ہر نماز کو اس کے بالکل شروع وقت میں پڑھایا جبکہ دوسرے دن ہر نماز کو اس کے بالکل آخری وقت میں پڑھایا اور کہا بس انہی کے درمیان پڑھتے رہو۔ پھر حضور ﷺ نے قول و فعل اور تعلیم سے ان اوقات کو واضح فرمایا۔

1. عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُولِهِ، مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ، وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ الْأَوْسَطِ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ، فَإِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَأَمْسِكْ عَنِ الصَّلَاةِ، فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَیْ شَيْطَانٍ۔[40]

---

[39] الترمذی أبواب الإیمان، عن رسول الله صلی الله علیہ وسلم باب ماجاء فی ترک الصلاۃ

[40] مسلم کتاب الصلٰوۃ باب اوقات الصلوۃ

ترجمہ:۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نماز ظہر کا وقت جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کی لمبائی برابر ہو جائے جب تک عصر کا وقت نہ ہو جائے، نماز عصر کا وقت ہے جب تک سورج زرد نہ ہو جائے، اور مغرب کا وقت رہتا ہے جب تک شفق غائب نہ ہو جائے اور عشاء کا وقت نصف لیل اوسط تک ہے۔ اور صبح کی نماز کا وقت طلوعِ فجر (صادق) سے سورج نکلنے سے پہلے تک ہے پھر جب سورج طلوع ہو رہا ہو تو نماز سے رُک جاؤ کہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔

نوٹ:۔ اوقات نماز کے حوالے سے مسلم شریف کی یہ حدیث بہت مختصر، واضح اور صاف ہے پھر اس میں خود رسول اللہ ﷺ کا بیان ہے۔

عَنْ بُرَيْدَةَ ؓ قَالَ اِنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَنْ وَّقْتِ الصَّلوٰةِ فَقَالَ لَہٗ صَلِّ مَعَنَا هٰذَيْنِ يَعْنِى الْيَوْمَيْنِ فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ اَمَرَبِلَالًا فَاَذَّنَ ثُمَّ اَمَرَهٗ فَاَقَامَ الظُّهْرَ ثُمَّ اَمَرَهٗ فَاَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاء نَقِيَّةٌ ثُمَّ اَمَرَهٗ فَاَقَامَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ اَمَرَهٗ فَاَقَامَ الْعِشَآءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ اَمَرَهٗ فَاَقَامَ الْفَجْرَ حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ فَلَمَّا اَنْ كَانَ الْيَوْمُ الثَّانِىْ اَمَرَهٗ فَاَبْرِدْ بِالظُّهْرِ فَاَبْرَدَبِهَا فَاَنْعَمَ اَنْ يُّبْرِدَبِهَا وَصَلى الْعَصْرَ وَ الشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ اَخَّرَهَا فَوْقَ الَّذِىْ كَانَ وَ صَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ اَنْ يَّغِيْبَ الشَّفَقُ وَصَلَّى الْعِشَآء بَعْدَمَاذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ وَصَلَّى الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ بِهَا ثُمَّ قَالَ اَيْنَ السَّآئِلُ عَنْ وَّقْتِ الصَّلوٰةِ فَقَالَ الرَّجُلُ اَنَا يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ وَقْتُ صَلوٰتِكُمْ بَيْنَ مَارَأَيْتُمْ ۔عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَهُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ، فَقَالَ: صَلِّ مَعَنَا هَذَيْنِ الْيَوْمَيْنِ فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ، أَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الظُّهْرَ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْمَغْرِبَ حِينَ غَابَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْفَجْرَ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ، فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْيَوْمِ الثَّانِي أَمَرَهُ فَأَذَّنَ الظُّهْرَ، فَأَبْرَدَ بِهَا، وَأَنْعَمَ أَنْ يُبْرِدَ بِهَا، ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ، أَخَّرَهَا فَوْقَ الَّذِي كَانَ، فَصَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ، وَصَلَّى الْعِشَاءَ بَعْدَ مَا ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ، وَصَلَّى الْفَجْرَ فَأَسْفَرَ بِهَا " ثُمَّ قَالَ: أَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ الرَّجُلُ: أَنَا، يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: وَقْتُ صَلَاتِكُمْ بَيْنَ مَا رَأَيْتُمْ[41]

ترجمہ:۔ حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے حضور ﷺ سے نماز کے اوقات بارے سوال کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا دو دن ہمارے ساتھ نماز پڑھ۔ پھر جب سورج ڈھلا تو آپ ﷺ نے حضرت بلال کو فرمایا اس نے اذان دی پھر اقامت کا فرمایا اور ظہر ادا فرمائی پھر بعد ازاں بلال کو اذان کا حکم اس وقت دیا جب ابھی سورج بلند تھا بالکل صاف چمک رہا تھا تو عصر ادا فرمائی پھر

[41] مسلم کتاب الصلوٰۃ۔ باب اوقات الصلوات)

حکم اذان دیا اور مغرب ادا فرمائی جبکہ سورج غائب ہو گیا پھر حکم فرمایا اور عشاء شفق کے غروب ہونے کے بعد ادا فرمائی۔ پھر حکم فرمایا اور فجر طلوع فجر کے وقت ادا فرمائی پھر جب دوسرا دن آیا تو حکم دیا کہ ظہر کو خوب ٹھنڈا ہونے دو تب ظہر ادا فرمائی۔ پھر حکم دیا اور عصر ادا فرمائی جبکہ سورج ابھی بلند تو تھا مگر پہلے دن سے تاخیر فرمائی اور شام غروب شفق سے قبل مگر اس کے قریب ادا فرمائی اور عشاء جب رات کا تیسرا حصّہ گزر چکا ادا فرمائی۔ اور فجر خوب روشن کر کے ادا فرمائی پھر فرمایا سوالی کہاں ہے؟ جس نے اوقات نماز بارے سوال کیا تھا اس نے کہا میں ہوں یا رسول اللہ ﷺ تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری نمازوں کے اوقات بس اسی کے درمیان ہیں جو تم نے دو دن مجھے کرتے دیکھا۔

2. عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اُللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَّنِى جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَام عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ، فَصَلَّى بِىَ الظُّهْرَ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَتْ قَدْرَ الشِّرَاكِ، وَصَلَّى بِىَ الْعَصْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ، وَصَلَّى بِىَ يَعْنِى الْمَغْرِبَ حِينَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ، وَصَلَّى بِىَ الْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ، وَصَلَّى بِىَ الْفَجْرَ حِينَ حَرُمَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَى الصَّائِمِ، فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ صَلَّى بِىَ الظُّهْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ، وَصَلَّى بِى الْعَصْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَيْهِ، وَصَلَّى بِىَ الْمَغْرِبَ حِينَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ، وَصَلَّى بِىَ الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ، وَصَلَّى بِىَ الْفَجْرَ فَأَسْفَرَ ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَيَّ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، ہٰذَا وَقْتُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ، وَالْوَقْتُ مَا بَيْنَ ہٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ۔[42]

حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کی جبرئیل ؑ نے مجھے دو دن بیت اللہ شریف میں امامت کرائی تو ظہر اس وقت پڑھی جب سورج زائل ہو گیا۔ عصر اس وقت جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا، شام اس وقت جب روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے، اور عشاء اس وقت جب شفق غائب ہو گئی اور فجر اس وقت جب روزہ دار پر سحری کو کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے پھر دوسرے دن ظہر اس وقت پڑھائی جب سایہ ایک مثل ہو گیا عصر جب دو مثل سایہ ہوا، مغرب جب روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے عشاء رات کا جب تیسرا حصّہ گزر گیا اور فجر پڑھائی اور اس کو روشن کیا پھر میری طرف توجہ کرتے ہوئے کہا اے محمد ﷺ یہ آپ سے قبل انبیآء کی نمازوں کے اوقات تھے اب ہر نماز کا وقت انہی دو کے درمیان میں ہے۔

[42] رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗد۔ کتاب الطہارۃ باب فی المواقیت وَالتِرمِذِیُ

نوٹ:۔ اس حدیث کے متن میں ایک تردد نظر آتا ہے وہ یہ کہ آپ حدیثِ جبرئیلؑ پر غور فرمائیں تو آپ یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ جبرئیلؑ نے پہلے دن عصر کی نماز تب پڑھائی جب حین صار ظل کُل شَئ ٍمثلہٗ اور دوسرے دن ظہر کی نماز بھی تب پڑھائی جب حین کان ظلہٗ مثلہٗ ہوا تو اس عبارت سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جبرئیلؑ نے پہلے دن عصر کی نماز ٹھیک اس وقت پڑھائی جس وقت میں دوسرے دن ظہر پڑھائی جبکہ یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ کسی ایک نماز کا وقت دوسری نماز کے وقت میں داخل نہیں بلکہ ہر نماز کا ایک الگ مستقل وقت ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ جبرئیلؑ نے پہلے دن عصر سایہ ایک مثل ہونے کے بعد اور ظہر سایہ ایک مثل ہونے سے پہلے پڑھائی ہو اور اس عمل کو الفاظ کی ادائیگی میں کچھ فرق آیا ہو یا بظاہر محسوس ہوتا ہو۔ جبکہ ظاہری الفاظ میں تردد واضح ہے جبکہ اس سے قبل احادیث میں کوئی تردد نہیں واللہ ورسولہ اعلم ۔

یہی وجہ ہے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے نماز میں تاخیر کے اعتراض میں یہی حدیث پیش کی گئی تو آپ نے اس کو رد کر دیا اوقات کے حوالے سے ملاحظہ ہو۔[43]

احادیث سے حاصل شدہ نمازوں کے اوقات یوں ترتیب پائے

وقت نماز فجر:۔

صبح کی نماز کا وقت طلوع فجر (صادق) سے لیکر قبل طلوعِ شمس تک ہے۔اب رہی یہ بحث کہ اس دوران کونسا وقت نماز فجر کے لئے افضل ہے۔پہلی اور لازمی بات تو یہ ہے نماز فجر کے وقت میں اصلاً احناف اور اہل حدیث کے درمیان کوئی اختلاف نہیں بلکہ دونوں ہی طلوع فجر صادق سے قبل طلوعِ شمس صبح کی نماز کا وقت قرار دیتے ہیں اب رہی بات افضلیت کی تو یہ بات باعثِ نزاع نہیں اس لئے کہ ہر نماز کا وسیع وقت دیا ہی تب گیا کہ لوگوں کو سہولت اور آسانی دی جاسکے۔ اگر ہم اوقات میں ایسی قیود لگانا شروع کر دیں جس سے دین کی فراہم کردہ سہولت سے ہی محروم ہو جائیں تو یہ طرز یہودیوں کی ہے ہماری نہیں۔ اگر کوئی اپنی ضرورت و آسانی کے لئے فجر صادق کے بعد سخت اندھیرے

[43] بخاری شریف ج۔ا۔کتاب مواقیت الصلوۃ و مسلم شریف و مشکوۃ

میں نماز ادا کرے تو چونکہ اس کی نماز بالاتفاق اپنے وقتِ نماز کے اندر ہے لہذا اعتراض جہالت پر مبنی ہو گا ایسے ہی اگر کوئی سہولت کے پیشِ نظر فجر کو خوب روشن کر کے قبل از طلوعِ آفتاب ادا کرے تو بھی اعتراض کا حق نہیں کہ نماز کو اس کے وقت کے اندر ہی ادا کر رہا ہے۔ جہاں تک مختلف احادیث کے مطالعہ سے غیر جانبدارانہ طور پر سامنے آیا وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ اذانِ فجر کے اتنی دیر بعد جماعت کرواتے کہ لوگ اذان سن کر تیار ہو کر آسکیں اگر غسل کی ضرورت ہو تو کر لیں ورنہ خوب وضو کریں اور فجر کی سنتیں ادا کر لیں اتنی دیر بعد آپ فجر کی جماعت کرواتے اور لمبی تلاوت فرماتے جس کی وجہ سے یقیناً خوب روشنی بھی ہو جاتی تھی۔ اب جس نے حضور ﷺ کی صبح کی نماز کی ابتداء پر نظر کی اس نے اندھیرے کی بات کی اور جس نے نمازِ فجر کے اختتام کو نظر میں رکھا اس نے اسفار یعنی روشنی کی بات کی۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح احادیث میں غلس اور اسفار دونوں الفاظ ملتے ہیں اور ان میں مندرجہ بالا تاویل و توجیہ کی بنیاد پر کوئی تعارض نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ ہماری تلاوت فجر کی نماز میں چونکہ زیادہ لمبی نہیں ہم اگر زیادہ جلدی نماز فجر ادا کریں گے تو جلدی نماز ختم ہو جائے گی اور یا تو نمازی جماعت سے رہ جائیں گے یا ان کو جلدی اٹھنے کی تکلیف دی جائے گی لہذا جب شریعت میں اور وقت فجر میں گنجائش موجود ہے تو دیر سے نماز ادا کریں کہ غافل نمازی بھی آسانی سے شریکِ جماعت ہو سکیں اور جماعت میں نمازیوں کی تعداد زیادہ ہو کہ جماعت کا مقصود ہی لوگوں کو وقت کے اندر اندر جمع کرنا ہے اور یہی آج احناف کا معمول ہے اور خود حضور ﷺ کے عمل سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ کبھی فجر کی نماز اتنی تاخیر سے کروائی کہ صحابہ کو طلوعِ آفتاب کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ الغرض نماز فجر بہت جلدی کروانے میں لوگوں کو تکلیف میں مبتلا کرنا اور جماعت میں نمازیوں کی تعداد کو کم کرنا لازم آتا ہے جبکہ تاخیر میں نمازیوں کے لئے ہر طرح کی آسانی اور جماعت میں نمازیوں کی تعداد زیادہ ہونے کا قوی امکان ہے۔

نماز ظہر کا وقت:۔

نماز ظہر کا وقت زوالِ آفتاب سے لیکر سوائے سایہ اصلی کے کسی بھی چیز کا سایہ اس کے ایک مثل تک ہے اسی پر احناف کا فتویٰ ہے اور امام محمدؒ کا یہی مسلک ہے۔ یہ وہ وقت ہے جس پر سب کا اتفاق ہے جبکہ سراج الائمہ حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ظہر کا آخری وقت سوائے سایہ اصلی کے دو مثل تک ہے۔ اب رہی یہ بات کہ امام صاحب کی رائے کی تائید پر کوئی صحیح

حدیث نہیں تو عرض ہے کہ یہ بات بالکل حقیقت کے خلاف ہے کہ امام صاحب کا موقف احادیث سے ثابت نہیں حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب کا موقف ثابت ہے آپ میں حدیث کی عبارت کو سمجھنے کی وہ صلاحیت نہیں جو حضرت میں موجود تھی۔ حدیث پیشِ خدمت ہے جب بھی اس کے متن یا سند پر اعتراض ہو تو رابطہ ضرور کرنا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما مرفوعًا نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُولِهِ، مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ۔[44]

ان الفاظ پر غور فرمائیں یہاں وقت ظہر کی ابتداء اور انتہا دونوں بیان کی گئی ہیں۔

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وقت ظہر وہ ہے کہ جب سورج زائل ہو جائے اور آدمی کا سایہ اس کی لمبائی برابر یعنی ایک مثل ہو جائے

یہاں سے ظہر کا پہلا مناسب و مستحب وقت ذکر ہوا اور ظہر کا آخری وقت ''مالم یحضر العصر''یعنی عصر کے ہونے سے قبل تک ذکر ہوا اور یہ بعد از سایہ مثل اول ہے یہی امام صاحب کی رائے اور دلیل بھی ہے ۔اگر آپ کہیں کہ ظہر مثلِ اول پر ختم ہو جاتی ہے تو مالم یحضر العصر میں جو وقت ذکر ہو رہا ہے اور ظہر ہی کا ہو رہا ہے یہ جناب کی نظر میں کونا وقت ہے ؟ دوسرا یہ کہ گرمی میں ٹھنڈا کر کے ظہر پڑھنے کی حدیث آپ بھی تسلیم کرتے ہیں اگر ظہر کا وقت سایہ ایک مثل سے زیادہ ہے ہی نہیں تو ظہر گرمی میں ٹھنڈا کرنے والی حدیث پر عمل کر کے دکھائیں اور مجھے بھی سمجھا دیں کہ ٹھنڈک کے لئے بالکل معمولی ٹھنڈک تو ماننا پڑھے گا کہ حدیث پر عمل ہو جائے۔ جب تک آپ دو مثل کو وقت ظہر میں تسلیم نہیں کر لیتے ظہر کے ٹھنڈا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہذا ثابت ہوا کہ سوائے سایہ اصلی کے دو مثل تک ظہر ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ آپ سفر میں ہیں مؤذن نے اذان دینا چاہی آپ نے فرمایا ٹھنڈا کرو آپ نے دو تین مرتبہ یہی فرمایا۔ اب ظاہر ہے کہ ظہر کا عمومی وقت تو وہ تھا جب صحابیؓ نے اذان کی پہلی مرتبہ اجازت مانگی بعد میں تو آپ سفر کرتے اور صحابیؓ کو اذان سے برابر روکتے رہے ٹائم گزر تا رہا۔ مثل اول تو پہلے ہی ظاہر ہے کہ تھا یہ بعد میں جو تاخیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی یہ کیا ہے ؟ اب بھی دو مثل نہیں ہوا ؟ اگر نہیں ثابت ہوا تو میں بخاری سے بالکل واضح

[44] مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ باب أوقات الصلوات الخمس

حدیث لاتا ہوں جس سے بالکل صاف ظاہر ہے کہ نماز ظہر کاوقت نماز عصر سے زیادہ ہے زیادہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ امام صاحب کی دو مثل کی رائے کو اختیار کیا جائے ورنہ اس حدیث کی آپ کوئی تاویل پیش نہیں کر سکتے۔

امام بخاریؒ اپنی کتاب میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک مرفوع حدیث لائے ہیں حضور ﷺ نے اپنی امت کی مثال یہود و نصاری کے مقابلہ میں اس طرح بیان فرمائی کہ کوئی شخص کسی مزدور کو صبح سے ظہر تک کام پر لگائے اور اس کو مزدوری ایک قیراط دے جبکہ دوسرے مزدور کو دوپہر سے عصر تک لگائے اس کو بھی مزدوری ایک قیراط دے تیسرے کو عصر سے سورج ڈوبنے تک لگائے اس کو مزدوری کی اجرت دو قیراط دے۔ اب یہاں پہلا مزدور یہودی دوسرا عیسائی اور تیسرا امتِ رسول ﷺ ہیں۔ اس مثال سے حضور ﷺ یہ ظاہر فرمانا چاہتے ہیں کہ یہود و نصاری کی مزدوری کا وقت زیادہ ہے اجر کم ہے جبکہ امت محمدیہ ﷺ کا ٹائم کم اور اجر زیادہ ہے تو اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ ظہر کا وقت عصر سے زیادہ ہے جبکہ جو وقت اہل حدیث ظہر و عصر کا بتا رہے ہیں اس میں ظہر عصر کے مقابلہ میں بہت کم اور عصر بہت لمبی بتا رہے ہیں جس پر حضور ﷺ کی دی گئی مثال پوری ہی نہیں اترتی اور جس امام اعظمؒ کو برا بھلا کہنے کو باعث ثواب تصور کرتے ہو انہوں نے دو مثل کی رائے قائم کر کے حضور ﷺ کی مثال کو سچا ثابت کر دیا یہی غلام کی خوبی بھی ہونی چاہیئے۔ حدیث کے چند الفاظ یہ ہیں۔

اَلَافَاَنْتُمُ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ مِن صلوٰۃ ِ الْعَصرِ اِلٰی مَغْرب الشّمس اَلَا لکم الاجْرُ مَرّتَیْنِ۔[45]

خبر دار تم (امت محمدیہ) وہ ہو جو عصر سے غروب شمس تک کام کرتے ہو اور اجر دوگنا پاتے ہو۔

یہ حدیث در حقیقت بہت طویل ہے جس کا ایک حصّہ پیش کیا دیکھنی ہو تو بخاری (کتاب الإجارۃ-باب الإجارۃ إلی نصف النہار) ملاحظہ فرمائیں۔

دوسری حدیث ملاحظہ ہو۔

---

[45] بخاری کتاب الإجارۃ-باب الإجارۃ إلی نصف النہار

عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ قَالَ: كَانَتْ قَدْرُ صَلَاةِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ فِی الصَّيْفِ ثَلَاثَۃَ أَقْدَامٍ إِلَی خَمْسَۃِ أَقْدَامٍ، وَفِی الشِّتَاءِ خَمْسَۃَ أَقْدَامٍ إِلَی سَبْعَۃِ أَقْدَامٍ۔[46]

ضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ظہر گرمیوں میں تب ہوتی جب تین سے پانچ قدم سایہ ہوتا اور سردیوں میں آپ ظہر پانچ سے سات قدم تک پڑھتے تھے۔

توجہ:۔ حدیث کے پہلے حصّہ میں تین قدم اور آخری حصہ میں سات کی بات ہے جو پہلے کو دوگنا بھی کردو اس سے زیادہ ہے اور یہ ظہر ہی ہے تو معلوم ہوا کہ کبھی اگر مثل اوّل میں نماز ہوتی تو کبھی ثانی میں ہوتی ورنہ تین اور سات قدم سایہ کی کیا تاویل ہو سکتی ہے۔

احناف کے لئے گزارش ہے کہ مثل اول میں نماز ظہر ادا کریں مگر عصر کو مثل ثانی کے بعد ادا کریں اور اگر کسی وجہ سے کسی کی نماز میں تاخیر ہو جائے تو سوائے سایہ اصلی کے دو مثل سائے تک نماز ظہر ادا کر سکتا ہے۔

اگر وقت ظہر بارے مزید تحقیق مطلوب ہو تو ملاظہ فرمائیں مولانا احمد یار خان نعیمیؒ کی تالیف جاء الحق حصہ دوم۔ مولانا نے اکثر اہل حدیث سے اختلافی مسائل دلائل کثیرہ کے ساتھ بیان فرمائے جزاہ اللہ تعالٰی۔

اگر ظہر کا وقت مثل ثانی تک تسلیم کیا جائے تو تمام احادیث کی تطبیق ہو جاتی ہے اور تمام پر عمل بھی ہو جاتا ہے بصورت دیگر کچھ احادیث کا ترک لازم آتا ہے جو کہ مناسب طرز فکر نہیں۔

وقتِ نماز عصر:۔

وقت نماز عصر احناف کے نزدیک سوائے سایہ اصلی کے کسی بھی چیز کا سایہ دو مثل ہونے سے شروع ہو کر غروب آفتاب سے متصل پہلے تک ہے یعنی جب تک سورج نظر آرہا ہے وقت عصر رہے گا اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایک رکعت عصر کی یوں پڑھے کہ ابھی سورج باقی ہو بعد ازاں اگر غروب بھی ہو جائے تو نماز عصر کراہت کے ساتھ ادا ہو جائے گی۔ اسی بات کو اکثر علماء یوں

[46] ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب فی وقت صلاۃ الظہر

بیان کرتے ہیں کہ اگر دو رکعت عصر کی نماز سے ادا کیں بعد میں سورج غروب ہو جائے یعنی بعد والی دو رکعت سورج چھپ جانے پر ادا کیں تو نماز عصر بالکراہت ادا ہو جائے گی۔

سُورج کے زرد پڑ جانے سے کیا مراد ہے:۔

عام طور پر عصر کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بوقتِ عصر جب دھوپ زرد پڑ جائے تو نماز عصر کا مکروہ وقت شروع ہو جاتا ہے جو کہ غروب آفتاب سے متصل پہلے تک رہتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ عصر کا مکروہ وقت دھوپ کے زرد پڑ جانے سے نہیں بلکہ از خود سورج کے زرد پڑ جانے سے شروع ہوتا ہے جو کہ سورج کے غروب کے بالکل قریب ہوتا ہے۔ملاحظہ ہو حدیث رسول ﷺ

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّهُ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلَوَاتِ، فَقَالَ وَقْتُ صَلَاةِ الْفَجْرِ مَا لَمْ يَطْلُعْ قَرْنُ الشَّمْسِ الْأَوَّلُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ عَنْ بَطْنِ السَّمَاءِ، مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ، وَيَسْقُطْ قَرْنُهَا الْأَوَّلُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ، مَا لَمْ يَسْقُطِ الشَّفَقُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ۔[47]

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اوقات نماز کے بارے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا وقت فجر رہتا ہے جب تک سورج کا پہلا کنارہ نکل نہ آئے اور ظہر کا وقت جب آفتاب بیچ آسمان سے مغرب کی جانب ڈھل جائے سے لیکر وقتِ عصر تک رہتا ہے اور عصر کا وقت ہے جب تک سورج زرد نہ پڑ جائے اور اس کا پہلا کنارہ ڈوبنے نہ لگے مغرب کی نماز وقت غروب آفتاب سے لیکر شفق کے غائب ہوئے تک ہے اور عشاء آدھی رات تک۔

اس حدیث میں نمازوں کے اوقات پر بھی استدلال ہوتا ہے اور سورج کے زرد ہونے کا مطلب بھی یہ حدیث خوب واضح کرتی ہے کہ دھوپ زرد ہونے کا اعتبار نہیں کہ وہ بہت جلد پھیکی پڑ جاتی ہے خاص کر سردیوں میں بلکہ سورج کے زرد ہونے کا اعتبار ہے اور سورج کے زرد ہونے کی وضاحت بھی حضور ﷺ کی حدیث کے الفاظ ویسقط قرنھا الاول خوب کر رہے ہیں دراصل اس کا عطف تصفر الشمس پر ہے جس کا صحیح ترجمہ یہی ہے

[47] بخاری و مسلم کتاب الصلٰوۃ۔باب اوقات الصلوٰۃ

کہ جب تک سورج زرد ہو کر ڈوبنے نہ لگے جس سے ظاہر ہے کہ اس زردی سے مراد سورج کی ٹکیا کا زرد ہونا ہے جو کہ غروب آفتاب کے بالکل قریب ہے۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَۃَ، أَنَّہَا قَالَتْ: کَانَ رَسُولُ اللَّہِ صَلَّی اللَّہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ تَعْجِیلًا لِلظُّہْرِ مِنْکُمْ، وَأَنْتُمْ أَشَدُّ تَعْجِیلًا لِلْعَصْرِ مِنْہُ۔[48]

سیدہ ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز میں تم سے زیادہ جلدی پڑھتے تھے اور تم عصر کی نماز میں ان سے زیادہ جلدی کرتے ہو۔ عصر میں بہت جلدی کرنے والے اس حدیث پر غور ضرور فرمائیں۔

وقت نماز مغرب:۔

نماز مغرب کا وقت غروب آفتاب سے شروع ہو کر شفق کے غروب ہونے تک رہتا ہے جس پر صریح احادیث شہادت دے رہی ہیں جو پہلے مذکور ہیں۔ ہاں اتنا واضح رہے کہ حضور ﷺ نے عین سورج کے نکلنے اور عین غروب آفتاب کے وقتنماز سے منع فرمایا ہے لہذا نماز نام کی کسی شئ سے ان دو اوقات میں اجتناب فرمائیں سجدہ تلاوت سے بھی ان دو اوقات میں اجتناب فرمائیں باقی کسی وقت بھی سجدہ تلاوت جائز ہے ان اوقات کے ساتھ تیسرا وقت زوال معروف ہے جبکہ حقیقت میں وہ زوال سے پہلے کا وقت ہے جب سورج عین سر پر ہوتا ہے جس کو علمآء نے "نِصفُ النھارِ" حقیقی سے تعبیر فرمایا اِس میں بھی کوئی نماز نہیں پڑھتے۔

شفق سے کیا مُراد ہے؟

شفق کا لفظ اختتامِ وقت نماز مغرب کے لئے تمام احادیث میں استعمال ہو رہا ہے جس کی کسی حدیث میں کوئی لفظی وضاحت نہیں کہ شفق سے کونسی سرخی یا سفیدی مراد ہے لہذا اس سے عام دیگر ائمہ فقہ غروب آفتاب کے بعد سرخی مراد لیتے ہیں امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں اور احناف کا فتویٰ بھی سُرخی پر ہے جبکہ امام ابو حنیفہؒ شفق سے وہ سفیدی مراد لیتے ہیں جو سرخی کے بعد اُفقِ

[48] الترمذی أبواب الصَّلَاۃِ باب ما جاءَ فی تأخیرِ صلاۃِ العصرِ

مغرب پر رہتی ہے جو تقریباً غروب شمس سے ڈیڑھ گھنٹہ بعد غائب ہوتی ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ حدیث شریف ہے۔

وَاٰخرُ وقتِ المغرب اذا اسود الشفق ۔ [49]

وقت مغرب کا اخیر وقت یہ ہے کہ شفق سیاہ ہو جائے یعنی مکمل اندھیرہ چھا جائے۔

اس سلسلہ میں مسند عبد الرزاق اور بیہقی میں ایک اثر موجود ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ شفق سے مراد سرخی ہے مگر مذکورہ بالا حدیث کے مقابلہ میں اثر قابلِ التفات نہیں ہوتا۔ جہاں تک شفق کے لغوی معنی کی بات ہے تو اکثر شریعت میں احکام و مفاہیم اصطلاحی ہیں لغوی نہیں لہٰذا لغت کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا ورنہ اذان لغت میں مطلق اطلاع کو کہتے ہیں کیا شریعت میں اس لغوی معنی کو کافی سمجھا جائے؟ ہرگز نہیں ایسے شریعت کی دیگر اصلاحات لغوی معنی کے لحاظ سے تعبیر نہیں کی جاتیں۔ ہاں اس بات سے اس مسئلہ کو سمجھنے میں مدد لی جاتی ہے کہ اگر شفق احمر کے بعد والی سفیدی اگر رات کے ساتھ شامل تصور کی جائے تو کیا سفیدی اور بعد والی اندھیری رات میں ایک واضح فرق نہیں؟ شاید اس بات کو یوں آسانی سے سمجھا سکوں کی صبح صادق کی روشنی کو رات میں شمار نہیں کیا گیا تو شفق احمر کے بعد شفق ابیض کو اُسی پر قیاس کریں تو یہ بھی مکمل اندھیری رات کا حصّہ محسوس نہیں ہوتی پھر یہ کہ شفق سے مراد اگر سرخی لی جائے تو شام کی نماز کا وقت بہت ہی تنگ رہ جاتا ہے اور کسی بھی نماز کے واقت کی انتہائی تنگی ضرر و تکلیف اور حرج سے خالی نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

مَاجَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ من حَرج ۔

تمہارے دین میں تنگی نہیں۔

ملاحظہ ہو مرفوع حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ ایک سائل نے رسول اللہ ﷺ سے اوقات نماز کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا دو دن ہمارے پاس رہو اور آنکھوں سے ملاحظہ کرو یہ

---

[49] الترمذی أبواب الصّلاۃ باب ما جاءَ فی تأخیر صلاۃِ العصر

حدیث طویل ہے اس کا مطلوب حصّہ پیشِ خدمت ہے تو حضور ﷺ نے پہلے دن مغرب کی نماز سورج غروب ہوتے ہی ادا فرمائی جبکہ دوسرے دن

ثمّ اَخّر المغربَ حتّٰی کان عند سقوط الشفق

آپ نے مغرب کی نماز اتنی تاخیر سے پڑھی کہ شفق غروب ہو چکی تھی۔

اب اگر شفق احمر غائب ہو چکی تھی تو پھر اہلِ حدیث کے نزدیک شام کی نماز کا وقت ہی نکل چکا تھا۔ تو کیا اس دن حضور ﷺ نے نماز مغرب اس کے اصل وقت سے ہٹ کر تاخیر سے وقت عشاء میں پڑھائی ؟ہرگز نہیں بلکہ اس سے تو یہ واضح ہورہا ہے شفق (احمر) کے غائب ہونے تک آپ نے نماز مغرب کو مُؤخّر فرمایا اور شفق ابیض کے اندر ہی نماز مغرب ادا فرمائی یہی ہمارا بھی مسلک ہے اگر آپ کو حدیث کے الفاظ کے ترجمہ پر شک ہو تو انہی لفظوں کا ترجمہ جو اہل حدیث نے کیا وہ ملاحظہ ہو۔ (پھر مغرب کو شفق (سرخی) غائب ہونے تک لیٹ کیا) بحوالہ نماز کی کتاب ص نمبر 49 تالیف حافظ عمران ایوب لاہوری۔ یہی ترجمہ میں نے پیش کیا۔ پیش کردہ حدیث مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلٰوۃ باب اوقات الصلوات الخمس، نسائی، ابوداؤد، احمد، ترمذی، ابن ماجہ ابو وانہ، ابن خزیمہ، دار قطنی اور بیہقی میں موجود ہے۔ سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر 79 میں وقت نماز عشاء کے لئے غسق للّیل (رات کی تاریکی) کا لفظ ہے جو شفقِ ابیض کے بعد ہوتا ہے۔

نماز عشاء کا وقت:۔

نماز عشاء کا وقت شفق کے غروب ہونے پر شروع ہوتا ہے اور آدھی رات تک بلاکراہت ہے جبکہ اس کے بعد صبح صادق سے پہلے تک کراہت کے ساتھ عشاء کا وقت ہوتا ہے۔ صریح احادیث میں رات کے تیسرے حصہ اور آدھی رات تک ذکر ہے جبکہ بعض دوسری احادیث سے کراہت کے ساتھ صبح صادق تک معلوم ہوتا ہے ۔ عشاء کا وقت بخاری و مسلم دونوں نے نصف رات تک کی حدیث کو روایت کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے سوال کرنے والے کے جواب میں پانچوں اوقات بیان فرماتے ہوئے فرمایا۔

وَوَقْتُ صلوٰةِ الْعِشَآءِ اِلٰی نصف اللّيل ۔ [50]

عشاء کی نماز کا وقت آدھی رات تک ہے۔

پانچوں نمازوں کے مستحب اوقات

اکثر لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جن اوقات کو مستحب بتایا جاتا ہے وہ اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ باقی اوقات سارے ہی مکروہ ہیں ایسا ہرگز نہیں ایک عصر بالکل آفتاب کے غروب کے قریب اور عشاء آدھی رات کے بعد مکروہ ہے باقی پانچوں اوقات نماز میں مکروہ کوئی نہیں۔ اگر ایک وقت کو مستحب کہا جاتا ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ دوسرا وقت لازمی مکروہ ہو۔ احناف کے نزدیک فجر کو خوب روشن کرکے پڑھنا مستحب ہے مگر یہ مطلب ہرگز نہیں کہ صبح یقینی طور پر ہونے کے بعد اندھیرے میں مکروہ ہو اور ظہر سردیوں میں جلدی اور گرمیوں میں خُوب ٹھنڈی کرنا مستحب ہے۔ اس سلسلہ میں کثیر احادیث ہیں خوف طوالت سے پیش نہیں کی گئیں صرف ایک حدیث جو پہلے پیش کی گئی ہے اس کا ایک حصّہ پیشِ خدمت ہے۔ حضرت بُریدہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ سے اوقات نماز کے بارے سوال کیا تو آپ ﷺ نے اس کو مشاہدہ کروانے کے لئے دودن اپنے پاس رکھا پہلے دن آپ نے ہر نماز کو اس کے شروع وقت میں ادا فرمایا۔ جبکہ دوسرے دن آپ ﷺ نے ہر نماز کو اس کے بالکل آخری وقت میں ادا فرمایا جس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ اول و آخر میں کوئی بھی مکروہ نہیں کہ آپ ﷺ نے دونوں اوقات میں نماز پڑھ کر ثابت فرمایا۔ اسی طویل حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا۔

فَأَبْرَدَ بِالظُّهْرِ، فَأَبْرَدَ بِهَا، فَأَنْعَمَ أَنْ يُبْرِدَ بِهَا[51]

آپ نے ظہر کو بھی ٹھنڈے وقت پر پڑھا اور بہت ہی ٹھنڈے وقت میں۔

اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہے کہ خوب ٹھنڈی گرمیوں میں ظہر کی نماز مثل اول میں تو یقیناً نہیں ہوسکتی جبکہ حدیث میں صاف الفاظ ہیں کہ خوب ٹھنڈا فرمایا جس سے مثل ثانی کا اظہار

---

[50] متفق علیہ

[51] رواہُ مُسلِمٌ۔ باب اوقات الصلوات۔ نسائی مواقیت الصلوۃ۔ ترمذی باب ماجاء فی مواقیت الصلوۃ۔ ابن ماجہ۔

ہورہاہے۔ اکثر محدثین نے گرمیوں کی ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھنے کی روایات کو نقل کیا امام بخاری ں نے بخاری ج 1 کتاب مواقیت الصلٰوۃ میں ایک مستقل باب یوں تحریر کیا۔ (باب الایراد بالظہر فی شدۃ الحر)

عَنْ أَبِی ہُرَیْرَۃَ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اُللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا اشْتَدَّ الحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلاَۃِ، فَإِنَّ شِدَّۃَ الحَرِّ مِنْ فَیْحِ جَہَنَّمَ۔[52]

جب گرمی کی شدت ہو تو نماز ظہر کو خوب ٹھنڈا کرو کہ گرمی کی شدت جہنم کے سانس کی لپیٹ سے ہوتی ہے۔

نماز عصر کو اس وقت پڑھ لینا مستحب ہے کہ سورج ابھی بلند اور صاف و شفاف چمک رہاہو اور بارش و بادل کے دن عصر میں زیادہ جلدی مستحب ہے جبکہ نماز مغرب کو اول وقت میں پڑھ لینا مستحب ہے مگر عشاء میں جتنی تاخیر ممکن ہو مستحب ہے۔ باقی جو اوقات ہم نے اپنی اپنی مساجد میں گھڑیوں پر مقرر کر رکھے ہیں یہ ہماری ایجاد اور کسی قدر ضرورت و مجبوری بھی ہے باقی یہ اوقات چونکہ ہم نے خود مقرر کیے ہوتے ہیں لہذا ان میں ضرورت کے وقت تقدیم و تاخیر ممکن ہے۔ یہ تصور رکھنا کہ جس نماز کے لئے ہم نے ٹائم مقرر کردیا وہ اگر پانچ منٹ تاخیر سے ہوجائے تو نماز کا اجر و ثواب ہی ختم ہوجائے یہ جاہلوں کا خیال ہے علماء خوب جانتے ہیں کہ جب اوقات نماز میں شرعًا وسعت ہے تو تقدیم و تاخیر سے اجر کیوں کم ہو۔ ایسے ہی اگر آپ نے نماز جمعہ کے لئے ایک ٹائم مقرر کیا ہے اگر کسی دن کسی بھی وجہ سے اس کو مؤخر کیا جائے جبکہ ظہر کے وقت کے اندر ہو تو کوئی مسئلہ نہیں۔ جن معاملات و مسائل میں شریعت نے وسعت رکھی ہو ان میں شدّت سے کام لینا غُلُوّ فی الدّین ہے جس کی اجازت نہیں اور شدّت پسندانہ مزاج رکھنا بھی خلاف شرع ہے سنتِ نبوی ﷺ کا نمونہ پیش کریں۔ اگر غلطی سے کسی کا موبائل بول جائے اس کو سرِعام اتنا شرمندہ کرنا کہ نماز بلکہ مسجد سے ہی اس کا دل اُٹھ جائے یہ کہاں کی شرافت ہے۔ امام مسجد کو سراپا رأفت و شفقت ہونا چاہیئے کہ نمازی اس کے طرز زندگی اور اخلاق سے سبق حاصل کریں۔

---

[52] بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ. باب الایراد بالظہر فی شدۃ الحر

تین اوقات میں نماز و تدفین سے ممانعت

(1) حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ فرماتے ہیں کہ تین ساعتیں ایسی ہیں کہ حضور پُر نور ﷺ ہمیں ان میں نماز پڑھنے سے یا اپنے مُردوں کو ان میں دفن کرنے سے منع فرماتے تھے۔

1۔جب سورج طلوع ہو رہا ہو 2۔جب سورج دوپہر کو عین سر پر ہو۔

حين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس

یعنی جب آفتاب عین سر پر کھڑا ہو جب تک کہ مغرب کو ڈھل نہ جائے۔

3۔اور جب سورج غروب ہو رہا ہو۔[53]

(2) حضرت عمرو بن عبسہؓ سے طویل حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صبح کی نماز پڑھو پھر نماز سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج طلوع کرے اور قدرے بلند ہو جائے اس لئے کہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے اور اُس وقت سورج پرست سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔

ثُمَّ صَلِّ فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ حَتَّى يَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمْحِ، ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ، فَإِنَّ حِينَئِذٍ تُسْجَرُ جَهَنَّمُ، فَإِذَا أَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ، فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ حَتَّى تُصَلِّيَ الْعَصْرَ، ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، فَإِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ، وَحِينَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ۔[54]

پھر نماز پڑھو کہ وہ مشہودہ محضورہ ہے یعنی اس میں فرشتے شاھد و حاضر ہوتے ہیں۔ یہ نماز اس وقت تک پڑھو کہ سایہ نیزے کے ساتھ سیدھا قرار پکڑے پھر نماز سے رک جاؤ کہ اس وقت جہنم کو بھڑکایا جاتا ہے۔ جس وقت سایہ ڈھلے تو پھر نماز پڑھو کہ وہ مشہودہ محضورہ ہے یہاں تک کہ عصر ہو جائے۔ پھر جب عصر کی نماز پڑھو تو پھر نماز سے رُک جاؤ یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے اس لئے کہ وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اس وقت اس کے پُجاری اس کو سجدہ کرتے ہیں[55]

---

[53] صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، نسائی، بیہقی، دارمی وغیرہ

[54] صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین وقصرہا

[55] مسلم جلد 1۔ص 276۔ سنن بیہقی جلد 2۔ص 455

یعنی طلوع وغروبِ آفتاب کے وقت نماز اس لئے منع ہے کہ آفتاب شیطان کے سینگوں کے درمیان ہوتا ہے اور پجاری اس کی پوجا بھی کر رہے ہوتے ہیں تو لازم ہے کہ اُن کی مُشابہت سے بچا جائے جبکہ تیسرا وقت دوپہر کا یعنی جب آفتاب عین سر پر ہو اس وقت اس لئے نماز سے روک دیا گیا کہ اس وقت جہنم کو بھڑکایا جاتا ہے۔

بخاری کی وہ روایت کہ گرمیوں میں ظہر کو ٹھنڈا کرو کہ اس وقت جہنم سانس لیتی ہے ابھی اسی کی تائید ہے۔ اس کی مکمل تحقیق وتعارف مطلوب ہو تو شیخ الحدیث فقیہ اعظم مولانا محمد نور اللہ نعیمیؒ کی تالیف فتاوٰی نوریہ جلد اول ص 154 کا مطالعہ فرمائیں جہاں کثیر عبارات عربیہ اور تحقیقات علماء پیش کی گئیں ہیں۔

(3) حضرت صفوان بن مُعطلؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی پھر سوال کیا کہ رات دن میں کوئی ایسا وقت ہے جس میں نماز مکروہ ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب صبح کی نماز پڑھ لو تو سورج کے طلوع ہونے تک نماز نہ پڑھو کہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ پھر فرمایا

فَصَلِّ فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَحْضُورَةٌ مُتَقَبَّلَةٌ حَتَّى تَعْتَدِلَ عَلَى رَأْسِكَ مِثْلَ الرُّمْحِ فَإِذَا اعْتَدَلَتْ عَلَى رَأْسِكَ فَإِنَّ تِلْكَ السَّاعَةَ تُسْجَرُ فِيهَا جَهَنَّمُ وَتُفْتَحُ فِيهَا أَبْوَابُهَا حَتَّى تَزُولَ عَنْ حَاجِبِكَ الْأَيْمَنِ[56]

پھر بعد ازں نماز پڑھو کہ وہ نماز محضورہ متقبلہ ہے حتی کہ سورج تمہارے سر پر نیزے کی طرح برابر ہو جائے پھر جب سورج سر پر نیزے کی طرح برابر ہو جائے تو نماز سے رُکو کہ اس وقت جہنم کو بھڑکایا جاتا ہے۔ اور اس کے دروازے کھولے جاتے ہیں یہاں تک نماز سے رُکے رہو کہ سورج ڈھل کر تمہارے دائیں ابرو سے ہٹ جائے۔ پھر جب ابرو سے ڈھل جائے تو پھر نماز پڑھو کہ اس وقت کی نماز محضورہ متقبلہ ہے۔ یہاں تک کہ نمازِ عصر پڑھ لو پھر نمازِ عصر کے بعد نماز پڑھنا چھوڑ دو یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے۔[57]

(4) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا

---

[56] مجمع الزوائد، کتاب الصلاۃ باب النہی عن الصلاۃ بعد العصر، وغیر ذلک

[57] ابن ماجہ، مستدرکِ حاکم، سنن بیہقی۔ حاکم نے اس حدیث کے بارے فرمایا۔ ھذا الحدیث صحیح الاسناد اور علامہ ذھبی نے فرمایا صحیح، مسند احمد، مجمع الزوائد، کتاب الصلاۃ باب النہی عن الصلاۃ بعد العصر، وغیر ذلک۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہٗ موثقون

''کنّا ننہی عن الصلوٰۃ عند طلوع الشمس و عند غروبہا و نصف النّہارِ[58] ''

ان احادیث سے بخوبی ثابت ہوا کہ آفتاب کے طلوع و غروب اور سر پر ہونے کے وقت کوئی نماز نہیں۔ اب بھی اگر کوئی جمعہ یا عیدین کو صرف انہی ممنوعہ لمحات میں ادا کرنے کی ضد کرے تو وہ اپنا شوق ضرور پورا کرے۔

نماز جمعہ کا وقت:۔

جمعہ کے دن نماز جمعہ نماز ظہر کا بدل ہے اور اس کا وقت وہی ہے جو نماز ظہر کا ہے یعنی زوالِ آفتاب سے عصر تک۔ ہاں اس کا مستحب وقت احادیث سے اول ہی ثابت ہے مگر اول وقت میں اتنا غلوّ کرنا کہ نصف النہارِ حقیقی یعنی جب سورج ابھی عین سر پر ہو اور جمعہ پڑھ لیا جائے یہ احادیث کی روشنی میں صحیح نہیں۔ نماز جمعہ کو وقت نماز ظہر میں پڑھنے سے کسی نے اختلاف نہیں کیا لہٰذا نماز کے لئے ایسے وقت کا انتخاب ہی بہتر ہے جس پر سب متفق ہوں۔ ہاں کچھ لوگوں نے یہاں بھی اختلاف کی راہ نکالنے کی کوشش کی اور جمعہ کو عین نصفُ النہار میں پڑھنے کا قول کر دیا۔ جبکہ ہم اوقات ممنوعہ پر احادیث پیش کر چکے۔

وقتِ نماز جمعہ میں ائمہ کی آراء:۔

1) حضرت امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ اور جمہور ائمہ و محدثین و علماء کے نزدیک جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کا ہے۔ اور وہ بعد از زوالِ آفتاب ہے۔ یعنی جب آفتاب وسطِ آسمان سے مغرب کو زائل ہو جائے۔

2) امام مالکؒ خطبہء جمعہ کو زوالِ آفتاب سے قبل جائز بتاتے ہیں جبکہ امام احمدؒ نماز جمعہ کو بھی زوال سے قبل جائز بتاتے ہیں۔ علامہ ابن حزم اور عبد الرحمن مبارکپوریؒ زوال کے بعد ہی وقت

---

[58] رواہ الطّحاوی فی شرح معانی الاثار ص 90 جلد 1۔ مطبع رحیمیہ، مجمع الزوائد والطّبرانی فی الکبیر وقال اسنادہٗ حسن۔ طبراء نے کبیر میں اس روایت کو ذکر کر کے فرمایا اس کی اسناد حسن ہے۔ امام مالکؒ اور امام محمدؒ نے اپنے اپنے مؤطا میں، بیہقی نے سنن بیہقی میں، امام شافعیؒ نے کتاب الاُم میں نیز مسند امام احمد اور ابن ماجہ نے

جمعہ کے قائل ہیں۔ اہل حدیث حضرات میں سے علامہ شوکانیؒ اور صدیق حسن خانؒ امام احمد بن حنبلؒ کی رائے رکھتے ہیں۔

یہ تھیں چند مختلف آراء جو وقتِ نماز جمعہ کے حوالے سے پیش کیں۔ اب میری گزارش اتنی ہے کہ رائے رکھنے کا ہر کسی کو حق ہے اور کوئی اپنی رائے دوسرے پر جبرًا الازم بھی نہیں کر سکتا لہٰذا آپ جو رائے رکھیں یہ آپ کا اختیار ہے مگر میری عاجزانہ رائے بلکہ مشورہ یہ ہے کہ جمعہ کو اس وقت پر ہی ادا کیوں نہ کیا جائے جس پر کسی کا اختلاف نہ ہو۔ یہ رائے صرف جمعہ کے حوالے سے نہیں بلکہ تمام اختلافات میں جہاں اجماعی و اتفاقی صورت پیدا ہوتی ہو تو اس کو اختیار کیا جائے کہ اسی میں اسلام اور مسلمانوں کا وقار ہے اور پر امن راستہ بھی یہی ہے۔ اختلافات کی بجائے اُمت کو اتفاقات کی طرف بڑھنا چاہیئے کہ امت کی طاقت اور وقار بڑھے۔

نمازِ عیدین کا وقت:۔

جب سورج طلوع ہو کر ایک دو نیزہ برابر بلند ہو جائے اور خوب روشن ہو جائے تو وہاں سے لیکر سورج کے عین سر پر آنے سے قبل تک ہے اور مستحب و معروف ابتدائی وقت ہے۔ عید اگر جمعہ کے دن آجائے تو جمعہ ساقط نہیں ہوتا کہ نماز عید جمعہ کی طرح فرض نہیں تو ایک کمزور شیء ایک طاقت ور شیء کا بدل کیسے بن گئی۔ حضور ﷺ کا ایسا کوئی عمل نہیں کہ آپ نے عید کی وجہ سے جمعہ کو ترک کیا ہو پھر عید ایک الگ عمل ہے وہ جمعہ کے دن کے علاوہ بھی تو آتا ہے لہٰذا یہ ایک اضافی عمل ہے اس کا جمعہ سے اس طرح کا کوئی تعلق نہیں جس طرح کی جمعہ نمازِ ظہر کو ساقط کر دیتا ہے۔ اور جمعہ نماز ظہر کو اس لئے ساقط کرتا ہے کہ جمعہ کا وقت عین وہی ہے جو ظہر کا ہے جبکہ نماز عیدین اور جمعہ کا ایسا کوئی تعلق نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم

فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللهِ وَذَرُوْا البَیْعَ ۔[59]

تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

---

[59] الجمعہ۔9

یعنی نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے آؤ اس واضح حکم خداوندی کو کسی صحابی کا قول وفعل یا کوئی مُبہم مفہوم رکھنے والی حدیث کس طرح منسوخ و مخصوص کر سکتی ہے؟۔

عید اگر جمعہ کے دن آئے تو جمعہ کو چھوڑ دینے کی دلیل کا رد:۔

اہل حدیث میں سے چند احباب کی رائے یہ ہے کہ اگر عید جمعہ کے دن آجائے تو نماز عید ہی جمعہ کے لئے کفایت کر جائے گی لہٰذا بعد از عید نماز جمعہ پڑھنا لازمی نہیں اور جب جمعہ معاف ہوا تو چونکہ جمعہ ظہر کے قائم مقام تھا لہٰذا ظہر کی نماز بھی لازم نہ رہی۔ میں یہ بات نہ سمجھ سکا کہ ضعیف تاویلات کر کے عبارت سے بھاگنے کی کیا وجہ ہے؟ اس سلسلہ میں انہوں نے دو روایات پیش کیں جو حاضرِ خدمت ہیں۔

1۔　حضرت زید بن ارقمؓ سے مروی ہے۔

اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ....صَلَّی الْعِیدَ، ثُمَّ رَخَّصَ فِی الْجُمُعَۃِ، فَقَالَ: مَنْ شَاءَ أَنْ یُصَلِّیَ، فَلْیُصَلِ۔[60]

حضور ﷺ نے جمعہ کے دن نماز عید پڑھائی پھر فرمایا تمہیں جمعہ کی رخصت ہے جو پڑھنا چاہے وہ جمعہ پڑھ لے۔

یہ حدیث صحیح ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب اذا وافق یوم الجمعۃ یوم عید، سے لی گئی ہے۔

اس روایت کا جواب دو طرح سے دیا جاتا ہے۔

یہ حدیث بالکل یہ نہیں بتاتی کہ اس دن حضور ﷺ نے جمعہ نہیں پڑھا بلکہ اس پر دال ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو پڑھنا چاہے وہ ہمارے ساتھ پڑھ لے کیونکہ جن کو پڑھنے کا اختیار دیا انہوں نے الگ الگ تو جمعہ نہیں پڑھا کہ جمعہ کے لئے جماعت شرط ہے پھر اس حدیث میں یہ وضاحت بھی نہیں ہو رہی کہ جب حضور ﷺ نے جمعہ پڑھنے یا نہ پڑھنے میں اختیار دیا تو صحابہ کرامؓ کا اس پر رد عمل کیا آیا۔ میں اپنے ذوق سے عرض کرتا ہوں کہ حضرات صحابہ کرامؓ عبادت سے بھاگنے والے نہ تھے کہ بھاگ گئے ہوں پھر حضور ﷺ کے ساتھ نماز کی ادائیگی حضرات صحابہ کرامؓ کی خصوصی تمنا ہوا کرتی تھی تو

[60] ابو داؤد کتاب الصلوۃ باب اذا وافق یوم الجمعۃ یوم عید، مصنف ابن ابی شیبہ، مستدرک، سنن کبریٰ للبیہقی

گمان غالب یہی ہے کہ ایک بھی جمعہ پڑھے بغیر نہیں گیا ہوگا اور اگر یہ گمان کر بھی لیں کہ کچھ دور والے چلے گئے ہوں تو اکثریت یقیناً موجود رہی ہوگی اور نماز جمعہ ادا کیا ہوگا جب نماز جمعہ ادا ہوگیا تو عملِ رسول ﷺ کو پکڑنے کی کوشش رہنی چاہیئے اور اس کو ترکِ جمعہ کی دلیل بنانے سے گریز فرمائیں۔

دوسری توجیہ یہ پیش کی جاسکتی ہے کہ جمعہ چونکہ ان دنوں ہر جگہ نہیں ہوتا تھا ویسے بھی جب رسول ﷺ خود خطیب و امام ہوں تو دور دراز سے صحابہ نے آپ کے پاس ہی آنا تھا پھر آج تو عید کا دن ہے اجتماعِ عید جمعہ سے بھی زیادہ ہوتا ہے کہ اس عید کی نماز کا موقع ہی سال بعد آتا ہے تو ممکن ہے دور سے آنے والوں کو آپ نے اجازت دی ہو کہ چاہو تو رک رہو اور جمعہ کا وقت ہونے پر ہمارے ساتھ جمعہ ادا کرکے جاؤ اور اگر چاہو تو جمعہ پڑھے بغیر چلے جاؤ مگر خیال رکھنا کہ نماز ظہر نہ پڑھنا۔ تو حاصلِ بحث یہ ہے کہ نہ صحابہ نے جمعہ ترک کیا اور نہ ہی حضور ﷺ نے ترک کیا لہٰذا جمعہ کو ترک بھی نہیں کرنا چاہیئے عید کی وجہ سے اور اس روایت سے مبہم استدلال بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ اکثر استدلال احبابِ اہلِ حدیث کا مُبہم احادیث سے ہے۔

2) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

قَدِ اجْتَمَعَ فِی يَوْمِكُمْ ہٰذَا عِيدَانِ، فَمَنْ شَاءَ أَجْزَأَهُ مِنَ الْجُمُعَةِ، وَإِنَّا مُجَمِّعُونَ ۔[61]

یقیناً آج کے دن تمہارے لئے دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں پس جو چاہے اس کے لئے یہی نماز عید جمعہ کی بجائے کافی ہے مگر ہم جمعہ ضرور پڑھیں گے۔

اس حدیث نے اوپر والی حدیث کی اس طرح وضاحت کر دی کہ حضور نے اگر کچھ صحابہ کو جمعہ پڑھنے نہ پڑھنے کا اختیار دیا تو اس دن آپ نے جمعہ ترک نہ فرمایا بلکہ وانّا مجمعون کے الفاظ صریحاً دلالت کر رہے ہیں کہ آپ نے جمعہ پڑھا اور یوں یہ حدیث حدیثِ بالا کی تفسیر بھی بن گئی باقی اس حدیث پر وہی تبصرہ ہی کافی ہے جو پچھلی حدیث پر آپ پڑھ چکے۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ حضور ﷺ نے یوم عید کو جمعہ ترک نہیں کیا تو پھر یہ دلیل لینا کہ ابن زبیرؓ نے عید کے دن جمعہ نہیں پڑھا بالکل بوگس ہو کر رہ جاتی ہے اس لئے کہ ہمارا رسول ابن زبیرؓ صحابی ہے یا خود نبی کریم ﷺ۔ ہم نے رسول کی اتباع کرنی ہے اور جمعہ

---

[61] صحیح ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب اذا وافق یوم الجمعۃ یوم عید

عید کے دن بھی پڑھنا ہے اور آپ صحابی کی تقلید کریں اور جمعہ کی بندگی سے جان چھڑالیں کیا عجب دعویٰ ہے! کیا عجب انداز فکر ہے۔ العیاذ باللہ!۔

احناف کے نزدیک نوافل کے لئے دو مکروہ اوقات

تین اوقات یعنی عین طلوع و غروبِ آفتاب اور جب آفتاب عین سر پر ہو یہ تو پہلے ذکر ہو چکے ان تین اوقات میں صرف نوافل ہی نہیں بلکہ ہر قسم کی نماز یہاں تک کہ نمازِ جنازہ اور سجدہِ تلاوت بھی منع ہے کہ سجدہ بھی رکنِ نماز ہے مگر اب ان دو اوقات کا مزید ذکر کیا جاتا ہے جن میں صرف نوافل مکروہ ہیں نہ کہ باقی نمازیں یا سجدہ تلاوت یاد رہے کہ جملہ سنتوں کو احناف نوافل میں ہی شمار کرتے ہیں لہذا جب نوافل مکروہ ہوئے تو گویا سنتیں بھی مکروہ ہوئیں۔ وہ دو اوقات جن میں صرف نوافل مکروہ ہیں وہ نماز فجر اور نماز عصر کی ادائیگی کے بعد ہیں اس پر احادیث درج ذیل ہیں۔

(1) عن ابی سعید الخدری ؓ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اُللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لاَ صَلاَةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ، وَلاَ صَلاَةَ بَعْدَ العَصْرِ حَتَّى تَغِيبَ الشَّمْسُ۔[62]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ صبح اور عصر کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک کہ سورج کا طلوع و غروب ہو نہ جائے۔

(۲) عن ابی ھُریرۃ قال نہی رسول اللہ ﷺ عن صلوٰتین بعد الفجر حتی تطلع الشمس و بعد العصر حتی تغیب الشمس عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: " نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اُللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلاَتَيْنِ: بَعْدَ الفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ العَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ۔[63]

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا دو اوقات میں نماز سے ایک فجر کے بعد جب تک سورج نکل نہ آئے دوسرا عصر کے بعد جب تک غروب نہ ہو جائے۔

---

[62] بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب لا تتحری الصلوٰۃ قبل غروب الشمس

[63] بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب لا تتحری الصلوٰۃ قبل غروب الشمس

(3) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: شَهِدَ عِنْدِي رِجَالٌ مَرْضِيُّونَ وَأَرْضَاهُمْ عِنْدِي عُمَرُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الصَّلاَةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَشْرُقَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ العَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ۔[64]

حضرت عبد اللہ ابن عباس ؓ نے فرمایا: میرے پاس پسندیدہ حضرات نے گواہی دی اور میرے نزدیک اُن میں سب سے پسندیدہ حضرت عمر ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ سورج چمکنے لگے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ غروب ہوجائے۔

(4) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ نَاسًا طَافُوا بِالْبَيْتِ بَعْدَ صَلاَةِ الصُّبْحِ، ثُمَّ قَعَدُوا إِلَى المُذَكِّرِ، حَتَّى إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ قَامُوا يُصَلُّونَ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: قَعَدُوا، حَتَّى إِذَا كَانَتِ السَّاعَةُ الَّتِي تُكْرَهُ فِيهَا الصَّلاَةُ، قَامُوا يُصَلُّونَ۔[65]

جناب سیدہ عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ لوگوں نے نماز صبح کے بعد طواف کیا پھر نصیحت کرنے والے کو سننے بیٹھ گئے جب سورج نکلا تو نوافلِ طواف اٹھ کر پڑھے۔ پھر فرمایا لوگ بعد از طواف بیٹھ گئے جب نماز کے لئے مکروہ وقت گزر گیا تو اٹھ کر نوافلِ طواف پڑھے۔

جناب سیدہ عائشہ ؓ کی روایت میں (تکرہُ) کا صاف لفظ موجود ہے کہ آپ نے نماز فجر کے بعد سورج نکلنے تک نمازِ نوافل کو مکروہ فرمایا ایسی ہی احادیث کی اتباع میں ہم بھی ان اوقات کو مکروہ ہی کہتے ہیں گویا احناف کی یہ اصطلاح خود ساختہ نہیں بلکہ حدیث سے ماخوذ ہے۔ پیش کردہ احادیث کی بنیاد پر احناف کے نزدیک اگر نماز فجر کی سنتیں رہ جائیں اور فرض ادا کرلئے جائیں تو سنتیں بھی بعد فرائض فجر مکروہ ہی ہیں کہ وہ بھی نوافل ہیں نہ کہ فرائض۔ اب ان صریح احادیث کے مقابلہ میں کسی صحابی کا قول و فعل بطور دلیل لایا جائے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ دوسری بات یہ کہ صبح کی سنتوں کی ادائیگی جب طلوعِ آفتاب کے بعد ممکن ہے تو مذکورہ صریح احادیث کی مخالفت کیوں ہو۔ اَللّٰھُم اِھْدِنَا

[64] بخاری کتاب الصلٰوۃ باب مواقیت الصلوۃ

[65] بخاری کتاب الحج باب: الطواف بعد الصبح والعصر

نماز عصر کی ادائیگی کے بعد دو نوافل:۔

امام بخاریؒ نماز عصر کے بعد حضور ﷺ کے عمل سے دو نوافل پڑھنے اور پھر نہ پڑھنے کی روایات لائے ہیں لیکن چونکہ امام بخاریؒ احادیث کو جمع کرنے کے حوالے سے امام تسلیم کیے جاتے ہیں جبکہ اجتہاد، مسائل شرعیہ کا احادیث سے استخراج و استنباط ان کے بس کی بات نہیں اور نہ ہی ان کو اس میدان میں امام مانا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ فیصلہ دیئے بغیر احادیث متعارض لاتے ہیں اور گزرتے جاتے ہیں۔ یوں کہیں کہ وہ میڈیکل سٹور تو وسیع رکھتے ہیں مگر خود ڈاکٹر نہیں کہ اپنے پاس موجود سٹور سے کسی مریض کے لئے کوئی دوائی تجویز کر سکیں یا مریض کے مرض کی تشخیص کر سکیں۔ یہ کام امام ابو حنیفہؒ کا ہے جن کے گلشنِ فیضان سے پوری آپ کے بعد والی امت کسی لحاظ سے خوشہ چین اور ممنونِ احسان ہے۔

اب جہاں تک عصر کے بعد دو نوافل پڑھنے کی روایت ہے اس کو امام بخاریؒ کتاب مواقیت الصلوۃ جلد 1 میں سیدہ عائشہؓ سے یوں لائے کہ روایت در حقیقت ایک ہے جس کو مختلف اسناد سے لا کر یوں ظاہر ہوا کہ شاید ان نوافل کے پڑھنے کے ثبوت میں کئی روایت ہیں مگر لطف کی بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کیا ہر عصر کے بعد ان کے پاس ہی ہوتے کہ آپ ہمیشہ کا عمل فرما رہی ہیں؟ جبکہ نوافل کا ترک بھی کبھی حضور ﷺ سے ثابت ہوتا ہے کہ دیکھنے والوں کو وجوب کا گمان نہ ہو۔ پھر یہ کہ جو نوافل آپ نے پڑھتے دیکھا اس کی حضور ﷺ سے وجہ اسی بخاری کی اسی جلد 1 کتاب السہو باب اذا کلّم وھو یصلّی فاشار بیدہ میں ان الفاظ سے مذکور ہے۔

شَغَلَنِی نَاسٌ مِنْ عَبْدِ الْقَیْسِ عَنِ الرَّکْعَتَیْنِ بَعْدَ الظُّہْر ۔

کہ جب حضور ﷺ کو پڑھتے دیکھا گیا تو سوال ہوا کہ جناب تو عصر کے بعد نماز سے منع فرماتے ہیں اور خود پڑھ رہے ہیں تو جناب نے فرمایا یہ نوافل عام نہیں (نہ یہ میرا روزانہ کا معمول / بلکہ یہ تو قبیلہ عبد القیس کے لوگ میرے پاس بیٹھ گئے تھے ان کی مشغولیت کی وجہ سے بعد از فرائض ظہر کے دو رکعتیں نہیں پڑھ سکا تھا یہ وہی دو رکعتیں ہیں۔ بخاری کی روایت تو الٹا اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ آپ کا ایسا کوئی معمول نہ تھا صرف ایک دن دو سنت بعد از ظہر کو عصر کے بعد پڑھا۔ پھر دوسری روایت اسی کی تائید میں ملاحظہ ہو جو جلیل القدر صحابی جناب امیر معاویہؓ کے بارے ہے۔

عَنْ مُعَاوِيَۃَ، قَالَ: إِنَّكُمْ لَتُصَلُّونَ صَلاَةً لَقَدْ صَحِبْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَأَيْنَاهُ يُصَلِّيهَا، وَلَقَدْ نَهَى عَنْهُمَا ، يَعْنِي: الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ العَصْرِ ۔[66]

حضرت امیر معاویہؓ نے کچھ لوگوں (تابعین) کو بعد از عصر نوافل پڑھتے دیکھا تو فرمایا تم ان نوافل کو پڑھتے ہو جبکہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں تو ہم رہے ہم نے تو رسول اللہ ﷺ کو یہ نوافل پڑھتے نہیں دیکھا بلکہ آپ نے تو ان سے منع فرمایا ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ کا بیان بالکل واضح ہے کہ حضور ﷺ خود بھی نہ پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی منع فرماتے تھے اصولِ حدیث یہ ہے کہ حضور ﷺ کا عمل اور حکم متعارض ہوں تو حکم کو ترجیح ہوتی ہے کہ عمل کی کوئی خاص وجہ ہو سکتی ہے اور وہ وجہ یہاں بیان بھی ہو چکی کہ ظہر کی دو سنتیں رہ گئی تھیں آپ وہ ادا فرما رہے تھے۔

ایک صاحب نے جناب سیدہ عائشہؓ کی روایت کو ان الفاظ میں نقل کیا۔

عن عائشہ ؓ مَا تَرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّجْدَتَيْنِ بَعْدَ العَصْرِ عِنْدِي قَط ۔[67]

جناب سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے میرے سامنے کبھی عصر کے بعد دو سجدوں کو ترک نہیں فرمایا۔

اب اگر اس روایت کو معتبر ہی مان لیا جائے تو اس میں صرف دو سجدے کرنے کی بات ہے نہ نماز کی بات ہے اور نہ دو نوافل کی بات۔ اگر آپ فرمائیں کہ سجدوں سے مراد دو رکعتیں ہیں تو کسی بھی لفظ کے حقیقی معنی کو بلاوجہ ترک نہیں کیا جاتا لہٰذا دو سجدوں کو دو سجدے کہنے میں جب کوئی وجہ ممانعت نہیں تو اصل معنی سے توجہ کیوں نہ کریں چلو مان لیا سجدوں سے مراد نوافل کے سجدے ہیں تو پھر چار سجدوں کی بات ہوتی کہ دو سجدے تو صرف ایک رکعت میں ہی آجاتے ہیں تو اس سے دو نوافل کیسے ثابت ہوئے دو نوافل کو اگر سجدوں میں ہی بولیں تو چار سجدے بولیں گے جبکہ روایت میں دو سجدوں کے الفاظ ہیں۔ اب اس کے عین مدّ مقابل سیدہ اُم سلمہؓ کا بیان پیشِ خدمت ہے۔ آپ فرماتی ہیں میرے گھر حضور ﷺ نے بعد از عصر صرف مرتبہ دو رکعتیں پڑھیں (یہ وہی دو

---

[66] بخاری کتاب الصلٰوۃ کتاب مواقیت الصلوۃ

[67] نماز کی کتاب تالیف حافظ عمران ایوب لاہوری

رکعتیں ہیں جن کا اوپر ذکر ہو چکا کہ حضور ﷺ نے خود وضاحت فرما دی کہ بعد از ظہر کی رہ گئی تھیں ان کو اب بعد از عصر ادا کیا ہے) جناب سیدہ ام سلمہؓ سے دوسری روایت یہ ہے۔

عن ام سلمہ ؓ ---فَلَمْ أَرَهُ يُصَلِّيهِمَا قَبْلُ وَلَا بَعْدُ[68]

کہ میں نے اُسی ایک دن کے علاوہ جناب کو نہ اس سے پہلے اور نہ بعد یہ نوافل بعد از عصر پڑھتے دیکھا۔

روایت بالکل واضح ہے اور روایت بھی صحیح ہے نہ کہ ضعیف تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ جناب سیدہ عائشہؓ کے بیان کے مطابق اگر آپ کا معمول ہوتا تو کبھی تو ام سلمہؓ بھی دیکھ لیتیں۔

لہذا معلوم ہوا کہ عصر کے بعد نہ حضور ﷺ خود پڑھتے تھے نہ صحابہ کا عمل روایات میں آرہا ہے جو ایک روایت امیر معاویہؓ سے گزری کہ کچھ لوگوں کو پڑھتے دیکھا اس کے رد میں اتنا کافی ہے کہ امیر معاویہؓ کے بیان اور بتانے کو کسی نے رد نہ کیا کہ وہ لاجواب ہو گئے۔ہاں منع کی روایات بلا غُبار ہیں انہی پر عمل ہے۔

نمازِ ظہر کے آخری وقت پر ایک واضح روایت:۔

1) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُولِهِ، مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ[69]

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وقت ظہر اس وقت شروع ہوتا ہے جب آفتاب ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ (ایک مثل) اس کی لمبائی برابر ہو جائے جب تک عصر کا وقت نہ آجائے۔

---

[68] صحیح نسائی کتاب المواقیت باب الرخصۃ فی الصلوۃ الخر

[69] مسلم کتاب الصلوۃ باب مواقیت الصلوۃ

یہاں ظہر کا وقت مثل اول کے ہوجانے اور عصر سے پہلے تک بتایا گیا۔ نہ کہ مثل اول کے اند اندر اس کو مُقیّد کیا پھر عصر کے وقت تک نہ آئے ظہر کا وقت ہی بتایا گیا ہے جبکہ بخاری سے ایک روایت ایسی پیش کر چکا ہوں جو ظہر کا وقت عصر کے پورے وقت سے زیادہ پر صاف دلالت کرتی ہے ایسی کوئی توجیہ و تطبیق پیش نہیں کی جا سکتی کہ ظہر کا پورا وقت بھی صرف ایک مثل برابر رہے اور وقت عصر سے بھی ہوجائے۔

2) أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَتَبَ إِلَى عُمَّالِهِ إِنَّ أَہَمَّ أَمْرِكُمْ عِنْدِي الصَّلَاةُ. فَمَنْ حَفِظَہَا وَحَافَظَ عَلَيْہَا، حَفِظَ دِينَہُ. وَمَنْ ضَيَّعَہَا فَہُوَ لِمَا سِوَاہَا أَضْيَعُ، ثُمَّ كَتَبَ: أَنْ صَلُّوا الظُّہْرَ، إِذَا كَانَ الْفَيْءُ ذِرَاعًا، إِلَى أَنْ يَكُونَ ظِلُّ أَحَدِكُمْ مِثْلَہُ ۔[70]

حضرت عمرؓ نے اپنے عمال کو لکھا کہ تمہارے امور میں سے اہم ترین نماز ہے جس نے اس کی حفاظت کی اس نے دین کی حفاظت کی جو اس کو ضائع کرے وہ اس کے سوا ہر امانت کو زیادہ ضائع کرے گا پھر لکھا کہ ظہر کو سایہ ایک ذراع ہونے سے لیکر ایک مثل ہونے تک پڑھ لیا کرو۔

نماز کی اہمیت بارے عمدہ فرمان ہے خلیفہ رسول اللہ ﷺ کا۔ ظہر بارے تیسری روایت:۔

3۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ: أَمَّنِي جِبْرِيلُ عَلَيْہِ السَّلَام عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ، فَصَلَّى بِيَ الظُّہْرَ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَتْ قَدْرَ الشِّرَاكِ، وَصَلَّى بِيَ الْعَصْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّہُ مِثْلَہُ، وَصَلَّى بِيَ يَعْنِي الْمَغْرِبَ حِينَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ، وَصَلَّى بِيَ الْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ، وَصَلَّى بِيَ الْفَجْرَ حِينَ حَرُمَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَى الصَّائِمِ، فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ صَلَّى بِيَ الظُّہْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّہُ مِثْلَہُ، وَصَلَّى بِي الْعَصْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّہُ مِثْلَيْہِ، وَصَلَّى بِيَ الْمَغْرِبَ حِينَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ، وَصَلَّى بِيَ الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ، وَصَلَّى بِيَ الْفَجْرَ فَأَسْفَرَ ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَيَّ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، ہَذَا وَقْتُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ، وَالْوَقْتُ مَا بَيْنَ ہَذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ۔[71]

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مجھے دو مرتبہ یعنی دو دن جبرئیلؑ نے نماز پڑھائی بیت اللہ کے پاس تو ظہر اس وقت پڑھائی جب سورج ڈھل گیا اور تسمہ کے برابر تھا اور عصر پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا۔ اور مغرب پڑھائی جب روزہ دار روزہ کھولتا ہے اور عشاء پڑھائی جب شفق غائب ہو گئی اور فجر پڑھائی جب روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو

[70] موطا امام مالک باب وقوت الصلاۃ۔ مصنف عبد الرزاق باب المواقیت

[71] ابو داؤد کتاب الصلٰوۃ باب المواقیت و ترمذی کتاب الصلٰوۃ باب ماجاء فی مواقیت

جاتا ہے۔ پھر دوسرے دن ظہر پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا پھر عصر پڑھائی جب دو مثل ہو گیا اور مغرب جب روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے پھر عشاء رات تیسرا حصّہ گزرنے پر پڑھائی اور فجر کو روشن کرکے پڑھایا پھر میری طرف متوجہ ہوا اور کہا اے سراپا حُسن و زیبائی سے آپ سے پہلے انبیاءؑ کا وقت ہے اور وقت انہی دونوں اوقات کے درمیان ہے۔

4) عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَأَرَادَ المُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَذِّنَ، فَقَالَ لَهُ: أَبْرِدْ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ، فَقَالَ لَهُ: أَبْرِدْ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ، فَقَالَ لَهُ: أَبْرِدْ حَتَّى سَاوَى الظِّلُّ التُّلُولَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ شِدَّةَ الحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ۔[72]

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ سفر پر تھے کہ مؤذن نے اذان دینی چاہی تو جناب نے فرمایا ٹھنڈا ہونے دو پھر دینی چاہی تو بھی یہ فرمایا تیسری بار دینی چاہی تو بھی فرمایا ٹھنڈا ہونے دو یہاں تک کہ ٹیلوں کا سایہ ایک مثل ہو گیا تو فرمایا گرمی کی شدت جہنم کے سانس لینے سے ہے۔

الغرض ظہر و عصر کے وقت کو جملہ احادیث سامنے رکھ کر جائزہ لیا تو یہ بات سامنے آئی کہ ایک طرف ظہر کا وقت معلوم کرنا ہے دوسری طرف عصر کا اس سے الگ کرنا ہے۔ تو اکثر احادیث سے ان دو اوقات کا واضح تعین انتہائی مشکل ہے ہاں اتنی بات سمجھ سکا کہ ایک طرف ظہر ہے اس کو ان اوقات سے سمجھا جائے جو گرمی میں نماز کو ٹھنڈا کرنے کی تعلیم دیتی ہیں اور دوسری طرف عصر ہے جس کو سمجھنے کے لئے مختلف روایات اس سلسلہ میں مدد دیتی ہیں۔ کہ عصر کو دھوپ زرد ہونے سے پہلے ہی ادا کر لیا جائے لہذا موجودہ نمازوں کا معمول ٹھیک احادیث کے مطابق ہے۔

ظہر کا آخری وقت اور مختلف روایات:۔

حافظ عمران ایوب لاہوری کی تالیف (نماز کی کتاب) زیر نظر ہے جو روایات انھوں نے پیش کیں وہ پیش خدمت ہیں۔

---

[72] بخاری کتاب الاذان باب الاذان للمسافر

1۔ حضرت جبرائیلؑ کی امامت والی حدیث میں ہے کہ

وصلی العصر فی الیوم الاول حین صار ظل کل شیءٍ مثلہٗ۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیلؑ نے مجھے پہلے دن نماز عصر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا۔

تبصرہ:۔ کتنا عجیب ہے کہ ظہر کا آخری وقت ثابت کرنے کے لئے سب سے پہلے اس روایت کا سہارا لیا گیا جس کو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ خوب رد کر چکے کہ یہ روایت اوقاتِ نماز کو ظاہر کرنے کے لیے ناکافی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ العَزِيزِ أَخَّرَ العَصْرَ شَيْئًا، فَقَالَ لَهُ عُرْوَةُ: أَمَا إِنَّ جِبْرِيلَ قَدْ نَزَلَ فَصَلَّى أَمَامَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ عُمَرُ اعْلَمْ مَا تَقُولُ يَا عُرْوَةُ قَالَ: سَمِعْتُ بَشِيرَ بْنَ أَبِي مَسْعُودٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُودٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: نَزَلَ جِبْرِيلُ فَأَمَّنِي، فَصَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ يَحْسُبُ بِأَصَابِعِهِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ [73]۔

ابن شہابؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے عصر کی نماز کچھ تاخیر سے ادا کی تو عروہ بولے کہ کیا جبرئیلؑ نے آکر حضور ﷺ کو یوں یعنی اس وقت میں نماز نہیں پڑھائی تھی ؟ تو عمر بن عبد العزیز نے فرمایا اے عروہ ہوش کرو کیا بول رہے ہو پھر خود ہی حدیث جبرئیلؑ یوں بولی کہ میں نے بشیر بن ابی مسعودؓ کو کہتے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جبرئیلؑ آئے اور میری نماز میں امامت کرائی تو میں نے اس کے ساتھ نماز پڑھی، پھر اس کے ساتھ نماز پڑھی ،پھر نماز پڑھی، پھر نماز پڑھی، پھر نماز پڑھی یوں پانچ نمازوں کو انگلیوں پر حساب کیا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا میں نے بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث مرفوع پیش کی جس میں اوقات کا کوئی اشارہ تک نہیں پھر اسی روایت کو بخاری نے دوسری سند سے یوں ذکر کیا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے عروہ سے کہا ذرا سمجھو اپنی بات کو تم کیا کہنا چاہتے ہو کہ جبرئیل نے نبی ﷺ کو نمازوں کے اوقات بتائے ؟ اب بالکل

[73] بخاری کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکہ و مسلم

صاف ظاہر ہوا کہ اس روایت سے ظہر کے وقت کے تعین پر استدلال غلط ہے جہاں حدیث جبرئیلؑ کو یوں پیش کیا گیا کہ اس سے اوقات ظاہر ہو رہے ہیں۔ اس میں شدید اضطراب ہے وہ اس طرح کہ جبرئیلؑ نے دوسرے دن ظہر اور پہلے دن عصر ٹھیک ایک وقت میں پڑھائی دوسرا اعتراض اس پر یہ ہے کہ دوسرے دن عصر دو مثل پر پڑھائی اگر واقعی یہ تعیّن اوقات کے لئے تھی تو کیا عصر کا آخری وقت دو مثل ہے یا قبل از غروب آفتاب ؟ پوری روایت پیش کرتا ہوں غور فرمائیں اور مطلوبہ اعتراضات کو خط کشیدہ کر کے ظاہر کر دیتا ہوں کہ اعتراضات سمجھنے میں آسانی ہو پھر اس روایت کو بخاری و مسلم کی بجائے ترمذی و ابو داؤد نے ذکر کیا۔

حدیث جبرئیلؑ یہ ہے جو اضطراب سے بھری ہوئی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَّنِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامِ عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ، فَصَلَّى بِيَ الظُّهْرَ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَتْ قَدْرَ الشِّرَاكِ، وَصَلَّى بِيَ الْعَصْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ، وَصَلَّى بِيَ يَعْنِي الْمَغْرِبَ حِينَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ، وَصَلَّى بِيَ الْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ، وَصَلَّى بِيَ الْفَجْرَ حِينَ حَرُمَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَى الصَّائِمِ، فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ صَلَّى بِيَ الظُّهْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ، وَصَلَّى بِي الْعَصْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَيْهِ، وَصَلَّى بِيَ الْمَغْرِبَ حِينَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ، وَصَلَّى بِيَ الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ، وَصَلَّى بِيَ الْفَجْرَ فَأَسْفَرَ ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَيَّ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، ہٰذَا وَقْتُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ، وَالْوَقْتُ مَا بَيْنَ ہٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ۔[74]

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مجھے دو مرتبہ یعنی دو دن جبرئیلؑ نے نماز پڑھائی بیت اللہ کے پاس تو ظہر اس وقت پڑھائی جب سورج ڈھل گیا اور تسمہ کے برابر تھا اور عصر پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا۔ اور مغرب پڑھائی جب روزہ دار روزہ کھولتا ہے اور عشاء پڑھائی جب شفق غائب ہو گئی اور فجر پڑھائی جب روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔ پھر دوسرے دن ظہر پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا پھر عصر پڑھائی جب دو مثل ہو گیا اور مغرب جب روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے پھر عشاء رات تیسرا حصّہ گزرنے پر پڑھائی اور فجر کو روشن کر کے پڑھایا پھر میری طرف متوجہ ہوا اور کہا اے سراپا حُسن و زیبائی یہ آپ سے پہلے انبیاءؑ کا وقت ہے اور وقت انہی دونوں اوقات کے درمیان ہے۔

---

[74] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب المواقیت و ترمذی باب ماجاء فی مواقیت

یہاں ظہر و عصر کو ایک ہی وقت میں پڑھا۔ پھر دونوں دن مغرب کو بھی ایک ہی وقت میں پڑھا اور صائم کا سہارا لیا جو خود غیر واضح ہے پھر عصر کو دوسرے دن دو مثل سایہ پر پڑھا اور وقت مابین ھذین الوقتین سے پابند کر دیا کہ عصر مثلین سے آگے نہیں جبکہ عصر دو مثل سایہ تک اخیر نہیں بلکہ غروب آفتاب کے متصل پہلے تک اتفاق سے ہے۔

اس روایت پر مزید اعتراضات ہیں خوفِ طوالت سے ترک کرتا ہوں یہ حدیث قابلِ استدلال تو کیا قابلِ التفات نہیں۔

2۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

وقتُ صلٰوۃِ الظّہر مالم یحضر العصر ۔

نماز ظہر کا وقت نماز عصر تک رہتا ہے۔

یہ روایت از خود ظہر کے وقت کو ظاہر نہیں کرتی بلکہ صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کا وقت عصر کے وقت تک رہتا ہے جبکہ اصل حل طلب بات ہی یہی ہے کہ عصر کا شروع وقت کیا ہے۔ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ عصر کا شروع وقت کیا ہے تو بحث ہی ختم ہوجاتی ہے اور اس سے پہلے ظاہر ہے کہ ظہر ہے اگر عصر کا پہلا وقت حدیثِ جبرئیلؑ سے ہی لینا ہے تو اس میں شدید اضطراب ہے قابلِ استدلال نہیں۔

3۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز عصر پڑھائی تو بنو سلمہ قبیلے کا ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا یارسول اللہ ہم اونٹ نحر کرنا چاہتے ہیں اور ہماری خواہش ہے کہ آپ بھی اس میں شرکت کریں آپ نے دعوت قبول فرمائی پھر آپ ﷺ اور ہم چلے ۔ آپؐ نے اونٹ کو دیکھا کہ اس کو ابھی نحر نہیں کیا گیا پھر بعد ازاں نحر کیا گیا کاٹا گیا پھر کچھ اس سے پکایا گیا پھر ہم نے اسے غروب سے پہلے کھالیا۔ اس کو مسلم نے روایت کیا کتاب المساجد میں۔

تبصرہ:۔ اس روایت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ حضور ﷺ نے عصر مثل اول کے ہوتے ہی پڑھ لی تب یہ جانا، ذبح کرنا، کاٹنا، پکانا اور کھانا ثابت ہوا۔ تو گزارش ہے کہ اگر اس روایت سے وقتِ عصر کا تعین ہو رہا ہے تو مناسب اس لئے نہیں کہ اس میں ایسے واقعے کو دلیل بنایا گیا کہ جس سے

وقت واضح طور پر ظاہر ہرگز نہیں ہوتا اس لئے کہ ایک ہی کام دو طرح کے لوگ دو الگ الگ وقت میں کرتے ہیں اس کا مشاہدہ قربانی کے دن ہر سال ہوتا ہے مختلف پارٹیاں اپنا اپنا بڑا جانور تیار کرتی ہیں وقت سب کا الگ الگ ہوتا ہے لہذا یہاں اندازہ لگانے والی بات ہے جو اختلاف کا باعث بن سکتی ہے پھر یہ کہ اس روایت میں یہ ذکر نہیں کہ کام کرنے والوں کی تعداد کیا ہے۔ ہاں اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ لوگ زیادہ تھے جس میں حضور ﷺ کی شرکت کو برائے محبت بطور برکت لازمی سمجھا گیا اور دعوت دی گئی پھر اونٹ عربوں کے ہاں عام تھا اسی کی اکثر قربانی ہوتی عرب جفا کش لوگ تھے اور اونٹ ذبح کرنا ان کا معمول تھا جبکہ آج کے لوگوں سے اگر یہی کام لینا ہو تو ممکن ہے کہ حضور ﷺ عصر کو سورج نکلتے ہی صبح صبح پڑھ کر جائیں اور شام کو کھائے بغیر آجائیں۔ لہذا عربوں کو اپنے پر یہاں گمان وقیاس کرنا درست نہیں۔

اصل بات جو اس حدیث میں محسوس ہوئی وہ یہ کہ اونٹ ذبح بھی ہوا جو عربوں کے لئے بہت آسان تھا پھر کاٹا بھی گیا جب لوگ ہی زیادہ تھے تو ایک ایک ٹکڑا پکڑ کر بہت جلد تیار کرلیا پھر یہ کہ پک کر کھا کر آئے تو اصل میں یہ بات ہے جس سے سارا مسئلہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اس طرح کہ ذبح شدہ جانور سے اگر کچھ حصّہ پکانا بھی ہو تو عموماً ذبح ہوتے ہی دل کلیجی وغیرہ پہلے لے کر پکاتے ہیں چونکہ یہ حصّے بہت نرم ہیں تو جلد تیار ہو جاتے ہیں اور اگر ان کو پکانے کی بجائے بھون لیا جائے تو وقت ہی نہیں لگتا جانور کا باقی گوشت کاٹنے سے پہلے یہ تیار ہو جاتا ہے۔ حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اس سے ہم نے کچھ کھایا نہ کہ سارا اونٹ پکا کر کھا گئے اور یہ بھی حدیث سے ظاہر نہیں کہ جو حصّہ پکایا گیا وہ کیا تھا اور کیا اس کو پورا گوشت تیار کرنے کے بعد پکانا شروع کیا حدیث اس کی تائید نہیں کرتی لہذا اس روایت سے قیاس کر کے وقت ظہر کو تنگ ثابت کرنا مناسب نہیں ہاں عصر کا اول وقت یعنی مثل ثانی کے بعد میں پڑھنا اس سے ظاہر ہے۔ کہ اس دن حضور ﷺ کو جب دعوت تھی تو آپ وقت کے اندر اندر جماعت میں تقدیم و تاخیر فرماتے تھے۔ اس دن دعوت اور پھر وہ بھی اونٹ کی تو ظاہر ہے کہ حضور ﷺ نے اس دن عصر اول وقت ہی میں پڑھی اور جلدی تشریف لے گئے اور جناب کی حاضری سے یہ بھی عین ممکن ہے کہ کام میں برکت ہو گئی ہو کہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے تشریف لے جا کر اونٹ کو ایک نظر دیکھا اور آپ کا دیکھنا آپ ہی کا دیکھنا ہے جو برکت سے خالی نہیں پھر کام کرنے والوں کو یہ بھی جلدی تھی کہ حضور ﷺ کو دعوت دی ہے ایسا نہ ہو کہ آپ تناول فرمائے بغیر مغرب پڑھانے چلے جائیں لہذا انہوں نے یہ کام انتہائی جلدی کیا۔

4۔ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر ایسے وقت میں ادا فرماتے تھے کہ

يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى رَحْلِهِ فِي أَقْصَى المَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ[75]

ہم میں سے کوئی مدینہ کی آخری حد تک جاتا تو پھر بھی ابھی سورج پوری طرح روشن ہی ہوتا۔

تبصرہ:۔

اس روایت کو بھی احناف کے خلاف پیش نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ہمارے نقطہء نظر کے بالکل خلاف نہیں اس لئے کہ آپ اس سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ مدینہ کے اندر بہت پہلے عصر ادا فرمالیتے جبکہ یہ بھی آپ کا اندازہ ہے، لہٰذا اس کے جواب میں ہم بھی اندازہ ہی پیش کرتے ہیں کہ گرمیوں میں دن لمبا ہوتا ہے اگر عصر کو سایہ دو مثل ہونے پر اول وقت میں ادا کر لیا جائے تو کوئی مدینہ کے آخری حصّے تک جائے اور سورج ابھی روشن ہو تو یہ عین ممکن ہے اس طرح کہ مدینہ شہر اس وقت کوئی کراچی لاہور جیسا بڑا شہر نہ تھا کہ آخری سرے تک زیادہ وقت درکار ہو، بلکہ اتنا شہر تھا کہ مسجد نبوی سے کسی طرف مدینے کے آخری حصّے تک بہت دیر لگے تو صرف آدھا گھنٹہ لگے اور ہماری عصر کی نماز گرمیوں میں اس وقت ہوتی ہے کہ ابھی مغرب کو ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہوتا ہے جب آدھا گھنٹہ اس سے مدینہ کے آخری حصّے تک جانے کا نکال لیں تو غروب آفتاب کے لئے اب بھی ایک گھنٹہ باقی ہے تو آفتاب غروب سے ایک گھنٹہ قبل پوری طرح صاف شفاف اور خوب روشن ہوتا ہے اور جب سورج کی روشنی سفیدی و زردی اور کمزوری میں بدلتی ہے وہ سورج کے بالکل غروب کے قریب پندرہ سے بیس منٹ ہیں۔ پہلے نہیں تو آج غروب آفتاب کا مشاھدہ فرمانا پوری بات سمجھ آجائے گی۔ یہ تھیں وہ روایات جن کو برادر محترم عمران ایوب لاہوری نے اپنی تالیف نماز کی کتاب میں ظہر کا آخری اور انتہائی تنگ وقت ثابت کرنے کے لئے پیش کیا، جبکہ اس کے مقابل ہم وہ روایات پیش کیا کرتے ہیں جن میں ظہر کو گرمیوں میں خوب ٹھنڈا کر کے پڑھنے کی بات ہے خاص کر ہماری دلیل بخاری جلد 1 کتاب المواقیت الصلٰوۃ کی وہ روایت ہے جس میں یہود و نصاریٰ کے وقتِ عمل کو

[75] بخاری باب وقت العصر

فجر سے ظہر اور ظہر سے عصر تک تشبیہ دی گئی، تو انہوں نے اعتراض کیا وقت ہمارا زیادہ اور اجر امت رسول ﷺ کا زیادہ جن کا وقت ہم سے کم عصر سے شام تک ہے تو جناب جو ظہر آپ ثابت کرتے ہیں اس میں تو وقت ظہر وقتِ عصر کے برابر بلکہ بعض موسم میں ظہر عصر سے کم رہ جاتی ہے تو پھر ان کا اعتراض کیا کہ وقتِ عمل ہمارا زیادہ اور اجر امت محمدیہ کا زیادہ، واضح ہو کہ ان کا اعتراض بنتا ہی تب ہے کہ ظہر کا کل وقت عصر کے کل وقت سے زیادہ ہو اور در حقیقت ایسا ہی ہے۔ باقی ظہر کا ٹھنڈا کر کے پڑھنے کی تمام روایات کو ایک نظر دیکھنے کے لئے جآء الحق حصّہ دوم کی طرف رجوع فرمائیں۔

دو نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھنا:۔

احناف کے نزدیک سوائے حج کے کبھی بھی سفر و حضر میں دو نمازوں کو اس طرح جمع کرنا کہ کسی ایک نماز کے وقت کے اندر دونوں کو پڑھ لیا ہر گز جائز نہیں۔ اگر کسی نے ایک نماز کو وقت سے مؤخر کر کے دوسری نماز کے وقت کے اندر پڑھا تو ہم مؤخر کی جانے والی کو قضا اور ایسا کرنے والے کو خطا کار بتائیں گے اور اگر اس نے دو نمازوں کو یوں جمع کیا کہ پہلی نماز کے وقت میں دونوں کو ادا کیا جبکہ دوسری کا ابھی وقت ہی نہیں داخل ہوا مثلاً زوالِ آفتاب کے فوراً بعد ظہر و عصر کو ملا کر پڑھ لیا تو ہم پہلی کو ادا کہیں گے کہ وقت پر ادا ہوئی اور دوسری کو لغو کہیں گے کہ جس نماز کا ابھی وقت داخل ہی نہیں ہوا وہ کیسے ادا ہو۔

اس سلسلے میں جتنی روایات ملتی ہیں کہ حضور ﷺ نے مدینہ شریف میں یا دورانِ سفر نمازوں کو جمع فرمایا تو سوائے حج کے باقی تمام جمع ہونے والی نمازوں کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ حضور ﷺ نے دو نمازوں کو شکلاً اور صورۃً جمع فرمایا کہ ایک کو اس کے آخری اور دوسری کو اس کے پہلے وقت میں ادا کر کے بظاہر جمع کیا جبکہ حقیقتاً اپنے اپنے اوقات میں ہی تھیں۔ ایسی جمع احناف کے نزدیک کبھی بھی جائز ہے کہ ظہر کو مؤخر کر کے آخری وقت ظہر میں اور عصر کو عصر کے شروع وقت میں ادا کرے تو جائز ہے مگر یہ معمول نہ ہو کہ حضور ﷺ نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو بظاہر جمع فرمایا جبکہ حقیقت میں اپنے اپنے اوقات میں تھیں مگر یہ زیادہ تر سفر میں ہوا اور مدینہ شریف میں بھی ایک واقعہ ایسا ہی پیش آیا شاید سفر کا ارادہ ہو یا بارش کا دن ہو کہ بخاری جلد 1 میں ہے کہ مدینہ میں نمازوں کے جمع کرنے کی روایت ایک صحابی نے دوسرے کو بتائی تو وہ کہنے لگا کیا ایسا حضور ﷺ نے بارش کے دن کیا؟ تو راوی بولا کہ شاید ایسا ہی تھا۔ یہ واضح رہے کہ ظہر و عصر کے درمیان کوئی وقت بالکل

فارغ نہیں کہ وہ نماز ظہر کا بھی نہ ہو اور عصر کا بھی نہ ہو بلکہ ظہر کا وقت چلتا ہے جب تک عصر داخل نہ ہو جائے اور ایسا ہی معاملہ مغرب وعشاء کا ہے کہ دونوں کے درمیاں کوئی خالی وقت نہیں بلکہ جو نہی مغرب کا وقت ختم ہوتا ہے تو عشاء کا شروع ہو جاتا ہے جبکہ عصر و مغرب کے درمیان غروبِ آفتاب حائل ہے۔

جب بھی حضور ﷺ نے نمازوں کو جمع فرمایا تو صرف ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع فرمایا اور حج کے دوران جہاں حضور ﷺ نے نمازوں کو ایک نماز کے وقت میں جمع فرمایا اس کی وجہ یہ کہ اس دن نمازوں کے وقت ہی بدل کر وہی کر دیئے جاتے ہیں جن میں حضور ﷺ نے نمازوں کو جمع فرمایا بخاری سے روایت پیشِ خدمت ہے۔

ہُمَا صَلاَتَانِ تُحَوَّلاَنِ عَنْ وَقْتِہِمَا۔ [76]

اس دن دونوں نمازوں کا وقت ہی اپنے اوقات سے بدل دیا گیا

یعنی ان کی ادائیگی کا وقت اپنے اصل وقت سے بدل کر وہی کیا گیا جس وقت میں آپ ﷺ نے ادا فرمائیں۔

لہٰذا دورانِ حج جن دو نمازوں کو اپنے حقیقی وقت سے بدل کر دوسری دو نمازوں کے ساتھ ملایا گیا تو اس کی وجہ یہی ہے کہ نہ صرف نماز بدلی بلکہ ان کے اوقات ہی بدل کر اس دن کے لیے یہی کر دیے گئے۔ عقل کا تقاضا اور قیاس بھی یہی بتاتا ہے حج مسلمانوں کا بہت بڑا سالانہ اجتماع ہے وہاں بہت ہی جمِ غفیر ہوتا ہے۔ لہٰذا نمازوں کو اپنے اوقات سے بدل کر درمیانی وقت کو حج کے اعمال کے ادا کرنے کے لئے فارغ کیا گیا جبکہ حج بھی امر الٰہی کی تکمیل ہے لہٰذا احسان فرمایا اس اللہ نے پوری ملت اسلامیہ پر جس رب نے نمازوں کو پچاس سے پانچ کر دیا اور اجر پچاس کا رکھا تو آج اس نے نمازوں کے اوقات میں مناسب ردوبدل دیکر احسان فرمایا اور اجر بھی وہی ہے جو وقت پر ادا ہوتیں اس کرم خداوندی کا اظہار حضور ﷺ نے عملاً نمازوں کو ان کے اصلی اوقات سے بدل کر فرما دیا جبکہ حج کے علاوہ نہ ایسا کرنے کی شدید حاجت پیش آتی ہے نہ ہی شریعت اس کو برداشت کرتی ہے کہ جس رب نے نمازوں کے اوقات

---

[76] بخاری کتاب المناسک

مقرر کیے اور پھر پانچوں نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرتے رہنے کا حکم دیا اس کے حکم کے خلاف کیوں کیا جائے اور حضور ﷺ کے بارے بھی یہ گمان کیوں ہو کہ جناب جب چاہتے حکم خداوندی کے خلاف اپنی مرضی کرتے ایسا کچھ نہیں صرف بات اتنی ہے کہ جب احادیث کو لاعلم لوگ پڑھتے ہیں تو اپنی لاعلمی اور کم فکری کی بنیاد پر احادیث سے حیرت انگیز غلط مفہوم اخذ کر لیتے ہیں اسی فکر کو روکنے کے لئے حضور ﷺ کے مبارک زمانے سے آج تک اُمت کی بھاری اکثریت ائمہ دین شرعِ متین کے افکار کی اتباع کرتے نظر آتے ہیں۔

نمازیں اپنے اپنے اوقات میں فرض کی گئی ہیں قرآن کی روشنی میں

1) اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا[77]

بے شک نماز مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے اپنے اپنے مُقرر وقت پر۔

2) وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّہَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْہِبْنَ السَّیِّاٰتِ ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰکِرِیْنَ[78]

اور نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات کے حصوں میں۔ بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے۔

3) اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِکَانَ مَشْہُوْدًاo وَ مِنَ الَّیْلِ فَتَہَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا[79]

---

[77] النسآء آیت۔103

[78] ھود۔114

[79] بنی اسرائیل۔78،79

نماز ادا کیا کریں سورج ڈھلنے کے بعد رات کے تاریک ہونے تک اور ادا کریں صبح کی نماز بلا شبہ نمازِ صبح کا مشاھدہ کیا جاتا ہے اور رات کے بعض حصّہ میں (اُٹھو) اور نماز تہجد ادا کرو تلاوتِ قرآن کے ساتھ۔ یہ نماز زائد ہے آپ کے لئے یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر۔

4) فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَo الَّذِیْنَ ہُمْ عَنْ صَلَاتِہِمْ سَاہُوْنَ[80]

پس خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں کو (وقت پر) ادائیگی سے غافل ہیں۔

5) فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِیْنَ تُصْبِحُوْنَo وَلَہُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِیًّا وَّ حِیْنَ تُظْہِرُوْنَ[81]

سو پاکی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو اور اسی کے لئے ساری تعریف ہیں آسمانوں اور زمین میں اور (پاکی بیان کرو) سہ پہر کو اور جب تم دوپہر کرتے ہو۔

6) اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَہُوَ خٰدِعُہُمْ وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا[82]

بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ تعالیٰ کو فریب دینا چاہتے ہیں اور جب نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو (بے وقت) سُست بن کر اٹھتے ہیں وہ بھی لوگوں کو دکھانے کے لئے اور اللہ کا ذکر بھی بہت کم کرتے ہیں۔

اقامتِ صلٰوۃ میں بھی وقت پر نماز قائم کرنے کا شعور موجود ہے ان آیات سے واضح ہوا کہ نمازوں کو اوقات مقررہ میں فرض کیا گیا ہے۔ لہٰذا انسان کو یہ حق نہیں کہ بغیر کسی عذر معقول کے حکم خداوندی کی مخالفت کرے۔

نوٹ:۔ لفظ غسق اللیل نے شفق کا مسئلہ بھی واضح کر دیا کہ عشاء شفقِ ابیض کے بعد غسق اللیل پر ہوتی ہے۔

---

[80] الماعون۔4،5

[81] الروم۔17،18

[82] النسآء۔142

نمازوں کے مقررہ اوقات کے حوالے سے چند احادیث

1) قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَيُّ العَمَلِ أَفْضَلُ الصَّلاَةُ عَلَى مِيقَاتِهَا ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ثُمَّ بِرُّ الوَالِدَيْنِ ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ الجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَسَكَتُّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي۔[83]

عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ کونسا عمل اللہ کے ہاں سب سے محبوب ہے تو فرمایا نماز اس کے مقرر وقت پر پڑھنا عرض کی پھر کونسا عمل تو فرمایا ماں باپ سے نیکی کرنا، عرض کیا پھر تو فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، جناب عبد اللہ ابن مسعودؓ نے کہا حضور ﷺ نے مجھے یہ باتیں فرمائیں اور اگر میں زیادہ پوچھتا تو آپ زیادہ فرماتے۔

2) عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: " يَا عَلِيُّ، ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا: الصَّلَاةُ إِذَا آنَتْ، وَالجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ، وَالأَيِّمُ إِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفْئًا ۔[84]

حضرت علیؓ سے روایت ہے فرمایا نبی ﷺ نے اے علیؓ! تین چیزوں کو کبھی مؤخر نہ کرنا۔ نماز جب اس کا وقت آجائے ، جنازہ جب حاضر ہو اور لڑکی جب اس کا جوڑ مل جائے ۔ (اس روایت سے ظاہر ہے کہ بالغہ کی شادی سرپرست کے ذمّہ ہے)

3) عن ابن صامت قال قال رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللَّهُ تَعَالَى مَنْ أَحْسَنَ وُضُوءَ هُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَأَتَمَّ رُكُوعَهُنَّ وَخُشُوعَهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ۔۔۔ الخ[85]

ابن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض فرمائیں جس نے ان کے لئے خوب اچھی طرح وضو کیا اور انکو ان کے مقرر وقت پر ادا کیا اور اس کے رکوع و خشوع کو پوری طرح ادا کیا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اس کو بخش دے گا۔

[83] مسلم و بخاری باب فضل الجہاد والسیر۔ عن ابن مسعودؓ

[84] الترمذی أبواب الصَّلَاةِ. بَابُ مَا جَاءَ فِي الوَقْتِ الأَوَّلِ مِنَ الفَضْلِ

[85] ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب المحافظۃ علی الصلوات

4) عن انسٍ قال قال رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمتِلْکَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ، يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتَّى إِذَا كَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ، قَامَ فَنَقَرَهَا أَرْبَعًا، لَا يَذْكُرُ اَللہ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ۔[86]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے منافق کی نماز یہ ہے کہ وہ بیٹھا تاڑتا رھتا ہے حتی کہ سورج زرد پڑجاتا ہے اور شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہوجاتا ہے تو اٹھ کر چار چونچیں مار لیتا ہے اور اللہ کا ذکر بہت کم کرتا ہے۔

یہ حدیث اس مذکورہ بالا آیت کی تفسیر بھی ہے جو منافقین کے نمازوں کے بے وقت انداز کو بیان کرتی ہے۔

مزید یہ کہ نماز کو اگر وقتِ مستحب سے بلاوجہ مؤخر کرنے والا منافق ہے تو ظالم بالکل ایک نماز کا وقت چھوڑ کر دوسری نماز کے وقت میں پڑھے اس کے بارے کیا خیال ہے۔

دو دو نمازیں جمع کرنے کی روایات اور ان کا مفہوم:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اُللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلاَةِ الظُّهْرِ وَالعَصْرِ، إِذَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ سَيْرٍ وَيَجْمَعُ بَيْنَ المَغْرِبِ وَالعِشَاءِ ۔[87]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دوران سفر ظہر و عصر اور نمازِ مغرب وعشآء جمع فرماتے تھے۔

نمازوں کو اس طرح جمع کرنا کہ ایک کو اُس کے آخری وقت میں اور دوسری کو اس کے اول وقت میں جمع کیا جائے کہ ہر نماز اپنے ہی وقت میں رہے اور بظاہر جمع بھی ہوں۔ اس کو احناف جائز بتاتے ہیں ۔ وہ تمام روایات جن میں خواہ مدینہ شریف میں ہو یا دورانِ سفر حضور ﷺ جب جمع فرماتے ہیں تو صرف جمع کا لفظ تو ہے مگر یہ لفظ کہ آپ کسی ایک وقت نماز میں دونوں کو ہی ادا فرما لیتے ۔ سوائے حج کے کوئی ذکر نہیں اور حج کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ جس کی وجہ پہلے مذکور ہو چکی۔ حضور ﷺ نے جب بھی

---

[86] مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ باب استحباب التبکیر بالعصر

[87] بخاری أبواب تقصیر الصلاۃ باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء

جمع فرمائیں تو ظہر و عصر اور مغرب وعشآء کو جمع فرمایا تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان نمازوں کو جمع کرنا ممکن ہے کہ دونوں کے اوقات مُتصل ہیں اور ان کو اس طرح ملانا ممکن ہے کہ ایک کو آخری دوسری کو اول وقت میں ادا کریں تو اپنے اپنے وقت میں ہو کر جمع ہو جاتیں ہیں۔ اگر حضور ﷺ ایک ہی وقت میں دونوں کو ادا فرماتے تو ہمیشہ انہی نمازوں یعنی ظہر و عصر پھر مغرب و عشاء ہی کو جمع کیوں فرمایا عشاء و فجر اور فجر و ظہر کو کیوں نہ جمع فرمایا؟ اس لئے کہ ان کے اوقات آپس میں ملتے نہیں درمیان میں فاصلہ ہے ان کو عملاً ملانا ممکن نہیں مگر تب جب ہر نماز کے اپنے وقت کا خیال رکھا جائے اور اگر وقت کا خیال رکھنا اور وقت کی فرضیت دورانَ سفر ختم ہو جاتی ہے پھر تو بہت مناسب ہو تا کہ سفر کے دن جلدی اٹھ کر صبح پانچوں نمازیں ادا فرمالیں اور دوران سفر بے فکر سفر کرتے چلے جائیں۔ جن روایات میں جمع کرنے کی بات ہے اگر سمجھ نہیں آتیں تو مدینہ شریف کے اندر نہ سفر ہے نہ بارش وہاں حضور ﷺ نے جمع فرمائیں اگر جمع سے مطلب ایک وقت میں دو نمازوں کا پڑھنا ہے تو جو آیات واحادیث نمازوں کے اوقات کی فرضیت بارے ذکر کر چکا ہوں ان کا کیا مطلب باقی رہ جاتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ بات کو بگاڑنے آیات واحادیث کی مخالفت کی بجائے آسان مفہوم کی طرف آئیں کہ حضور ﷺ نے نمازوں کو صورۃً ملایا نہ کہ حقیقۃً یہی قرآن وحدیث کے مطابق بھی ہے۔

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نمازوں کو اپنے اپنے اوقات میں ہی فرض کیا تو حضور ﷺ سے حکم خداوندی کی صریحاً خلاف ورزی ناقابل فہم ہے۔ دوسری روایت ملاحظہ ہو۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: جَمَعَ رَسُولُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِينَةِ، فِي غَيْرِ خَوْفٍ، وَلَا مَطَرٍ ۔[88]

حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو مدینہ شریف میں بھی بغیر کسی خوف اور بارش ہونے کے جمع فرمایا۔

اس روایت میں بھی پچھلی روایت کی طرح جمع کی بات تو ہے مگر یہ نہیں کہ آپ ﷺ نے ان کو کسی ایک نماز کے وقت میں جمع فرمایا پھر جب مدینہ میں بھی جمع فرمایا جبکہ نہ دوران سفر ہیں اور نہ ہی بارش کا مسئلہ ہے تو بلا وجہ دو نمازوں کو ایک وقت میں کس وجہ سے جمع فرمایا۔ یہ

---

[88] مسلم کتاب صلاۃ المسافرین وقصرہا باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر

روایت ظاہر کرتی ہے کہ جس طرح حالتِ اقامت میں جمع فرمایا یعنی صورۃً اسی طرح دوران سفر بھی جمع فرمایا اور اس طرح جمع کرنا کہ ایک نماز کو آخری ٹائم تک مؤخر کریں اور دوسری کو شروع میں تو اس طرح بخاری اور دیگر محدثین نے روایات جمع کیں کہ سفر جاری رکھا جب شفق غروب ہونے کے قریب ہوئی تو اترے پہلے مغرب پڑھی پھر عشاء کا وقت ساتھ ہی ہو گیا تو وہ بھی پڑھ لی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما غیرہ صحابہ بھی دوران سفر ایسا کرتے تھے۔ حضور ﷺ کا مدینہ شریف یا دوران سفر ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کرنے میں یہ حکمت صاف ظاہر ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ نمازوں کو ہمیشہ اوقات مستحبہ میں ہی ادا کرنا لازمی نہیں بلکہ ہر نماز کے پورے وقت کا ہر جزو اس قابل ہے کہ اس میں نماز بلا اختلاف اور بلا شک وشبہ جائز اور درست ہے۔

3) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ ثَمَانِيًا وَسَبْعًا، الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ، وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ[89]

حضور ﷺ نے مدینہ شریف میں پہلے آٹھ رکعتیں پڑھائیں پھر سات رکعتیں یعنی ظہر عصر اور مغرب وعشاء کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ صرف سفر میں ہی نہیں حضر میں بھی کبھی نمازیں جمع فرماتے تو ظاہر ہے کہ ایسے ہی جمع فرماتے کہ بظاہر جمع ہوں اور حقیقت میں اپنے اپنے وقت پر ہوں۔ اگر اس سے مراد ایک نماز کے وقت دوسری کو جمع کرنا ہے تو کیا ہمارے لئے حضر میں ایسا جائز ہے کہ روافض کی طرح ایک وقت میں جمع کر لیا کریں۔ شاید روافض بھی صورۃً جمع ظہرین ومغربین کرتے ہیں نہ کہ حقیقت میں کہ ایک نماز کا آخری اور دوسری کا شروع وقت ہوتا ہے تو روافض پڑھتے ہیں۔ روافض سے اتنا التماس ہے کہ یہ تو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں بلکہ حضور ﷺ کی سنت ہے کہ نمازوں کو صورۃً جمع فرمایا لیکن گزارش صرف اتنی ہے کہ کیا حضور ﷺ کی زندگی کا یہی معمول رہا؟ ہرگز نہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ آپ پانچ نمازوں کو اپنے اپنے اوقات میں ہی پڑھتے اور صرف دوران سفر اور ایک دو مرتبہ ثبوت جواز کے اظہار کے لئے حضر میں جمع فرمائیں ہمیشہ کا یہ معمول مبارک نہ تھا۔ نہیں معلوم علماء روافض اس طرف توجہ کیوں نہیں فرماتے۔ اب مذکورہ روایت کی طرف آتے ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے کہ آپ نے مدینہ میں آٹھ

[89] ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب الجمع بین الصلاتین

اور پھر سات رکعتیں پڑھائیں تو وہ اس طرح کہ ظہر کے آخری اور بعد ازاں عصر کے شروع وقت میں چار ظہر کی پھر چار عصر کی پڑھائیں یہ آٹھ ہوئیں اور پھر روایت کے الفاظ پر غور فرمائیں ثمانیًا کے بعد واو لگا کر سبعًا کا لفظ لایا گیا جو ظاہر کرتا ہے کہ یہ ساری پندرہ رکعتیں ایک ساتھ نہیں بلکہ ظہر و عصر کی کل آٹھ رکعتوں کے بعد پھر مغرب وعشاء کے ایسے درمیانی وقت میں کہ مغرب کا آخری ہو پھر عشاء کا اول وقت داخل ہو جائے تو اس وقت آپ نے تین مغرب اور چار عشاء کے فرائض پڑھائے یوں کل سات رکعتیں ہوئیں اور اب روایت بالکل ٹھیک طرح سے سمجھ میں آ گئی۔

ایک علمی نکتہ:۔

جہاں کان یجمع کا لفظ آئے تو اس سے بار بار کا معمول ظاہر ہو رہا ہوتا ہے جس کا اردو ترجمہ یوں ہو گا کہ آپ جمع فرماتے رہتے تھے اور اگر کان شروع میں نہ ہو اور روایت یوں ہو کہ جَمَعَ رسول اللہ ﷺ وہاں پر معمول ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف وہی عمل ایک مرتبہ ثابت ہو رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کہنا کہ حضور ﷺ ایسا کرتے رہتے تھے یہ الگ بات ہے اور یہ دوسری بات ہے کہ آپ ﷺ نے ایسا کیا۔ یہ بات کان کے ہونے نہ ہونے سے آسانی سے سمجھ آجاتی ہے پھر یہ بھی واضح رہے کہ کبھی کبھار کا عمل جواز کو ثابت کرتا ہے مستقل اور معمول کو ثابت نہیں کرتا اور سنت وہ عمل ہے جس پر حضور ﷺ نے استمرار و دوام فرمایا کہ سنت وہ راستہ ہے جس پر بار بار چلا جائے۔

مندرجہ ذیل روایات جمع بین الصلوٰتین کا صحیح طریقہ واضح کرتی ہیں:۔

یہاں چند ایسی روایات لائی جارہی ہیں جو واضح کرتی ہیں کہ حضور ﷺ یا صحابہ کرام جب ظہر و عصر اور مغرب وعشاء کو جمع فرماتے تو اس کا طریقہ کیا تھا کیا ایک وقت میں دو نمازیں پڑھتے یا الگ الگ اپنے اپنے نمازوں کے اوقات میں۔

(1) عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ، وَيُؤَخِّرُ هٰذِهِ فِى آخِرِ وَقْتِهَا، وَيَجْعَلُ هٰذِهِ فِى أَوَّلِ وَقْتِهَا۔[90]

---

[90] رواہ الطبرانی

رسول اللہ ﷺ مغرب وعشاء کو اس طرح جمع فرماتے کہ مغرب کو اس کے آخری وقت مؤخّر کر دیتے اور عشاء کو اس کے شروع وقت میں جمع فرمالیتے۔

یعنی مغرب اپنے وقت میں رہتی مگر بالکل آخری وقت ہوتا اور عشاء کو اس کے اول وقت میں پڑھ کر یوں جمع فرماتے تھے۔

(2) وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَفْعَلُهُ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ وَيُقِيمُ المَغْرِبَ، فَيُصَلِّيهَا ثَلاَثًا، ثُمَّ يُسَلِّمُ، ثُمَّ قَلَّمَا يَلْبَثُ حَتَّى يُقِيمَ العِشَاءَ، فَيُصَلِّيهَا رَكْعَتَيْنِ۔[91]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب سفر کی جلدی ہوتی تو آپ اقامت فرماتے اور مغرب کی تین رکعتیں پڑھ لیتے پھر سلام پھیر کر کچھ دیر رک جاتے پھر اقامت (تکبیر) فرما کر عشاء کے دو رکعت پڑھتے۔

بخاری عن سالمؒ۔ یہ طویل حدیث کا مطلوبہ حصہ ہے۔ یہ وہی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں جو اتباعِ رسول ﷺ میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ بخاری میں انہی کے بارے ہے کہ مدینہ سے مکہ شریف سفر کے دوران ایک جگہ اترے جہاں اب مسجد بھی تیار ہو چکی تھی مگر آپ نے مسجد کے قریب اس جگہ جا کر نماز ادا کی جہاں حضور ﷺ نے دوران سفر نماز ادا فرمائی تھی۔

جہاں جہاں سے وہ گزرے جہاں جہاں ٹھہرے وہی مقام محبت کی جلوہ گاہ بنے

عاشقوں کا کل سروساماں محمد مصطفٰی ﷺ دیں محمد مصطفٰی ﷺ ایماں محمد مصطفٰی ﷺ

(3) عَنْ نَافِعٍ قَالَ: أَقْبَلْنَا مَعَ ابْنِ عُمَرَ مِنْ مَكَّةَ، فَلَمَّا كَانَ تِلْكَ اللَّيْلَةُ سَارَ بِنَا حَتَّى أَمْسَيْنَا، فَظَنَنَّا أَنَّهُ نَسِيَ الصَّلَاةَ فَقُلْنَا لَهُ: الصَّلَاةَ فَسَكَتَ وَسَارَ حَتَّى كَادَ الشَّفَقُ أَنْ يَغِيبَ، ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى، وَغَابَ الشَّفَقُ فَصَلَّى الْعِشَاء . ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ: هَكَذَا كُنَّا نَصْنَعُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اُللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرِ۔[92]

حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ سے واپس آئے تو جب رات ہوئی تو آپ چلتے رہے کہ شام ہو گئی ہم سمجھے کہ حضرت عبد اللہؓ شاید نماز بھول گئے تو ہم نے

[91] بخاری أبواب تقصير الصلاة باب ہل يؤذن أو يقيم، إذا جمع بين المغرب والعشاء

[92] النسائی کتاب المواقیت. الوقت الذی يجمع فيه المسافر بين المغرب والعشاء

آپ سے کہا کہ نماز مگر آپ پھر بھی چلتے رہے یہاں تک کہ شفق ڈوبنے کے قریب ہوئی تو اترے مغرب پڑھی پھر شفق غائب ہو گئی تو عشاء پڑھی پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی ایسا ہی کرتے تھے جب سفر کی جلدی ہوتی۔

یہاں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خود اپنے عمل سے بھی ثابت کیا اور حضور ﷺ کا بھی یہی عمل بتایا اور خوب واضح کہا کہ حضور ﷺ مغرب وعشاء کو اس طرح جمع فرماتے کہ مغرب کو آخری اور عشاء کو اس کے اوّل وقت میں پڑھتے۔

یہی بات حکم قرآنی کے بھی مطابق ہے۔

(4) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ، أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى وَقْتِ العَصْرِ، ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا۔[93]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضور ﷺ سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو عصر کے قریب تک مؤخر فرماتے پھر دونوں کا اکٹھے جمع کر کے پڑھ لیتے ۔ (بخاری سے ایک روایت کا مطلوب حصّہ ہے۔)

اس روایت کو پچھلی مذکورہ روایات کی روشنی میں سمجھنا آسان ہے کہ آپ ظہر کو اس کے آخری وقت تک مؤخر فرماتے پھر دونوں کو یوں پڑھ لیتے کہ ظہر اپنے آخری وقت میں اور عصر اپنے اول وقت میں ہوتی۔ یہاں "اخّر الظہر الی وقت العصر" سے مراد ہے کہا "اخّر الظہر الی قریبِ وقت العصر۔ یہاں لفظِ الٰی حرفِ غایت ہے اور یہاں غایت مُغیًّا میں داخل نہیں۔ یعنی مراد یہ ہے کہ ظہر کو اتنا مؤخر فرماتے کہ جب ظہر پڑھتے تو پھر عصر کا وقت شروع ہو جاتا۔ اگر آپ پھر بھی یہ کہیں کہ حضور ﷺ نے ظہر وعصر کو وقت عصر میں جمع کر کے پڑھا تو "اخّر الظہر الی وقت العصر" فرمانے کی ضرورت ہی نہ تھی پھر روایت کے الفاظ یوں ہوتے "اذا ارتحل قبل ان تزیغ الشمس صلی الظہر والعصر فی وقتِ العصر جمعًا" جبکہ الفاظ وعبادت یہ نہیں اور آپ شاید یہی مراد لے رہے ہیں۔

طحاوی سے ایک روایت کا بعض حصہ یہ ہے۔

---

[93] أبواب تقصير الصلاة باب: إذا ارتحل بعد ما زاغت الشمس صلى الظهر ثم ركب

حَتَّى إِذَا كَانَ عِنْدَ غَيْبُوبَةِ الشَّفَقِ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا وَقَال رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ هَكَذَا إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرِ۔[94]

سفر جاری رکھا یہاں تک کہ شفق کے غروب ہونے کے قریب اترے اور مغرب وعشاء دونوں کو اکھٹے پڑھ لیا اور کہا میں نے رسول صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو بھی ایسے ہی جمع کرتے دیکھا جب جناب صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو سفر کی جلدی ہوتی۔

یہاں عند کا لفظ صاف کر رہا ہے کہ مغرب کے آخری وقت شفق کے غائب ہونے کے قریب اترے اور شفق غائب ہونے سے قبل مغرب پڑھی پھر شفق غائب ہوئی تو ساتھ ہی عشاء بھی مغرب سے ملا کر ادا کی کیونکہ اگر عند سے مراد "غیبوبۃ الشفق" کے بعد ہوتا تو عبارت یوں ہوتی۔"حتی اذا کان بعد غیبوبۃ الشفق"

خلاصۂ کلام:۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ دو نمازوں کو ایک نماز کے وقت میں جمع کرنا قرآن کے صریح احکامات کی خلاف ورزی ہے کہ قرآن اوقات نماز کا حکم دیتا ہے۔ جہاں حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حضر میں نمازوں کو جمع فرماتے ہیں تو یہ اظہار، جواز کے لیے ہے اور جب سفر میں جمع فرماتے ہیں تو ضرورتِ سفر کے لیے ہے سفر وحضر میں جب بھی جمع فرمایا تو صرف ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع فرمایا اور آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ہمیشہ نمازوں کو صورت کے لحاظ سے جمع فرمایا کہ دونوں کو ایک ساتھ ادا فرمایا حقیقت میں جمع نہیں فرمایا کہ دو نمازوں کو ایک ہی نماز کے وقت کے اندر پڑھا ہو۔

دورانِ حج کی اِستثنائی صورت:۔

دورانِ حج ظہر وعصر اور پھر مغرب وعشاء کو حقیقت میں جمع فرمایا اور شدید ضرورت کے پیشِ نظر ایسا کیا کہ بہت بڑا اجتماع ہے اور وقت نکالنے کی ضرورت ہے صرف اسی جمع پر یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

---

[94] شرح معانی الآثار باب جمع بین الصلاتین

ہُمَا صَلاَتَانِ تُحَوَّلاَنِ عَنْ وَقْتِہِمَا۔[95]

یہ الفاظ سوائے دورانِ حج کے کسی دوسری جگہ نہیں ملتے یہ اللہ کا خصوص کرم ہے۔

نمازِ عصر کی خصوصی تاکید اور اس کا آخری وقت:۔

نمازِ عصر چونکہ بالعموم ایسے وقت میں ہے جب لوگ مشاغلِ زندگی اور کاروبارِ حیات میں پوری طرح مگن اور مصروف ہوتے ہیں دوسری طرف دن بھی اختتام پزیر ہو رہا ہوتا ہے۔ اور ہر کام کرنے والے کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنا کام رات آنے سے قبل مکمل کرے تو اس نماز میں سستی کے مواقع عموماًپائے جاتے ہیں اس لیے رب کریم نے اس کی خصوصی حفاظت پر زور دیتے ہوئے فرمایا

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلهِ قٰنِتِيْنَ[96]

نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیانی نماز کی۔

تمام نمازوں کی حفاظت اہلِ ایمان کا شیوہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ ہُمْ عَلٰى صَلَوٰتِہِمْ يُحَافِظُوْنَ[97]

وہ نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

یہاں رب کائنات نے پہلے تمام پانچوں نمازوں کی حفاظت کا حکم دیا پھر درمیانی نماز کا خصوصیت سے ذکر فرما کر اس کی حفاظت کی طرف خاص توجہ دلائی اور یہ مشاہدہ ہے کہ اس نماز کی عملی حفاظت مشکل ہو جاتی ہے اور لوگوں سے مشاغل کی وجہ سے رہ جاتی ہے۔ "صلوۃ وُسطیٰ "یعنی درمیانی نماز کے بارے علماء کے سترہ کے قریب اقوال ہیں جمہور کے نزدیک اس سے مراد نمازِ عصر ہے اور حدیث میں بھی اس کی وضاحت ہے حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے جنگِ احزاب کے دن فرمایا اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو اور گھروں کو آگ سے بھر دے جنہوں نے مجھے

---

[95] بخاری کتاب الحج باب من اذن واقام

[96] البقرہ۔238

[97] المؤمنون۔9

صلوۃ وسطیٰ (درمیانی نماز) سے مشغول رکھا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا روایت کیا اس کو بخاری نےکتاب الجہاد والسیر باب الدعاء علیٰ المشرکین بالھزیمۃ والزلزلۃ۔

بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے فرمایا رسول ﷺ نے کہ رات اور دن کے فرشتے یکے بعد دیگرے تمھارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں فجر وعصر کی نمازوں میں آنے اور جانے والے دونوں گروہ شامل ہوتے ہیں جب اللہ کے ہاں جاتے ہیں تو پوچھتا ہے حالانکہ خود بہتر جانتا ہے کہ میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا تو گزارش کرتے ہیں کہ جاتے ہوئے بھی نماز اور واپس آتے ہوئے بھی ان کو نماز میں پایا۔

نمازِ عصر کا آخری وقت غروب آفتاب سے متصل پہلے تک رہتا ہے۔ حدیث جبرائیل اس سلسلہ میں معتبر نہیں بلکہ وہ روایت معتبر ہے جسے مسلم نےکتاب المساجد۔۔۔ باب من ادرک رکعۃ من الصلوۃ فقد اَدرک تلک الصلوۃ ۔

. پھر ترمذی، نسائی، ابو داؤد، ابن ماجہ اور امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اس کو روایت کیا کہ

''وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ۔[98]

جس نے سورج غروب ہونے سے قبل ایک رکعت بھی پڑھ لی تو اس نے یقینا پوری نماز عصر پا لی۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ جب دھوپ زرد پڑ جائے تو اسے منافق کی سی نماز کہا گیا ہے اسی وجہ سے علماء نے سورج کے زرد پڑ جانے کے بعد غروب تک کے وقت کو وقتِ عصر ہی تسلیم کیا۔ مگر اس کہ مکروہ کہا۔ حضور ﷺ نے فرمایا

''وقت صلوٰۃ العصر مالم تصفر الشمس۔[99] ''

یعنی مستحب وقتِ عصر کا سورج زرد ہونے تک ہے۔

[98] نسائی کتاب المواقیت باب من ادرک رکعتین

[99] مسلم کتاب المساجد

بخاری کتاب المواقیت الصلوٰۃ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سوائے طلوع و غروب آفتاب کے میں تو کسی کو نماز سے نہیں روکتا جو چاہے پڑھے اور نصف النہار کی ممانعت دیگر احادیث سے ثابت ہو چکی کہ تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ حضور ﷺ ظہر زوالِ آفتاب کے بعد پڑھتے تھے۔

طہارت وپاکیزگی کابیان:۔

جب ہمیں کسی قدر نماز کی فضیلت و اہمیت کا شعور حاصل ہو گیا اور اچھی طرح پانچوں نمازوں کے صحیح اوقات کا اِدراک بھی حاصل ہو گیا تو اب ہم نماز کی ادائیگی کی طرف بڑھتے ہیں اور نماز چونکہ پاکیزہ ذات کی بارگاہ میں جسمانی وروحانی لحاظ سے حاضری کانام ہے تو طہارت پاکیزگی لازم ہے کہ پاک ذات کے حضور حاضر ہونے کے قابل ہوں۔ نماز کے لیے پاکیزگی بنیادی طور پر دو طرح سے یعنی باطنی پاکیزگی اور ظاہری پاکیزگی، باطنی پاکیزگی توبہ، رجوع الی اللہ اور ان اذکار وادعیہ سے حاصل ہوتی ہے جو نماز شروع کرنے سے قبل یادورانِ وضو ہم پڑھتے ہیں۔ یہاں پر حضرت علی ہجویری المعروف داتا صاحبؒ کا بیان فائدہ سے خالی نہ ہو گا آپ اپنی مشہور زمانہ تالیف کشف المحجوب میں کشف حجاب پنجم۔ نماز. میں فرماتے ہیں کہ نماز لغت کے اعتبار سے ذکر وانقیاد کا نام ہے جبکہ شرعی اصطلاع میں نماز عبادتِ مخصوصہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو پانچ نمازیں ہیں پانچ اوقات میں۔

نماز میں داخل ہونے کی شرائط یہ ہیں۔ اول طہارت یعنی نجاستِ ظاہری وباطنی سے پاک ہونا۔ دوسرا کپڑوں کا پاک ہونا نجاست ظاہری سے اور نجاست باطنی یعنی حرام سے۔ تیسرا جگہ کا پاک ہونا ظاہراً نجاستِ ظاہری سے اور باطنی طور پر فسادوگناہ سے۔ چوتھے قبلہ رو ہونا ظاہرء طور پر کعبہ شریف کی طرف اور باطنی طور پر عرش الٰہی کی طرف۔ الغرض نماز پڑھنے سے قبل جن چیزوں کا ہونا ضروری ہے ان میں سے جگہ کا پاک ہونا کپڑوں کا پاک ہونا اور جسم انسانی کا نجاست حقیقہ وحکمیہ سے پاک ہونا ضروری ہے۔ جگہ کی پاکی یہ ہے کہ وہ جگہ بظاہر ناپاک نہ ہو جہاں نماز ادا کرنا چاہتا ہے پھر وہ مغصوب یعنی غصب کی گئی نہ ہو کہ وہاں نماز کی ادائیگی مکروہ۔

پُوری مساجد ہی مغصوب ہیں:۔

ایسی کئی مساجد ہیں کہ ان کی جگہ کی ملکیت حاصل نہیں کی گئی وہ سب غصب شدہ زمین پر بنائی گئی ہیں وہاں نماز مکروہ اور جگہ غصب کرنا حرام ہے جیسے قبرستان کی زمین، سرکاری املاک سے بلا اجازت زمین دبالینا یا سرکاری سڑک کا کنارہ دبالینا ایسی تمام مساجد کاروباری اڈے ہیں خانہ خدا نہیں اور ایسی جگہوں میں نماز کی ادائیگی مکروہ ہے۔

ایسی جگہوں پر نماز کی ادائیگی بھی مناسب نہیں جو خطاکاری و بدکاری کے لئے شہرت رکھتی ہوں یا مغضوب علیہ ہوں۔ حدیث میں ہے حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ دوران سفر سوئے رہے اور نماز فجر گزر گئی جب بیدار ہوئے تو آپ ﷺ نے نماز کی بجائے اُس جگہ کو چھوڑنے کا حکم دیا اور فرمایا اس جگہ ایک قوم کو عذاب دیا گیا تھا جس کی نحوست کی وجہ سے ہماری نماز رہ گئی پھر جگہ کی پاکیزگی کے ساتھ کپڑوں کا پاک ہونا بھی ضروری ہے جو کپڑے پہن کر نماز پڑھنی ہے۔ ہر نمازی کے لئے اتنا علم کسی بھی طریقہ سے حاصل کرنا ضروری ہے جس کی وجہ سے وہ جگہ کی پاکیزگی، کپڑوں کی پاکیزگی اور جسم کی پاکیزگی کو جان سکے۔

طہارت وپاکیزگی قرآنی آیات کی روشنی میں:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا[100]

اے ایمان والو! نہ قریب جاؤں نماز کے جب تم نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ تم زبان کیا پڑھ رہے ہو اور نہ ہی جنابت کی حالت میں نماز کے قریب جاؤ مگر یہ کہ تم سفر کر رہے ہو جب تک کہ غسل نہ کر لو ہاں اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حالت سے آئے یا ہاتھ لگایا ہو تم نے اپنی عورتوں کو پھر نہ پاؤ پانی تو تیمم کر لو پاک مٹی سے اس طرح کہ مٹی بھرا ہاتھ اپنے چہروں اور بازوں پر پھیرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا بڑا بخشنے والا ہے۔

---

[100] النساء۔43

آیتِ بالا سے حاصل شدہ مسائل:۔

1۔ اگر کوئی نشہ آور چیز استعمال کی جس کی وجہ سے پوری طرح ہوش ہی باقی نہیں رہا تو جب تک ہوش مکمل آ نہ جائے نماز نہ پڑھے کیونکہ ظاہر ہے کہ اس کو یہ سمجھ ہی نہیں آئے گی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ آیت کے اس حصّہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر نمازی کو یوں بے توجہی اور لاعلمی میں نماز نہیں پڑھنی چاہیئے کہ اس کو سمجھ ہی نہ ہو کہ میں کیا بول رہا ہوں۔ یہاں سے نماز کے ترجمہ کو جاننے کی اہمیت بھی واضح ہوئی تاکہ وہ شعور و آگہی سے نماز پڑھے۔

2۔ جُنبی مُقیم:۔

جس آدمی کا بدن ناپاک ہو گیا عورت سے ہم بستر ہونے یا احتلام و انزال وغیرہ سے اور وہ مسافر یا مریض بھی نہ ہو تو جب تک غسل نہ کر لے نماز نہ پڑھے۔ اگر مریض نہیں تو پانی استعمال کرے ورنہ تیمم کرے۔

3۔ جُنبی مسافر یا جُنبی مریض:۔

اگر پورا بدن ناپاک ہو جائے اور اس پر غسل کرنا لازم آئے تو پھر دیکھنا ہو گا کہ آیا مسافر یا مریض ہے پھر اگر مریض ہے اور پانی کا استعمال اس کے لئے یقیناً نقصان دے گا تو تیمم کرے اگر گھر اور حضر میں ہو اور اگر مسافر ہے بدن ناپاک ہوا تو اگر پانی سے غسل ممکن ہو تو مسافر بھی پانی سے غسل کرے اور اگر سفری وجوہات سے پانی کے استعمال ممکن نہ تو وہ بھی تیمم کرے۔

4۔ قضائے حاجت:۔

یعنی پیشاب پاخانہ کیا یا عورت سے ہم بستر ہوا تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر پانی ہے اور استعمال پر ہر لحاظ سے قدرت بھی رکھتا ہے تو پانی کا استعمال کرے ورنہ تیمم کرے اگرچہ وضو کی نیت وغرض سے حصولِ وضو کے لئے یا جنابتِ بدن سے پاکیزگی کے لئے غسل کی نیت سے ہو تو دونوں کے لئے تیمم کفایت کرتا ہے۔

5۔ تیمم:۔

تیمم کے لئے تین بنیادی باتوں کا ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

1۔ تیمم پاک مٹی کی جملہ اقسام اور پتھر کی جملہ اقسام پر جبکہ پاک ہو تو تیمم جائز ہے۔

2۔ پتھر یا مٹی پر (ضرب لگا کر) یعنی ہاتھ مار کر۔۔۔۔یا مٹی سے مس کیے دونوں ہاتھوں کو پورے چہرے پر پھیرنا۔

3۔ ہر ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر کہنیوں تک پھیرنا۔

کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ کُہنی تک ہاتھ پھیرنا لازمی نہیں بلکہ صرف ہتھیلیوں کی پست پر پھیر دینا کافی ہے مگر قرآنی لفظ "وَاَیدِیَکُم" اس رائے کی حمایت نہیں کرتا لہٰذا پورے ہاتھ کو کُہنیوں تک پھیرے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مَايُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَه عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ[101]

اے ایمان والو! جب تم نماز کیلئے اٹھو تو پہلے دھولیا کرو اپنے چہروں کو اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں پر اور دھولو اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک اگر ہو تم جنبی تو (سارا بدن خوب دھولو اور اگر تم مریض ہو یا حاجت سفر میں ہو یا تم سے کوئی قضائے حاجت سے آئے یا عورتوں سے صحبت کرے پھر پانی نہ پائے تو تیمم کرو پاک مٹی سے اور مسح کرو چہروں اور ہاتھوں کا اس مٹی سے۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی رکھے بلکہ وہ تو چاہتا ہے کہ خوب پاک کرے تمہیں اور پوری کرے اپنی نعمت تم پر تاکہ تم شکر گزار ہو۔

مسائل:۔

باقی مسائل پچھلی آیت کے تحت ذکر کر دیئے گئے مگر یہاں وضو کے ارکان کا اضافہ کیا گیا ہے جس کے چار فرائض یوں ذکر ہوئے۔

1۔ پورے چہرے کو ایک مرتبہ دھونا فرض اور تین مرتبہ دھونا سنت ہے۔

---

[101] المائدہ۔6

2۔ دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت ایک مرتبہ دھونا فرض جبکہ تین مرتبہ سنت ہے۔

3۔ سر کے چوتھائی حصّے کا مسح کرنا جبکہ پورے سر کا مسح سنت ہے اور پورے سر ہی کا مسح کر لینا چاہیئے۔

4۔ دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا ایک مرتبہ فرض جبکہ تین مرتبہ سنت ہے۔

حضرت علیؓ سے بھی ٹھیک یہی وضو کا طریقہ ملتا ہے ملاحظہ ہو اسی آیت کے تحت ضیاء القرآن جلد اول۔

ایک علمی نکتہ:۔

مذکورہ دونوں اٰیات میں جب تیمم کا ذکر کیا گیا تو صرف فرمایا "وایدیکم" مگر جب وضو کا بیان ہوا تو فرمایا "وایدیکم الی المرافق" جس سے ان لوگوں کی رائے کو تقویت ملتی ہے جو تیمم میں پورے ہاتھ پر کہنیوں تک مسح لازم تصور نہیں کرتے بلکہ صرف ہتھیلیوں یا کلائیوں پر مسح کو کافی تصور کرتے ہیں۔

اِنَّ اَللہ یُحِبُّ التَّوّٰبِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ[102]

بے شک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے باربار توبہ کرنے والوں کو اور دوست رکھتا ہے صاف ستھرا رہنے والوں کو۔

دوران نماز لباس اور اس کی پاکیزگی شرط ہے:۔

لباس کی اہمیت و پاکیزگی مندرجہ ذیل آیات مبارکہ سے عیاں ہے۔

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوٰرِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا وَ لِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّہُمْ یَذَّکَّرُوْنَ[103]

---

[102] البقرہ۔222

[103] الاعراف۔26

اے اولادِ آدمؑ! بے شک اتارا ہم نے تم پر لباس جو ڈھانپتا ہے تمہاری شرمگاہوں کو اور باعثِ زینت ہے اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے بہتر ہے یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں ۔

اس آیت میں جب تن ڈھانپنا کپڑے سے عام اوقات میں ثابت ہوا تو بوقت حضورربِ رب بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا اور پھر لباس تقویٰ کو بہترین قرار دیا تو لباس تقوٰی وہ ہرگز نہیں جو شرمگاہ کو نہ ڈھانپ رہا ہو یا وہ انتہائی باریک ہو کہ اندر سے شرمگاہ نظر آئے یا وہ ناپاک اور بہت ہی گندا ہو۔

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ ۔ [104]

اے اولاد آدمؑ! پہن لیا کرو اپنا لباس ہر نماز کے وقت۔

یہاں زینت کا ترجمہ لباس سے اس لئے کیا گیا کہ پچھلی آیت میں بتایا جا چکا ہے کہ لباس زینت جسم ہے اور یہاں فرمایا کہ بوقت نماز اُس زینت یعنی لباس کو زیب تن فرمالیا کرو۔ پچھلی آیت میں شرمگاہوں کے ڈھانپنے کا حکم عمومی اور تمام اوقات میں تھا یہاں بوقتِ نماز خصوصیت سے ذکر کیا کہ اگر باقی اوقات میں بے پردگی کا جرم کر بھی رہے ہو تو کم از کم بارگاہِ ربانی میں حاضری کے وقت اس جرم بے پردگی سے باز رہو اور تن ڈھانپ ہو۔ خاص کر شرمگاہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شرمگاہوں کو ڈھانپ لینا اگر تقاضائے ادب ہے تو پاک ذات کے سامنے پاک لباس پہن کر حاضر ہونا بھی تقاضائے ادب ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الۡمُدَّثِّرُ oقُمۡ فَاَنۡذِرۡ oوَ رَبَّکَ فَکَبِّرۡ oوَ ثِیَابَکَ فَطَہِّرۡ [105]

اے چادر لپیٹنے والے اُٹھیے اور (لوگوں) ڈرایئے اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجیے اور اپنا لباس پاک رکھیے۔

---

[104] الاعراف۔31

[105] مدثر۔1تا4

یہاں لباس کا شعور بھی دیا گیا اور پاک رکھنے کا حکم بھی دیا گیا۔ پھر یہ بھی تعلیم ہے کہ لوگوں کو پیغام حق دیتے ہوئے اور رب کی بڑائی (نماز) بیان کرتے ہوئے لباس اور اس کی پاکیزگی لازم ہے۔

طہارت و شعورِ طہارت پر ایک آیت پیش خدمت ہے:۔

وَ يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ ہُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْہُنَّ حَتّٰى يَطْہُرْنَ فَاِذَا تَطَہَّرْنَ فَأْتُوْہُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَکُمُ اللّٰہُ اِنَّ اللہَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِيْنَ[106]

ترجمہ:۔ اور وہ پوچھتے ہیں آپ سے حیض کے متعلق فرمائیے وہ تکلیف دِہ ہے پس الگ رہا کرو عورتوں سے حیض کی حالت میں اور نہ نزدیک جایا کرو ان کے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو جاؤ ان کے پاس جیسے حکم دیا ہے تمہیں اللہ نے۔ بے شک اللہ دوست رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور دوست رکھتا ہے صاف ستھرا رہنے والوں کو۔

یہاں جو رب یہ پسند نہیں کرتا کہ خاوند اپنی ناپاک عورتوں کے قریب جائیں وہ یہ کہاں پسند کرے گا کہ کوئی ناپاک اللہ کے حضور حاضری دے۔ یہی وجہ ہے کہ حیض والی ناپاک عورتیں اسی آیت کی تعلیم سے نہ قرآن کو ہاتھ لگائیں نہ قرآن کو پڑھیں اور نہ ہی مسجد میں قدم رکھیں اور نہ ہی نماز روزہ کریں جب تک پاک نہیں ہو جاتیں۔

عورت کے خون ماہواری کے جملہ مسائل کی بنیاد یہی آیت مقدسہ ہے۔

طہارتِ جسمانی کی اقسام:۔

شریعتِ اسلامیہ نے طہارت جسمانی کو مندرجہ ذیل عنوانات پیش کیا۔

1۔ استنجاء 2۔ وضو یا تیمم 3۔ غسلِ جنابت۔

1۔ استنجاء:۔

106 البقرہ۔222

استنجاء سے مراد و مطلوب بَول و براز یعنی پیشاب پاخانے سے آئی گندگی و ناپاکی سے نجات و پاکیزگی حاصل کرنا ہے۔چونکہ استنجاء پیشاب پاخانے سے تعلق رکھتا ہے لہذا پیشاب پاخانے کا بیان بھی اسی کے تحت کر دیا جاتا ہے۔

عَنْ أَبِی ہُرَیْرَۃَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّہِ صَلَّی اُللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا أَنَا لَکُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِہِ، أُعَلِّمُکُمْ، إِذَا أَتَیْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَۃَ، وَلَا تَسْتَدْبِرُوہَا. وَأَمَرَ بِثَلَاثَۃِ أَحْجَارٍ. وَنَہَی عَنِ الرَّوْثِ، وَالرِّمَّۃِ. وَنَہَی أَنْ یَسْتَطِیبَ الرَّجلُ بِیَمِینِہِ ۔[107]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے میری مثال تمہارے لیے ایسے ہے جیسے کسی باپ کی اپنے بیٹے کے لیے ہوتی ہے ایسے ہی میں بطور باپ کے تمہیں سکھاتا ہوں کہ جب تم قضائے حاجت کے لیے آؤ تو (دورانِ قضائے حاجت) نہ قبلہ کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت کرو اور نہ اس کی طرف پشت کر کے اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے استنجاء کے لیے تین پتھروں کا حکم فرمایا اور منع فرمایا پتھروں کی بجائے لید اور ہڈی کے استعمال سے اور منع فرمایا دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے سے۔

اخذ شدہ مسائل:۔ (1) آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ امت کے ہر فرد کے لیے بحیثیت باپ کے ہیں۔(2) پیشاب پاخانہ کرتے یا پانی سے استنجاء کرنے کے لیے قبلہ کی طرف نہ منہ ہو اور نہ ہی پشت۔(3) بعد از پاخانہ تین پتھروں سے صفائی کی جائے مگر گوبر اور ہڈی سے نہیں۔

(4) استنجاء صرف بائیں ہاتھ سے کیا جائے۔عذر کے احکامات الگ ہیں۔

بیت الخلاء میں داخل ہونے کی دعا:۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللَّہُ عَنْہُ، قَالَ: کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اُللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الخَلاَءَ قَالَ: اللَّہُمَّ إِنِّی أَعُوذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ [108]

---

[107] ابن ماجہ کتاب الطہارۃ وسننہا باب الاستنجاء بالحجارۃ والنہی عن الروث والرمۃ۔الدارمی

[108] بخاری کتاب الوضو باب مایقول عند الخلاء

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلا تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے۔ "اللھمّ انّی اعوذ بک مِنَ الخُبثِ والخَبَائث" اے اللہ میں ناپاک چیزوں اور ناپاکیوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

پانی سے استنجاء کرنا:۔

عن انس يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اُللهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ، أَجِيءُ أَنَا وَغُلاَمٌ، مَعَنَا إِدَاوَةٌ مِنْ مَاءٍ، يَعْنِي يَسْتَنْجِي بِهِ[109]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو میں اور ایک لڑکا پانی کا ڈول ساتھ کے جاتے اور جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس پانی سے استنجاء فرماتے۔

استنجاء کے بعد وضو کے لیے الگ پانی استعمال کیا جائے:۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اُللهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى الْخَلَاءَ، أَتَيْتُهُ بِمَاءٍ فِي تَوْرٍ أَوْ رَكْوَةٍ فَاسْتَنْجَى ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: فِي حَدِيثِ وَكِيعٍ: ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِإِنَاءٍ آخَرَ فَتَوَضَّأَ [110]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلا کو جاتے تو میں برتن میں آپ کے لیے پانی لاتا جس سے آپ استنجاء فرماتے پھر زمین پر ہاتھ ملتے یعنی مٹی لگا کر دھوتے جیسے صابن سے دھوئے جاتے ہیں پھر دوسرا برتن لاتا جس سے وضو فرماتے۔

یعنی استنجاء اور وضو کا نہ تو پانی ایک ہو اور نہ ہی برتن۔ ایک ہی لوٹے سے استنجاء اور پھر اسی لوٹے کے باقی پانی سے وضو کرنا مندرجہ بالا حدیث کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

استنجاء میں ڈھیلوں کے استعمال کے بعد پانی کا استعمال افضل ہے:۔

عن أَبُي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيُّ، وَجَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، وَأَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ ہَذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ (فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ) (التوبۃ: 108) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اُللهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ، إِنَّ

---

[109] رواہ البخاری کتاب الوضو باب الاستنجاء من الماء

[110] ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب الرجل یدلک یدہ بالأرض إذا استنجی

اللّٰہَ قَدْ أَثْنَی عَلَیْکُمْ فِی الطُّہُورِ، فَمَا طُہُورُکُمْ؟ قَالُوا: نَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ، وَنَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ، وَنَسْتَنْجِی بِالْمَاءِ. قَالَ: فَہُوَ ذَاکَ، فَعَلَیْکُمُوہ۔[111]

حضرت ابو ایوب، جابر وانس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد قبا والوں کے بارے میں سورۃ توبہ کی جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اس مسجد میں ایسے لوگ ہیں جو بہت پاکیزگی پسند ہیں اور اللہ ایسے پاکیزگی پسندوں کو محبوب رکھتا ہے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا "اے گروہ انصار بے شک اللہ نے صفائی کی وجہ سے آپ کی تعریف فرمائی ہے"۔ تمہاری پاکیزگی کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا ہم نماز کے لیے وضو کرتے ہیں جنابت سے غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بس یہی چیز ہے اس کو لازم کرلو اپنے پر۔

لوگوں کی گزرگاہ یعنی راستے اور لوگوں کے سائے کی جگہوں پر قضائے حاجت نہ کرے:۔

عَنْ أَبِی ہُرَیْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللہ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اتَّقُوا اللَّعَّانَیْنِ قَالُوا: وَمَا اللَّعَّانَانِ یَا رَسُولَ اللہ؟ قَالَ: الَّذِی یَتَخَلَّی فِی طَرِیقِ النَّاسِ، أَوْ فِی ظِلِّہِمْ۔[112]

حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے "دو لعنت کا سبب بننے والے کاموں سے بچو"۔ صحابہ نے پوچھا "جناب وہ دو باعث لعنت کیا کام ہیں"۔ تو فرمایا کہ لوگوں کے راستوں اور سایوں میں قضائے حاجت کرنا۔

قضائے حاجت کے دوران بے پردگی اور ناپاکی سے بچا جائے:۔

عن ابی موسیٰؓ قال إِنِّی کُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ فَأَرَادَ أَنْ یَبُولَ، فَأَتَی دَمِثًا فِی أَصْلِ جِدَارٍ فَبَالَ، ثُمَّ قَالَ: صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَحَدُکُمْ أَنْ یَبُولَ فَلْیَرْتَدْ لِبَوْلِہِ مَوْضِعًا۔[113]

---

[111] سنن ابن ماجہ کتاب الطہارۃ وسننہا باب الاستنجاء بالماء

[112] مسلم کتاب الطہارۃ باب النہی عن التخلی فی الطرق والظلال

[113] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الرجل یتبوّأ لبولہ

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضور ﷺ کے ساتھ تھا تو آپ ﷺ نے پیشاب کرنا چاہا تو آپ دیوار کے نیچے نرم اور نشیبی جگہ کی طرف آئے اور پیشاب کیا۔ پھر فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی پیشاب کرنا چاہے تو اس کے لیے مناسب جگہ تلاش کرے۔ مناسب جگہ سے مراد یہاں نرم اور نشیبی جگہ دیوار کی اوٹ ہے۔ نرم اس لیے کہ سخت جگہ سے پیشاب کے چھینٹے اڑ کر بدن اور کپڑوں کو ناپاک کر دیتے ہیں جو باعث عذابِ قبر بھی ہیں اور کپڑے نماز کے قابل بھی نہیں رہتے اور نشیبی جگہ اور پھر دیوار کی اوٹ سے مراد لوگوں کی نظر سے ممکن حد تک پردہ داری بھی ہے۔ دوسری احادیث میں ذکر ہوا کہ راستوں، سایوں اور پانیوں میں پیشاب نہ کیا جائے ایسے ہی کسی سوراخ میں بھی کہ حشرات الارض کو تکلیف بھی ہو گی اور اچانک نکل کر آپ کو بھی نقصان دے سکتی ہیں۔

کچے غسل خانے میں غسل سے قبل پیشاب سے اجتناب کیا جائے:۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي مُسْتَحَمِّهِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ قَالَ أَحْمَدُ: ثُمَّ يَتَوَضَّأُ فِيهِ فَإِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ [114]

عبداللہ بن مفصلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی اپنے غسل خانہ میں پیشاب نہ کرے کہ پھر اسی میں غسل یا وضو کرنا ہو کہ عام طور پر وسوسے اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔

وضاحت:۔

جہاں پیشاب کیا جائے وہیں اگر غسل یا وضو بھی کیا جائے تو ظاہر ہے کہ پہلے اگر وہیں پر پیشاب کر دیں بعد ازں غسل یا وضو کریں تو پیشاب کی جگہ کے چھینٹے آپ پر پڑیں گے جو ناپاکی کا وسواس پیدا کر دیں گے۔ خاص کر کچی جگہوں پر کیونکہ پکے غسل خانے میں پیشاب کے بعد اگر اچھی طرح پانی بہا دیا جائے تو شاید ناپاکی کا وسوسہ باقی نہ رہے۔

---

[114] بو داؤد کتاب الطہارۃ باب فی البول فی المستحم

قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد کی دعا:۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاء قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذیٰ وَ عافَانِیْ ۔ [115]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو فرماتے سب تعریف اس اللہ کو زیبا ہے جس نے میری تکلیف دور فرمائی اور مجھے عافیت دی۔

وضو کا بیان

ہر دفعہ پیشاب پاخانہ کے بعد پانی سے استنجاء کرنا یا استنجاء کے بعد لازمی وضو کرنا احادیث سے ثابت نہیں البتہ اگر نماز کا ارادہ ہو تو استنجاء پانی سے کرنا افضل اور استنجاء کے بعد وضو لازمی ہے اس لئے اب وضو پر احادیث پیشِ خدمت ہیں۔

وضو کامل کیا جائے:۔

عَنْ شَبِيبٍ أَبِی رَوْحٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ صَلَّى صَلَاةَ الصُّبْحِ، فَقَرَأَ الرُّومَ فَالْتَبَسَ عَلَيْهِ، فَلَمَّا صَلَّى قَالَ: مَا بَالُ أَقْوَامٍ يُصَلُّونَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُونَ الطُّهُورَ، فَإِنَّمَا يَلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ أُولَئِكَ ۔[116]

حضرت شعیب بن ابیؒ نے کسی صحابی سے روایت کیا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صبح کی نماز میں سورہ روم پڑھی تو آپ کو اشتباہ ہو گیا جب نماز پڑھ لی تو فرمایا "لوگوں کو کیا ہو گیا کہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور طہارت اچھی طرح نہیں کرتے بس یہی لوگ ہمارے قرآن کی تلاوت میں خلل کا باعث بنتے ہیں۔

تشریح:۔

اس حدیث میں چونکہ لفظِ طہور ہے جو کپڑوں اور بدن کی نجاست، غسل ،وضو اور استنجاء میں نقصان پر دلالت کرتا ہے لہذا ہر قسم کی نجاست سے مکمل طہارت نماز کے لئے لازمی ہے ورنہ ناپاکی نماز پر

---

[115] ابن ماجہ کتاب الطہارۃ وسننہا باب مَا يَقُولُ إِذَا خرج من الخلاء

[116] النسائی کتاب الافتتاح القراءۃ فی الصبح بالروم

برے اثرات مرتب کر سکتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کوئی نماز جنازہ میں جلدی سے آئے اور بغیر وضو یا تیمم کے شریکِ جماعت ہو جائے تو اس کی شرکت بے طہارت دوسروں کی نماز کو خلل انداز کر کے میت کی مغفرت کو مخدوش کر دے گی لہٰذا اجتناب کیا جائے۔

عن اَبی ھُریرۃؓ قال قَالَ رَسُولُ اِللہ صَلَّی اُللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلَاۃُ أَحَدِکُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتَّی یَتَوَضَّأَ۔ [117]

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کی فرمایا نبی پاک ﷺ نے "کہ جس کا وضو نہ ہو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ وضو نہ کرے"۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رَسُولُ اِللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلَاۃٌ بِغَیْرِ طُھُورٍ وَلَا صَدَقَۃٌ مِنْ غُلُولٍ ۔ [118]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "طہارت کے بغیر کوئی نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ صدقہ ناجائز مال سے۔

عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مِفْتَاحُ الصَّلَاۃِ الطُّھُورُ، وَتَحْرِیمُھَا التَّکْبِیرُ، وَتَحْلِیلُھَا التَّسْلِیمُ [119]

حضرت علیؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے "نماز کی چابی طہارت، تکبیر اس کی تحریم اور سلام اس کی تحلیل ہے"۔

تشریح:۔

یعنی وضو نماز کی چابی ہے جس کو لگا کر ہی نماز کا قفل کھولا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔ جبکہ پہلی تکبیر "تکبیر تحریمہ" ہے کہ جس سے سوائے نماز کے سب کچھ حرام ہو جاتا ہے اور آخری "السلام علیکم و رحمۃ اللہ" سے پھر انسان نماز سے باہر آجاتا ہے اور وہ سب کچھ جو پہلی تکبیر سے حرام ہو گیا تھا اب وہ سب کچھ پھر سے حلال ہو جاتا ہے۔

---

[117] بخاری کتاب الوضوء باب: لا تقبل صلاۃ بغیر طہور. مسلم

[118] مسلم کتاب الطہارۃ باب وجوب الطہارۃ للصلاۃ

[119] ابو داؤد كتاب الطہارة باب فرض الوضوء . و الترمذی والدارمی وابن ماجہ عن ابی سعيدؓ

وضو کا سنت طریقہ اور اس کی فضیلت :۔

عن عثمان انّہتَوَضَّأَ، فَأَفْرَغَ عَلَی یَدَیْہِ ثَلَاثًا فَغَسَلَہُمَا، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْہَہُ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ یَدَیْہِ الْیُمْنَی إِلَی الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا، ثُمَّ الْیُسْرَی مِثْلَ ذٰلِکَ، ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِہِ، ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَہُ الْیُمْنَی ثَلَاثًا ثُمَّ الْیُسْرَی مِثْلَ ذٰلِکَ، ثُمَّ قَالَ: رَأَیْتُ رَسُولَ اللَّہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِی، ثُمَّ قَالَ: مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِی ہٰذَا، ثُمَّ صَلَّی رَکْعَتَیْنِ لَا یُحَدِّثُ نَفْسَہُ فِیہِمَا بِشَیْءٍ غُفِرَ لَہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔[120]

حضرت عثمان بن عفانؓ نے وضو فرمایا تو پہلے دونوں ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی ڈال کر دھویا، پھر منہ میں پھر ناک میں پانی ڈال کر صاف کیا پھر تین مرتبہ پورا چہرہ دھویا، پھر دائیں ہاتھ اور پھر بائیں ہاتھ کو کہنی تک تین تین مرتبہ دھویا پھر سر کا مسح کیا۔ پھ دائیں پاؤں اور پھر بائیں پاؤں کو تین تین مرتبہ دھویا پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو میرے اس وضو کی طرح وضو کرتے دیکھا اور بعد وضو کے جناب ﷺ نے فرمایا کہ جو میرے وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعتیں اس طرح پڑھے کہ حدیثِ نفس (دلی خیالات) سے خالی ہوں تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

وضاحت :۔

حدیثِ ھذا میں مکمل وضو کا طریقہ اس کی فضیلت اور بعد از وضو دو رکعت پڑھنے یعنی تحیۃ الوضو بھی بیان کر دیا ہے۔ دیگر بخاری و مسلم کی روایات میں اسی مفہوم کو کچھ معمولی الفاظ کے اختلاف سے بیان کیا گیا ہے۔ ترمذی اور نسائی میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے وضو فرمایا تو پہلے خوب اچھی طرح ہاتھ دھوئے پھر تین تین مرتبہ منہ اور ناک میں پانی ڈال کر صاف کیا پھر تین مرتبہ چہرہ پھر دونوں کلائیاں تین مرتبہ یعنی کہنیوں تک دونوں ہاتھ دھوئے پھر ایک مرتبہ سر کا مسح فرمایا پھر دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے ثم کھڑے ہو کر وضو کے بچے پانی سے پیا پھر فرمایا میں چاہتا تھا کہ میں تمھیں دکھاؤں کہ حضور ﷺ کا وضو کس طرح تھا وضو میں جن اعضآء کو تین تین مرتبہ دھونے کی بات ہے۔ بخاری میں ان اعضاء کو ایک ایک مرتبہ اور دو دو مرتبہ دھونے کی بھی روایات ہیں جس وجہ سے ہم ایسے وضو کو نماز کے لئے کافی سمجھتے ہیں مگر تین تین مرتبہ دھونے کو فرض نہیں سنت قرار دیتے ہیں ہاں جو تین مرتبہ سے بھی اضافہ کرے تو حضور ﷺ نے فرمایا۔

---

[120] نسائی کتاب الطہارۃ المضمضۃ والاستنشاق، مسلم و بخاری کتاب الوضوء باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً

''فَمَنْ زَادَ عَلَى ہَذَا فَقَدْ أَسَاءَ، أَوْ تَعَدَّى، أَوْ ظَلَمَ ''[121]

کہ جو میرے اس تین مرتبہ دھونے والے وضو کے طریقہ میں مزید اضافہ کرے تو اس نے غلط کیا، زیادتی کی اور ظلم کیا۔

دورانِ وضو ایڑیوں کے دھونے پر خاص توجہ:۔

عن ابی هريرة قَالَ: أَسْبِغُوا الوُضُوْءَ، فَإِنَّ أَبَا القَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ[122]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ خوب اچھی طرح وضو کرو بیشک ابُو القاسم ﷺ نے فرمایا تباہی ہے ایڑیوں کے لئے دوزخ کی آگ۔

پہلے انبیآء کرام کا وضو:۔

عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مَنْ تَوَضّأ وَاحِدةً فَتِلْکَ وَظِيْفَةُ الْوضُوْءِ الّتِىْ لَابُدّ مِنْهَا وَمَنْ تَوَضّأ اثْنَيْنِ فَلَہٗ كِفْلَيْنِ ومَنْ تَوَضّأ ثَلٰثًا فَذٰالِکَ وضُوْئى وضُوْءُ الْاَنْبِيَآءِ مِنْ قَبْلِىْ ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو وضو کرے اور اعضائے وضو کو ایک ایک مرتبہ دھوئے تو یہ وہ وضو کا طریقہ ہے جس کے بغیر چارہ نہیں (یعنی وضو نہیں ہوتا) جو اعضاء وضو دو دو مرتبہ دھوئے تو اس کا اجر و ثواب دوگناہ ہے اور جو تین تین مرتبہ دھوئے تو یہ میرا اور مجھ سے پہلے انبیآءؑ کا طریقہ ہے۔

وضو کے سُنن و آداب:۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْہِ[123]

---

[121] نسائی کتاب الطہارۃ۔المضمضۃ والاستنشاق، مسلم وبخاری کتاب الوضوء باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً

[122] نسائی کتاب الطہارۃ۔المضمضۃ والاستنشاق، مسلم وبخاری کتاب الوضوء باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً

[123] ابن ماجہ کتاب الطہارۃ وسننہا باب ماجاءَ فِی التسمیۃ فِی الوضوء، ترمذی

حضرت سعید بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کا نام لئے بغیر وضو کیا اُس کا کوئی وضو نہیں۔

عن ابی هريرة و ابن مسعودٍ وابن عمر ؓ انّ النبی ﷺ قال مَنْ تَوَضَّأَ وَذَكَرَ اسْمَ اللَّهِ تَطَهَّرَ جَسَدُهُ كُلُّهُ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللَّهِ لَمْ يَتَطَهَّرْ إِلَّا مَوْضِعُ الْوُضُوءِ ۔ [124]

حضرت ابوہریرہؓ، ابن مسعودؓ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو وضو کرتے ہوئے بسم اللہ شریف پڑھ لے تو یہ وضو اس کے سارے جسم کو پاک کر دیتا ہے اور جو کوئی اللہ کا ذکر کیے بغیر وضو کرے تو صرف اس کے اعضاءِ وضو ہی پاک ہوتے ہیں۔

فقہ حنفی:۔

حدیثِ بالا کی کامل اتباع میں فقہ حنفی کی عبارت یہ ہے۔

وَتَسميۃُ الله تعالیٰ فی ابتداءِ الوضوءِ ۔ [125]

وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھ لی جائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا لَبِسْتُمْ، وَإِذَا تَوَضَّأْتُمْ، فَابْدَءُوا بِأَيَامِنِكُمْ ۔ [126]

حضرت ابوہریرہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کپڑے پہنو اور جب تم وضو کرو تو اپنے دائیں جانب سے ابتداء کرو۔

عن لَقيط بن صَبِرَةَ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَخْبِرْنِي عَنِ الْوُضُوءِ؟ قَالَ: أَسْبِغِ الْوُضُوءَ، وَخَلِّلْ بَيْنَ الأَصَابِعِ، وَبَالِغْ فِي الِاسْتِنْشَاقِ، إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا [127]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب تم کپڑے پہنو اور جب وضو کرو تو اپنے دائیں سے شروع کرو۔ لقیط بن صبرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں گزارش کی

---

[124] دار قطنی کتاب الوضوء

[125] قدوری کتاب الطہارت

[126] ابو داؤد کتاب اللباس باب فی الانتعال

[127] رواہ نسائی کتاب الطہارۃ المبالغۃ فی الاستنشاق وترمذی اَبواب الصوم عن رَسُولِ اللہ صَلَّى اللہ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ بابُ ماجاءَ فی کَراہِیۃِ مُبالَغَۃِ الاستِنشاقِ للصَّائِمِ وابو داؤد کتاب الطہارۃ باب فی الاستنثار

کہ مجھے وضو بارے بتلائیے تو جناب نے فرمایا خوب اچھی طرح کامل وضو کر اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں خلال کر اور ناک میں اچھی طرح پانی چڑھا کر صاف کر الّا یہ کہ روزہ سے ہو۔

عَنْ أَنَسٍ يَعْنِي ابْنَ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا تَوَضَّأَ، أَخَذَ كَفًّا مِنْ مَاءٍ فَأَدْخَلَهُ تَحْتَ حَنَكِهِ فَخَلَّلَ بِهِ لِحْيَتَهُ ، وَقَالَ: هٰكَذَا أَمَرَنِي رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ۔[128]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو ہاتھ میں پانی لیکر ٹھوڑی کے نیچے ریش مبارک کے اندر داخل کر کے خلال فرماتے اور فرماتے میرے رب نے یہی حکم دیا ہے۔

عن ابن عباس ؓانّ النبی ﷺ--------ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ وَأُذُنَيْهِ بَاطِنِهِمَا بِالسَّبَّاحَتَيْنِ وَظَاهِرِهِمَا بِإِبْهَامَيْهِ[129]

حضرت عبد اللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں سر مبارک کا مسح فرمایا اور ساتھ ہی دونوں کانوں کا بھی اس طرح مسح فرمایا کہ کانوں کا اندرونی مسح انگوٹھوں کے ساتھ والی انگلیوں سے اور بیرونی کانوں کا انگوٹھوں سے مسح فرمایا۔

دورانِ وضو انگوٹھی اور زیور وغیرہ کو حرکت دینا:۔

عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ حَرَّكَ خَاتَمَهُ فِي إِصْبَعِهِ۔[130]

حضرت ابو رافعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے وضو فرماتے تو انگلی میں پہنی انگوٹھی کو بھی حرکت دیتے تھے۔

وضو میں پانی کا غیر ضروری استعمال نہ کیا جائے:۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعْدٍ، وَهُوَ يَتَوَضَّأُ، فَقَالَ: مَا هٰذَا السَّرَفُ فَقَالَ: أَفِي الْوُضُوءِ إِسْرَافٌ، قَالَ: نَعَمْ، وَإِنْ كُنْتَ عَلَى نَهَرٍ جَارٍ ۔[131]

---

[128] ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب تخلیل اللحیۃ

[129] النسائی کتاب الطہارۃ باب مسح الاذنین مع الرأس ومایستدل بہ علی أنہما من الرأس

[130] دار قطنی باب تثلیث المسح وابن ماجہ کتاب الطہارۃ وسننہا باب تخلیل الاصابع

[131] ابن ماجہ کتاب الطہارۃ وسننہا باب ماجاء فی القصد وکراہیۃ التعدّی فیہ واحمد

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت سعدؓ کے پاس سے گزرے جبکہ وہ وضو میں کافی پانی استعمال کر رہے تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا اے سعد! یہ کیا فضول خرچی ہے وضو میں، اور فرمایا اگر تو نہر جاری پر بھی وضو کرے تو پانی کو فضول خرچ نہ کرنا۔

وضو کے بعد کپڑے سے خشک کرنا:۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ مَسَحَ وَجْهَهُ بِطَرَفِ ثَوْبِهِ[132]

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب وضو فرمالیتے تو چہرۂ اقدس کو اپنے کپڑے کے کونے سے پونچھ لیتے تھے۔

حضور ﷺ کے وضو کے غسالہ کی برکت:۔

عن جابرٍ ؓ يَقُولُ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُنِي، وَأَنَا مَرِيضٌ لاَ أَعْقِلُ، فَتَوَضَّأَ وَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوئِهِ، فَعَقَلْتُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَنِ المِيرَاثُ؟ إِنَّمَا يَرِثُنِي كَلاَلَةٌ، فَنَزَلَتْ آيَةُ الفَرَائِضِ ۔[133]

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں میں بیمار ہو کر بے ہوش تھا کہ رسول اللہ ﷺ میری عیادت کو تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور اپنے وضو کا پانی میرے اوپر ڈالا تو میں فوراً ہوش میں آ گیا تو میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ میری میراث کس کو ملے گی جبکہ میری ایک کلالہ ہے بس اسی وقت ذوی الفرائض کی آیت نازل ہوئی۔

وضو کی فضیلت اور بروزِ قیامت اعضاءِ وضو کا روشن ہونا:۔

عَنْ نُعَيْمٍ المُجْمِرِ، قَالَ: رَقِيتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ عَلَى ظَهْرِ المَسْجِدِ، فَتَوَضَّأَ، فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ القِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الوُضُوءِ ، فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ[134]

---

[132] الترمذی أبواب الطهارة باب مَا جَاءَ فِي التَّمَنْدُلِ بَعْدَ الْوُضُوء

[133] بخاری کتاب الوضوء باب صب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضوءہ علی المغمی علیہ

[134] بخاری کتاب الوضوء باب: فضل الوضوء، والغر المحجلون من آثار الوضوء

نعیم مجمرؓ فرماتے ہیں میں ابو ہریرہؓ کیساتھ مسجد کی چھت پر ھتا وہاں انہوں نے وضو کیا اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ میری امت کو قیامت کے روز غرّ محجّلین (روشن اعضاء والے) کہہ کر بلایا جائے گا بس تم میں سے جو اپنی چمک میں اضافہ چاہے وہ ایسا کرے یعنی خوب وضو کرے کہ خوب چمک ہو۔

وضو یقین سے ٹوٹتا ہے شک سے نہیں:۔

عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ، أَنَّهُ شَكَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلُ الَّذِى يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَجِدُ الشَّىْءَ فِى الصَّلاَةِ؟ فَقَالَ: لاَ يَنْفَتِلْ - أَوْ لاَ يَنْصَرِفْ - حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا ۔[135]

عباد بن تمیمؓ فرماتے ہیں کہ میرے چچا نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ ایک شخص کو نماز میں شبہ ہو کہ کوئی چیز نکلی ہے تو آپ نے فرمایا "وہ نماز نہ توڑے جب تک کہ ہوا نکلنے کی آواز نہ سن لے یا ہوا کی بو محسوس نہ کرے"۔

تحیۃ الوضوء کی فضیلت:۔

عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلاَلٍ: عِنْدَ صَلاَةِ الفَجْرِ يَا بِلاَلُ حَدِّثْنِى بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِى الإِسْلاَمِ، فَإِنِّى سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَىَّ فِى الجَنَّةِ قَالَ: مَا عَمِلْتُ عَمَلًا أَرْجَى عِنْدِى: أَنِّى لَمْ أَتَطَهَّرْ طَهُورًا، فِى سَاعَةِ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ، إِلَّا صَلَّيْتُ بِذَلِكَ الطُّهُورِ مَا كُتِبَ لِى أَنْ أُصَلِّىَ ۔[136]

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے نماز فجر پر بلالؓ سے کہا کہ اسلام میں جس عمل پر تجھے زیادہ قبولیت کی امید ہے وہ بتا کیونکہ میں جنت میں اپنے سامنے تیرے جوتوں کی آواز سنی ہے تو بلالؓ نے گزارش کی ایسا عمل تو کوئی بھی نہیں جس کی امید ہو البتہ میں دن رات میں جب بھی وضو کرتا ہوں تو اس کے بعد جو میرے نصیب میں لکھی ہوئی ہو وہ نماز پڑھ لیتا ہوں۔

---

[135] بخاری کتاب الوضوء باب لایتوضأ من الشک حتی یستیقن

[136] بخاری أبواب التہجد باب فضل الطہور باللیل والنہار، وفضل الصلاۃ بعد الوضوء باللیل والنہار و مسلم

سُبحان اللہ !کیا سماعتِ رسول ﷺ:۔

حضرت بلالؓ کا عمل واقعی مقبول و محبوب ہے کہ جس کی برکت سے حضرت بلالؓ کے جوتوں کی آواز جنت تک پہنچ رہی ہے مگر حقیقت میں وہ ایسی آواز زور دار نہ تھی کہ ہر کوئی سنتا ورنہ تو مدینہ والے رات کو آرام بھی نہ کر سکتے تھے۔ آواز عام معمول کے مطابق ہی تھی مگر کیا شان ہے۔ سماعتِ رسول ﷺ کی کہ مدینہ میں چلنے والے شخص کے جوتوں کی آواز کو جنت کے اندر سن رہے ہیں اور سنی بھی چاہیئے کہ جناب ﷺ خود اپنی سماعت و بصارت کو امتیازی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عَنْ أَبِی ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اُللّٰہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّی أَرَی مَا لَا تَرَوْنَ، وَأَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُونَ۔[137]

میں وہ دیکھ لیتا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے اور میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سن سکتے۔ یہ آپ ﷺ کے اعزازات بنوت کی وجہ سے ہیں اور کشف سے کبھی کبھی تو اولیآء کاملین کے لئے بھی ایسا سب کے نزدیک مسلّم ہے۔

وضو سے اعضاءِ وضو پاک ہونے کے ساتھ گناہوں سے صاف ہو جاتے ہیں:۔

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اِاللّٰہ صَلَّی اُللّٰہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَال إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ أَوِ الْمُؤْمِن فَغَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاء ِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاء ، فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاء ِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاء ِ ، فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتْ كُلُّ خَطِيئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاء ِأَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاء حَتَّی يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوبِ۔[138]

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا جب کوئی مسلم یا مؤمن وضو کرتا ہے اور چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے کے سارے گناہ دھل جاتے ہیں جو اس کی آنکھ نے کئے ہوتے ہیں جب ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھوں سے کیے گناہ دھل جاتے ہیں اور جب پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں سے چل کر کئے گناہ بھی خارج ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ وضو مکمل کرنے کیساتھ وہ تمام اعضاء وضو سے کئے گناہوں سے بالکل صاف ہو جاتا ہے۔

---

[137] ابن ماجہ کتاب الزہد باب الحزن والبکاء، ترمذی أبواب الزہد عن رَسُولِ اللَّهِ صَلَّی اللَّهُ عَلیہِ وسَلَّم بَاب مَا جَاءَ فِی قولِ النَّبیِّ صَلَّی اللَّهُ عَلیہِ وسَلَّم لو تعلمونَ ما أعلمُ لضحکتُم قلیلًا

[138] ترمذی أبواب الطہارۃ بَابُ مَا جَاءَ فِی فَضْلِ الطُّهُورِ، مسلم کتاب الطہارۃ باب خروج الخطایا مع ماء الوضوء

مسواک حضور ﷺ کی محبوب ترین سنت:۔

حضور ﷺ کے معمولات میں مسواک کا بطور خاص ذکر آیا ہے اور اس کے فضائل بھی کثیر ذکر کیے گیے جناب کا مسواک صرف وضو ہی کیساتھ خاص نہ تھا بلکہ اس کے علاوہ بھی ہر بیداری اور اور گھر میں داخلے پر مسواک فرماتے تھے صرف دو احادیث پیشِ خدمت ہیں۔

عن عائشۃ ؓ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اُللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرْقُدُ مِنْ لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ، فَيَسْتَيْقِظُ إِلَّا تَسَوَّكَ قَبْلَ أَنْ يَتَوَضَّأَ ۔[139]

جناب سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ جب آپ ﷺ دن کو یا رات کو سو کر اٹھتے تو وضو سے پہلے مسواک ضرور فرماتے تھے۔

مسواک کی فضیلت اور نماز پر اثر:۔

عن عائشۃ ؓ قالت قَالَ رَسُولُ اِللہ صَلَّى اُللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَفْضُلُ الصَّلَاةُ الَّتِی يُسْتَاکُ لَہَا عَلَى الصَّلَاةِ الَّتِی لَا يُسْتَاکُ لَہَا سَبْعِينَ ضِعْفًا۔ [140]

سیدہ عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا جو نماز مسواک کرکے پڑھی جائے اس کی فضیلت بغیر مسواک کیے نماز پر ستر گناہ زیادہ ہے۔

وضو مکمل کرلینے پر کلمہ شہادت پڑھنے کی فضیلت:۔

سیدنا عمر بن خطاب ؓ سے روایت ہے۔کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص وضو مکمل کرلینے پر یہ کلمہ پڑھے۔

اَشھدُ ان لّا اِلٰـہَ الّا اللہُ وَحدَہٗ لاشریک لہٗ و اَشھدُ انّ مُحمّدًا عبدُہٗ ورسولہٗ ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ عزوجل کے بندے اور اس کے رسول

---

[139] ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب السواک لمن قام من اللیل واحمد فی مسندہ

[140] رواہ البیہقی فی شعب الایمان

ہیں۔ تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہوجائے۔[141]

(انگلی کھڑی کرنا نظر سے نہیں گزرا)

غُسل کا بیان

چونکہ وضو کی حاجت اکثر پیش آتی ہے اور غسل کی ضرورت وضو کے مقابلے میں بہت کم اور کبھی کبھی پیش آتی ہے اس لئے وضو کے بیان کو غسل سے پہلے ذکر کیا گیا۔ اب اس غسل کا بیان ہے جو کسی وجہ سے سارا بدن ناپاک ہو جانے پر کیا جاتا ہے۔ مثلاً۔ جاگتے ہوئے منی کا اخراج یوں ہوا کہ عضوِ مخصوص ڈھیلا پڑ گیا یا کسی بھی شیء کا ایسا استعمال کیا جس کی وجہ سے مذکورہ طریقے سے منی خارج ہوئی یا مکمل دخول سے گو کہ منی ابھی خارج نہ ہوئی ہو یا سوتے میں احتلام ہوا یا حیض و نفاس کے اختتام پر وغیرہ۔

جو غسل آپ صرف سنت کی غرض سے کریں یا صفائی اور ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے کریں تو چونکہ آپ کا بدن پہلے ہی پاک ہے لہذا اس عمومی غسل میں زیادہ احتیاط کی ضرورت نہیں البتہ جب آپ ناپاک بدن ہو گئے کسی بھی شرعی و فطری وجہ سے تو اس غسل کو خاص شرعی طریقہ پر کریں تاکہ آپ کا بدن پاک ہو جائے۔

غسل جنابت کا طریقہ:۔

عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صلّى الله عليه وسلم " أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اُللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الجَنَابَةِ، بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلاَةِ، ثُمَّ يُدْخِلُ أَصَابِعَهُ فِي المَاءِ، فَيُخَلِّلُ بِهَا أُصُولَ شَعَرِهِ، ثُمَّ يَصُبُّ عَلَى رَأْسِهِ ثَلاَثَ غُرَفٍ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ يُفِيضُ المَاءَ عَلَى جِلْدِهِ كُلِّهِ -[142]

حضرت سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ غسل جنابت فرماتے تو شروع میں دونوں ہاتھ دھوتے پھر اس طرح وضو فرماتے جیسے نماز کے لیے وضو فرماتے پھر انگلیاں پانی میں

---

[141] ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب مایقول الرجل إذا توضا

[142] بخاری کتاب الغسل باب الوضوء قبل الغُسلِ

ڈال کر تر کر کے بالوں کی جڑوں میں خلال فرماتے پھر اپنے سر پر دونوں ہاتھوں سے چلو بھر بھر پانی ڈالتے تین مرتبہ پھر سارے جسم پر پانی بہاتے تھے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَتْ مَيْمُونَةُ: وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاءً لِلْغُسْلِ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلاَثًا، ثُمَّ أَفْرَغَ عَلَى شِمَالِهِ، فَغَسَلَ مَذَاكِيرَهُ، ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ بِالأَرْضِ، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى جَسَدِهِ، ثُمَّ تَحَوَّلَ مِنْ مَكَانِهِ فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ۔[143]

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ سیدہ میمونہؓ نے فرمایا میں نے حضور ﷺ کے غسل کے لیے پانی رکھا تو آپ نے غسل فرماتے ہوئے اپنے ہاتھ دو تین بار دھوئے پھر بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر اپنی شرم گاہ کو دھویا پھر اس ہاتھ کو زمین پر رگڑا پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈال کر صاف کیا پھر چہرے اور دونوں ہاتھ دھوئے پھر سارے جسم پر پانی بہایا پھر اس جگہ سے تھوڑا ہٹ کر دونوں پاؤں دھوئے۔

کیا جنبی آدمی کا سونا جائز ہے:۔

امام بخاریؒ چند روایات فقط اسی سلسلہ میں کتاب الفسل بخاری جلد اول میں لائے ہیں کہ آدمی اگر اول رات میں ہم بستری وغیرہ سے جنبی ہو جائے اور صبح غسل کرنا چاہیئے تو استنجاء اور وضو کر کے سو جائے صبح غسل کرے۔

جنبی اور حائضہ قرآن پاک کی تلاوت نہ کرے:۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَقْرَأِ الحَائِضُ، وَلَا الجُنُبُ شَيْئًا مِنَ القُرْآنِ۔[144]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا حائضہ عورت اور نہ ہی جنبی مرد قرآن میں سے کچھ پڑھے۔

حائضہ عورت اور جنبی کو مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں:۔

---

[143] بخاری کتاب الغسل باب الغسل مرہ واحدۃ

[144] ترمذی أبواب الطهارة باب ما جاء في الجُنُبِ وَالحَائِضِ: أَنَّهُمَا لاَ يَقْرَآنِ القُرْآنَ

عن عائشۃ ؓ قالت قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَوَجِّهُوا هَذِهِ الْبُيُوتَ عَنِ الْمَسْجِدِ، فَإِنِّى لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ۔ [145]

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان گھروں کے دروازے مسجد کی طرف سے دوسری طرف پھیر دو کیونکہ حائضہ عورت اور جنبی کا مسجد میں داخلہ جائز قرار نہیں دیتا۔

غسلِ جنابت میں بغیر عذرِ شرعی کے بال برابر جگہ خشک نہ رہے:۔

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ تَحْتَ كُلِّ شَعَرَةٍ جَنَابَۃً، فَاغْسِلُوا الشَّعَرَ، وَأَنْقُوا الْبَشَرَةَ ۔[146]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر بال کے نیچے جلد پر جنابت (ناپاکی) ہوتی ہے۔ لہذا غسلِ جنابت میں تمام جسم پر بالوں کو اچھی طرح دھولیا کرو اور جلد کو اچھی طرح دھولیا کرو۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِىَ اللَّهُ عَنْہُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِنْ جَنَابَۃٍ لَمْ يَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهَا كَذَا وَكَذَا مِنَ النَّارِ قَال عَلِيٌّ: فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِى ثَلَاثًا ۔[147]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے "جس نے غسلِ جنابت میں بال برابر جگہ دھوئے بغیر چھوڑ دی اس کو جہنم کی آگ میں اتنا اور اس طرح عذاب دیا جائے گا۔ اب حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں حضور کے اس فرمان کی وجہ سے اپنے سر کے بالوں کا گویا دشمن ہو گیا ہوں کہ جب کچھ بال بڑھتے میں ان کو صاف کر دیتا ہوں، کاٹ دیتا ہوں۔ یہ جملہ آپ نے یعنی حضرت علیؓ نے تین مرتبہ دہرایا۔

---

[145] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی الجنب یدخل المسجد

[146] رواہ ابوداؤد، وابن ماجہ، والترمذی ابواب الطہارۃ بابُ مَاجَاءَ أَنَّ تَحتَ كُلِّ شَعرَةٍ جَنَابَۃ

[147] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی الغسل من الجنابۃ، دارمی، احمد فی مسندہٖ

مذی کے نکلنے سے غسلِ جنابت لازم نہیں:۔

منی خارج ہونے سے قبل رقیق پانی آلۂ تناسل سے نکلتا ہے جس کو مذی کہتے ہیں۔اگر صرف مذی خارج ہوئی اور منی خارج نہیں ہوئی تو غسل لازم نہیں۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً وَكُنْتُ أَسْتَحْيِي أَنْ أَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانِ ابْنَتِهِ فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ بْنَ الْأَسْوَدِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ: يَغْسِلُ ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّأُ [148]

حضرت علیؓ فرماتے ہیں مجھے مذی زیادہ آتی تھی اور میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنے سے شرماتا تھا کہ جناب کی بیٹی میرے پاس ہے۔ میں نے مقداد بن اسودؓ سے کہا کہ آپ ﷺ سے پوچھے انہوں نے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا"کہ بس وضو کرلو اور عضوِ مخصوص کو دھولو کافی ہے"۔

بغیر انزال کے صرف دخول سے بھی غسل واجب ہوجاتا ہے:۔

اگر مرد عورت سے ہم بستر ہو کر مجامعت اور دخول کرے تو غسل واجب ہے اگرچہ انزال(فارغ ہونا)نہ بھی ہوا ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الأَرْبَعِ، ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الغَسْلُ ۔[149]

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں جب آدمی عورت کی چوکڑی پر بیٹھ کر زور لگائے(داخل کرے) تو غسل واجب ہوجاتا ہے۔

---

[148] مسلم کتاب الحیض باب المذی

[149] بخاری کتاب الغسل باب اذا التقی الختانان

غسلِ سنت:۔

ہر غسل غسلِ جنابت نہیں ہوتا بعض مواقع پر غسل کرنا سنت ہے۔سنت اس لئے کہ غسلِ فرض تو وہ ہے جس کے لئے قرآن نے جنبی ہونے کی شرط لگادی اور جہاں جنبی نہ ہوگا وہاں غسل فرض بھی نہ ہوگا مگر چونکہ حضور ﷺ نے ترغیب دی لہذا سنت ہوا۔

غسلِ جمعہ سنت ہے:۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اُللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الجُمُعَةَ، فَلْيَغْتَسِلْ۔[150]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے "جب تم میں سے کوئی جمعہ کو آئے تو غسل کرکے آنا چاہیئے۔

تشریح:۔

یہاں غسل کو نماز جمعہ کی شرکت کیساتھ مقید کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ فرض نہیں جمعہ کے دن غسل کرنا ورنہ جمعہ کی شرط کے بغیر ہر حال میں ہر کسی پر یوم جمعہ غسل لازم بتایا جاتا۔

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ، وَمَنْ اغْتَسَلَ فَالغُسْلُ أَفْضَلُ[151]

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو جمعہ کے دن صرف وضو کرے تو بھی کافی ہے، اچھا ہے اور جو غسل کرے تو افضل ہے۔

---

[150] بخاری کتاب الجمعۃ باب فضل الغسل یوم الجمعۃ، وہل علی الصبی شہود یوم الجمعۃ، أو علی النساء ومسلم

[151] ترمذی تتمۃ أبواب الجمعۃ باب فی الوضوء یوم الجمعۃ، نسائی، ابوداؤد

اصلاحِ فکر و نظر:۔

شریعت جن احکام و اعمال کو افضل قرار دیتی ہے عوام افضلیت کو لازم قرار دیتے ہیں اور مفضول کو ناجائز تصور کرتے ہیں یہ نقطۂ نظر غلط ہے ایک کے افضل ہونے سے دوسرا ناجائز قرار نہیں پاتا مثلاً حضور ﷺ نے فرمایا افضلُ الذکر لا الہ الا اللہ کہ افضل ذکر کلمہ طیبہ ہے کیا حضور ﷺ کے کلمہ طیبہ کو افضل ذکر قرار دینے سے باقی اذکار سب ناجائز ہوئے؟ ہرگز نہیں۔

عید کے دن غسل کرنا سنت ہے:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الأَضْحَى[152]

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ عید الفطر اور عید الضحیٰ کے دن غسل حضور ﷺ کا معمول تھا۔

احرام باندھنے سے قبل غسل کر لینا افضل ہے جبکہ وضو بھی کافی ہے:۔

قدوری کتاب الحج میں ہے۔

وَإِذَا أَرَادَ الْإِحْرَامَ اغْتَسَلَ أَوْ تَوَضَّأَ وَالْغُسْلُ أَفْضَلُ) لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - اغْتَسَلَ لِإِحْرَامِهِ

جب احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو غسل کرے یا پھر صرف وضو ہی کرے ہاں غسل کر لینا بہتر ہے، افضل ہے۔

جیسا کہ روایت کیا ترمذی نے زید بن ثابت سے کہ حضور ﷺ نے احرام کے لئے غسل فرمایا۔ چونکہ حضور ﷺ نے غسل فرمایا اسی لئے صاحب قدوریؒ نے کتاب الطہارت میں احرام کے لئے غسل کو سنت فرمایا جبکہ وضو بھی کافی ہے۔

[152] ابن ماجہ کتاب اِقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیہا باب ماجاء فی الاغتسال فی العیدین

یومِ عرفہ سے قبل وقوفِ عرفہ غسل مستحب ہے:۔

یہاں میدانِ عرفات میں نویں ذوالحجہ کے دن وقوفِ عرفہ سے قبل غسل مستحب ہے لازمی سنت نہیں۔کیونکہ صاحب قدوری نے کتاب الحج میں فرمایا

و يستحبّ ان يّغتَسِلَ قبلَ الوقوف بعرفة۔

کہ وقوفِ عرفہ سے قبل غسل کرلینا مستحب ہے۔

حائضہ عورت طوافِ کعبہ کے علاوہ باقی اعمالِ حج ادا کرتی رہے:۔

حائضہ عورت ناپاکی کی وجہ سے بیت اللہ شریف میں داخل ہو کر طوافِ کعبہ نہیں کر سکتی باقی ارکان سعی،وقوفِ عرفہ اور قربانی اور کنکریاں وغیرہ جیسے اعمال کرتی رہے مگر نماز ادا نہیں کرے گی کہ حائضہ ہے۔بیت اللہ کا طواف غسل کر کے پاک ہو جانے کے بعد ادا کرے گی۔بخاری کتاب المناسک (جلد 1) میں ہے کہ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں میں حضور ﷺ کیساتھ حج پر تھی تو مجھے حیض شروع ہوا میں نے حضور ﷺ سے اظہار کیا تو آپ نے فرمایا طوافِ کعبہ کے علاوہ باقی اعمالِ حج لوگوں کی طرح ساتھ ساتھ کرتی رہے اور طواف بعد میں بھائی کو ساتھ بھیج کر کروادیا جب میں نے حیض سے صاف ہو کر غسل کرلیا۔

عورتوں کے لئے حیض(خونِ ماہواری)کے مسائل:۔

عَنْ أَبِى سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اُللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى أَضْحَى أَوْ فِطْرٍ إِلَى المُصَلَّى، فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ، فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنِّى أُرِيتُكُنَّ أَكْثَرَ أَہْلِ النَّارِ فَقُلْنَ: وَبِمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ العَشِيرَ، مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ أَذْہَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ ، قُلْنَ: وَمَا نُقْصَانُ دِينِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: أَلَيْسَ شَهَادَةُ المَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ: بَلَى، قَالَ: فَذَلِكِ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا، أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ: بَلَى، قَالَ: فَذَلِكِ مِنْ نُقْصَانِ دِينِهَا ۔ [153]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید اضحی یا عید فطر کو عید گاہ کو نکلے تو عورتوں کے پاس گزر ہوا تو فرمایا "اے عورتوں !صدقہ خوب دیا کرو کیونکہ میں نے دوزخ میں تمہیں

[153] بخاری کتاب الحیض باب ترک الحائض الصوم

کثرت سے دیکھا ہے عورتوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ کس وجہ سے تو فرمایا تم اکثر لعن طعن اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو میں نے تم سے زیادہ ناقص العقل وَالدّین (عقل ودین میں ناقص) کسی کو نہیں دیکھا باوجود اس کے عقل مند آدمی پر غالب آجاتی ہو۔ بولیں یارسول اللہ ﷺ ہمارے دین و عقل میں کیا نقص ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا عورت کی گواہی نصف مرد کے برابر نہیں؟ بولیں ہاں فرمایا یہی ان کے عقل کی کمی کی دلیل ہے اور دیکھو جب عورت حائضہ ہوتی ہے تو وہ نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے انہوں نے کہا ہاں تو فرمایا یہی ان کے دین کی کمی و نقصان ہے۔ حائضہ یعنی خون ماہواری ہیں۔

وقال عَطَآءٌ عن جابرٍ ؓ حَاضَتْ عائشۃُ فَنَسَكَتِ الْمَنَاسِکَ كُلَّهَا غَيْرَ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ وَلَا تُصلّی ۔[154]

عطاء نے جابرؓ سے روایت کیا کہ سیدہ عائشہؓ حائضہ ہو گئیں تو تمام مناسکِ حج ادا کیے سوائے طواف کعبہ اور نماز پڑھنے کے۔

خونِ استحاضہ پر غسل نہیں:۔

عورت کو تین طرح کا خون آتا ہے جو حیض، نفاس اور استحاضہ کہلاتا ہے۔ خون حیض ماہواری کا خون ہے جو عموماً ہر ماہ آتا ہے جبکہ عورت حاملہ نہ ہو یا بہت ضعیف العمر نہ ہو، دوسرا خونِ نفاس ہے جو صرف بچے کی پیدائش کے ساتھ آتا ہے۔ حیض ونفاس میں عورت ناپاک ہوتی ہے نماز روزہ، تلاوتِ قرآن یا کسی بھی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی خاوند سے مکمل مجامعت کر سکتی ہے۔ باقی ایسی عورت اگر ہاتھ دھوئے تو ان ہاتھوں سے گھر کے تمام کام کر سکتی ہے پاک پانی کو دھلے ہاتھ لگا سکتی ہے کھانے پکانے کے تمام کام کر سکتی ہے اور اس معذوری وناپاکی کے دنوں میں قرآن کو اس طرح سے ہاتھ لگا سکتی ہے کہ قرآن پر غلاف کپڑا وغیرہ لپیٹا ہوا ہو اور اسی دوران خاوند سے ہم بستری بھی ہو سکتی ہے اور ملاعبت یعنی پیار بھی کر سکتی ہے مگر شلوار ہرگز نہ اتارے اور دخول سے سختی سے اجتناب کرے، حضور ﷺ اپنی ازواج مطہرات سے دورانِ ماہواری ہم بستری فرماتے تھے مگر نہ تہبند عورتوں کا اترتا اور نہ ہی دخول ہوتا تھا۔ اظہارِ مسئلہ کے لئے اگر کوئی لفظ نامناسب استعمال ہو گیا ہو تو معذرت خواہ ہوں کہ

---

[154] بخاری کتاب الحیض باب: تقضی الحائض المناسک کلہا إلا الطواف بالبیت

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر

نَفَس گم کردہ می آید جُنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا   علامہ اقبالؒ

جہاں تک خونِ استحاضہ کا تعلق ہے تو یہ ایک تیسرا خون ہے جو نہ حیض اور نہ ہی نفاس ہے بلکہ یہ جسمانی بیماری کا خون ہے جو خود تو ناپاک ہے مگر اس خون کے چلنے سے عورت نہ تو ناپاک بدن ہوتی ہے اور نہ ہی نماز روزہ و تلاوت قرآن چھوڑتی ہے، صرف اتنا ہے کہ ایسی معذور عورت ہر نماز کے لئے نیا وضو کرے اور خون والی جگہ سے شلوار کو اچھی طرح دھولے پھر نماز پڑھے دوران نماز اگر خون استحاضہ جاری رہتا ہے تو کوئی حرج نہیں کہ معذور ہے نماز ہوجائے گی۔ حدیث ملاحظہ ہو۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: قَالَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِی حُبَيْشٍ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّى لَا أَطْهُرُ أَفَأَدَعُ الصَّلاَةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا ذَلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِالحَيْضَةِ، فَإِذَا أَقْبَلَتِ الحَيْضَةُ فَاتْرُكِى الصَّلاَةَ، فَإِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا، فَاغْسِلِى عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّى۔[155]

حضرت سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت حُبیش نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں ہمیشہ ناپاک رہتی ہوں تو کیا نماز چھوڑ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں یہ تو صرف رگ کا خون ہے حیض نہیں ہاں جب ماہواری کے دن ہوں تو نماز چھوڑ دے اور جب ایامِ ماہواری کی مقدار برابر دن گزر جائیں تو خون سے غسل کر اور نماز پڑھ (استحاضہ کی پرواہ نہ کر)

حیض کا خون کپڑے پر جہاں لگا ہو صرف وہی جگہ دھولیں تو کپڑا پاک ہو جاتا ہے:۔

صرف خونِ حیض ہی کیا یا کوئی بھی ناپاکی و گندگی کپڑے پر لگ کر صرف اسی حصّہ کو ناپاک کرتی ہے جہاں گندگی لگی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ دورانِ ایام ماہواری عورت نے جو کپڑے پہنے ہوئے تھے وہ ایام ماہواری کے اختتام پر اگر صرف کپڑے کی اسی جگہ کو دھولے جو ناپاک ہوا تھا تو باقی کپڑا پاک ہے اب اسی کپڑا میں نماز پڑھ سکتی ہے جبکہ کپڑے کی دوسری جگہوں پر ناپاکی نہ پہنچی ہو۔

[155] بخاری کتاب الحیض باب الاستحاضہ

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِی بَکْرٍ الصِدّيقِ أَنَّہَا قَالَتْ: سَأَلَتِ امْرَأَةٌ رَسُولَ اللَّہِ صَلَّى اُللّٰہ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّہِ، أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا إِذَا أَصَابَ ثَوْبَہَا الدَّمُ مِنَ الحَيْضَۃِ كَيْفَ تَصْنَعُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّہِ صَلَّى اُللّٰہ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَصَابَ ثَوْبَ إِحْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الحَيْضَۃِ فَلْتَقْرُصْہُ، ثُمَّ لِتَنْضَحْہُ بِمَاءٍ، ثُمَّ لِتُصَلِّی فِيہِ۔[156]

سیدہ اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ کسی عورت نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ اگر عورتیں کپڑے پر حیض کا خون لگا دیکھیں تو کیا کریں؟ تو جناب نے فرمایا اسے کُھرچے، ملے اور پھر پانی سے اسی جگہ کو دھولے اور پھر اسی میں نماز پڑھے۔ (کیونکہ کپڑے میں نجاست ایک جگہ سے دوسرے جگہ از خود سرایت نہیں کرتی جیسے بدنِ انسانی میں سرایت کرتی ہے۔)

حائضہ یعنی خونِ ماہواری میں عورت اعتکاف بیٹھ سکتی ہے:۔

پہلے بخاری کے حوالہ سے گزر گیا کہ حضور ﷺ نے سیدہ عائشہؓ کو فرمایا کہ خون ماہواری آگیا ہے تو سوائے نماز اور طواف بیت اللہ کے باقی اعمالِ حج کرتی رہے عین اسی طرح حائضہ نماز، روزہ اور تلاوت قرآن تو نہ کرے گی صرف اعتکاف بیٹھ کر اذکار و ادعیہ کرتی رہے اور گھر میں اعتکاف بیٹھ جائے تو جائز ہے۔

عَنْ عَائِشَۃَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اُللّٰہ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ اعْتَكَفَ مَعَہُ بَعْضُ نِسَائِہِ وَہِيَ مُسْتَحَاضَۃٌ تَرَى الدَّمَ۔ [157]

سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ آپ کی کسی زوجہ نے اعتکاف بھی کیا جبکہ وہ حائضہ تھی۔

یہاں سے معلوم ہوا لہذا اگر عورت گھر میں اعتکاف بیٹھی اور پھر بعد ازاں خون ماہواری شروع ہو گیا تو اس کا اعتکاف باطل نہیں ہوا لہذا نماز، روزہ اور تلاوت قرآن چھوڑ دے مگر اعتکاف بیٹھی رہے۔

---

[156] بخاری کتاب الحیض باب غسل الدم

[157] بخاری فی کتاب الحیض باب الاعتکاف المستحاضۃ

کتے کا جھوٹا برتن کیسے پاک کیا جائے:۔

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ، قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا شَرِبَ الكَلْبُ فِی إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا۔[158]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب کتا تمھارے کسی برتن میں سے پانی پی لے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھولو۔

تشریح:۔

مذکورہ حدیث کے مطابق جب کتے کا جھوٹا اس قدر شدید ہے کہ ہر ناپاک برتن زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو اور کتے کا استعمال شدہ برتن سات مرتبہ دھونا پڑے جو عام دھونے تین مرتبہ کے دوگنے سے بھی زیادہ ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ کتے کے لعاب میں کسی دوسری چیز کے لعاب کے دوگنا سے بھی زیادہ خطرہ وناپاکی ہے تو وہ لوگ اپنے رویّے پر نظر ثانی فرمائیں جو بھری کائنات اور ہر طرح کی مخلوقات میں سے صرف کتّے سے پیار کرتے ہیں ہاتھوں میں اٹھاتے ہیں شاید جو اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت وقدر دانی سے محروم ہوجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو ایسی ہی سزادیکر گندے کتے کی خدمت اور خاطر تواضع پر لگادیتا ہے۔ اے اللہ ہمیں اپنی اور اپنے محبوب کی سچی محبت واطاعت نصیب فرما۔ آمین۔

امام بخاریؒ پر حیرت وتعجّب:۔

بلاشبہ امام بخاریؒ نے جمع حدیث پر بہت کام کیا اور تلاش احادیث میں مُلکوں ملکوں پھیرا اور دور دراز کے سفر کیے اور کس قدر احادیث کا ایک صحیح مجموعہ امت کو تحفہ میں دیا اللہ تعالیٰ اس کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور جزائے خیر دے مگر انسان ہے خطا سے بری الذمّہ نہیں۔یہی وجہ ہے کہ بخاری میں کہیں حیرت وتعجب ہوتا ہے اس کی بات دیکھ کر کہ یہ کیا بتا رہے ہیں۔بغیر ترجیح و تحقیق کے بڑی بات کہہ کر گزر جاتا ہے اور پڑھنے والوں کو حیران کر دیتا ہے مثلًا یہی کتّے کی روایت اسی امام بخاریؒ

[158] بخاری کتاب الوضو باب اذا شرب الکلب فی الاناء

نے درج کی جس سے کتے کا جھوٹا شدید ترین ناپاک ثابت ہورہاہے پھر یہی امام بخاری اس سے پچھلے باب میں سے بھی روایت پیش کررہاہے۔

وقال الزہری اذا وَلَغَ فی انآءٍ لیس لہٗ وضُوءٌ غیرُہ یتوضّأ بہٖ ۔

کہ امام زہری نے کہا جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال کرپانی پی لے اب اگر اور کوئی پانی نہ ہو تو اسی کتّے کے جھوٹے پانی سے وضو کرے۔ پھر سفیان ثوریؒ کی انتہائی نامعقول بات کا حوالہ دیکر بات اور زیادہ خراب کر دی۔ وہ امام بخاریؒ جس کا کام حدیث پیش کرنا اور حدیث سے استدلال کرنا ہے اور یہی اس کا منصب بھی ہے تو ایسے اہم مسئلہ پر جبکہ صاف حدیث کتّے کے جھوٹے پر موجود ہے تو حدیث سے صرفِ نظر کرتے ہوئے زھری و سفیان ثوریؒ کے اقوال فاسدہ پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی اور حدیث کے مقابلہ میں زھریؒ و سفیان ثوریؒ یا کسی اور کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔ کوفہ بہت بڑا علوم اسلامیہ کا مرکز تھا معلوم نہیں امام بخاریؒ جو ہر جگہ گیا کوفہ اس کی نظر سے کیوں او جھل رہا۔ اگر وہاں چلا جاتا تو امام بخاریؒ ایسی کمزور بلا دلیل اور فضول باتوں سے یقیناً اجتناب کرتا۔ بہر حال ہمارے لئے نہ زھریؒ کی اپنی بات کا کوئی وزن ہے اور نہ ہی سفیان ثوریؒ یا خود امام بخاری کی ذاتی رائے کا کوئی وزن ہے کیونکہ ہم اس کو امام فقاہت تسلیم ہی نہیں کرتے اگر کسی کے پاس بہت بڑا میڈیکل سٹور ہو تو اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ سٹور میں بہت بڑا ڈاکٹر بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری اور امام بخاری کی خطاؤں کو معاف فرمائے اور قرآن و سنت کا اتباع نصیب فرمائے۔ چونکہ اس وقت امام بخاری اور صحیح بخاری میرا موضوعِ تحریر نہیں اس لئے آگے گزرتا ہوں۔

کتّے کے جُھوٹے کے حوالے سے دوسری روایت:۔

عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اُللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِذَا أَرْسَلْتَ کَلْبَکَ المُعَلَّمَ فَقَتَلَ فَکُلْ، وَإِذَا أَکَلَ فَلاَ تَأْکُل ۔ [159]

عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے شکاری کتے کے بارے مسئلہ پوچھا تو جناب ﷺ نے فرمایا جب تو شکار پر سکھلایا ہوا کتّا چھوڑے وہ اس کو قتل کرکے لے آئے تو کھالے اور اگر وہ کتّا شکار کو پکڑ کر کھانا بھی شروع کر دے تو کتّے کے کھائے کو تو ہر گز نہ کھا۔

[159] بخاری کتاب الوضوء باب: الماء الذی یغسل بہ شعر الإنسان

وضاحت:۔

واضح ہے کہ شکاری کتا شکار کو منہ میں صرف دبوچ کر پکڑ کر مالک کو لا دیتا ہے اس طرح اس کا لعاب شکار کے پردوں اور جلد تک محدود رہ جاتا ہے۔ اور اگر کتا شکار سے کھا بھی لے تو گویا اس کے دانت اور لعاب شکار کے جسم و گوشت میں بھی اُتر چکا لہٰذا اب نہ کھائے کہ ناپاک ہو چکا۔ یہاں اگر معمولی گنجائش بھی ہوتی تو شکار چونکہ کبھی کبھی ہاتھ آتا ہے تو حضور ﷺ کتے کے کھائے شکار کو کھانے کی اجازت ضرور فرماتے مگر آپ کا اجازت نہ دینا کتے کے لعاب اور جھوٹے سے بچنے کیلئے کافی دلیل ہے شایدا زھری وسفیان ثوری کتے کے کھائے باقی ماندہ شکار کو دھو پکا کر کھا جاتے ہوں جبکہ ایسا کرنا نبی ﷺ کی تعلیم کے خلاف ہے۔

بے غُسل اور بے وضو آدمی ہاتھ دھو کر پانی کے برتن میں ڈالے:۔

وضو کا لوٹا ہو یا غسل کے پانی کی بالٹی ناپاک ہاتھ اس کے اندر نہیں ڈالنے چاہیں بلکہ پہلے دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دھوے پھر پانی میں ڈالے خاص کر جب رات کو یا پھر دن کو سو کر اٹھے کہ کیا خبر نیند میں اس کا ہاتھ کہاں کہاں لگا۔ ممکن ہے گھر کے کتے نے چاٹا ہو تو صبح کے غسل و وضو میں خاص احتیاط سے پہلے ہاتھ تین مرتبہ دھو کر پاک کرے پھر پانی میں ڈالے۔

عن يحيٰى قال كَانَ عَمِّى يُكْثِرُ مِنَ الوُضُوءِ، قَالَ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ: أَخْبِرْنِيا كَيْفَ رَأَيْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ؟ فَدَعَا بِتَوْرٍ مِنْ مَاءٍ، فَكَفَأَ عَلَى يَدَيْهِ، فَغَسَلَهُمَا ثَلاَثَ مِرَارٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِى التَّوْرِ [160]

حضرت یحیٰی سے روایت ہے میرا چچا وضو میں پانی زیادہ استعمال کرتا تھا۔ چچا نے عبد اللہ بن زید سے کہا مجھے بتائیں کہ آپ نے حضور ﷺ کو کس طرح وضو کرتے دیکھا ہے؟ تو عبد اللہ بن زید نے پانی بھرا برتن (لوٹا وغیرہ) منگایا پھر اس برتن کو پہلے دونوں ہاتھوں پر انڈیل کر تین مرتبہ دھوئے پھر بعد ازاں ہاتھ پانی بھرے برتن میں ڈالا اور مکمل وضو کر کے دکھایا جس میں یہ بھی ہے کہ ہاتھوں کو پانی سے تازہ تر کر کے سر کا مسح اس طرح کیا کہ دونوں ہاتھ آگے سے پیچھے اور پیچھے سے آگے پھیرے۔

---

[160] بخاری کتاب الوضوء باب الوضوء من التورِ

تیمم کا بیان

تیمم بحالت مجبوری شرعی شرائط کیساتھ چونکہ استنجاء، وضو اور غسل تینوں کا بدل ہے اس لئے اصل سے فراغت کے بعد اب تیمم کا بیان پیش خدمت ہے۔ اسلامی احکامات وتعلیمات میں کہ خوبی موجود ہے کہ ہر مشکل کا حل اور ہر صورتِ حال سے واسطہ پڑھنے پر کوئی راہ ضرور نکلتی نظر آتی ہے۔ خاص کر مجبوری، عذر اور ضرورت کے لئے اسلام اپنے قوانین میں مناسب ترمیم کرکے انسان کے لئے آسانی پیدا کر دیتا ہے یہ اسلام کی خوبی بھی ہے اور عین دینِ فطرت ہونے کا ثبوت بھی۔

جب انسان دوران سفر پانی نہ پائے یا ہو تو گھر میں اور پانی بھی وافر ہو مگر کسی بھی معقول عُذر کی بنا پر پانی استعمال کرنے پر قادر نہ ہو اگرچہ عذر بیماری ہو یا جان لیوا سردی یا پانی سے دشمن روک رہا ہو اور پانی کے استعمال پر جان کا خطرہ ہو تو ایسی تمام صورتوں میں پاک بدن ہو کر نماز کی ادائیگی کے لئے اسلام نے تیمم کی تعلیم دی ہے جو استنجاء، وضو، غسل اور حیض نفاس والی عورت کے حیض ونفاس کے اختتام پر غسل کی بجائے تیمم ہی کافی ہے۔ تیمم میں چند حکمتیں بالکل واضح ہیں۔

1۔ نماز سے بندے کو محروم نہ رکھا جائے۔ 2۔ صفائی وپاکیزگی کا شعور باقی رہے۔

3۔ چونکہ مٹی بھی ایک طرح پاکیزگی کا سبب ہے بحالتِ مجبوری اسی سے پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے۔ شریعت میں اس کے دلائل موجود ہیں کہ مٹی بھی پاک کرنے کی تاثیر رکھتی ہے۔ مثلاً ایک عورت حضور ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کُناں ہوئی جناب میرا تہبند چلتے ہوئے زمین پر لگتا ہے کبھی ناپاک چیزوں سے بھی ٹکراتا ہے کیا میں ہر نماز کے لئے اس کو دھویا کروں؟ انسانی فطرت اور مجبوریوں سے پوری طرح باخبر نبی ﷺ نے فرمایا جہاں کبھی ناپاک چیزوں سے ٹکراتا ہے تو اکثر پاک مٹی سے رگڑ کھا کر پاک بھی ہو جاتا ہے لہٰذا دھونے کی ضرورت نہیں اور آیتِ تیمم میں پاک مٹی سے تیمم کرنے میں بھی یہی حکمت نظر آتی ہے کہ مٹی بھی پاکیزگی کی تاثیر رکھتی ہے پھر احادیث میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ قضائے حاجت کے بعد ہاتھ مبارک زمین پر رگڑ کر صاف فرماتے تھے تو معلوم ہوا کہ مٹی بھی کسی شی کو پاک کرنے کا ایک ذریعہ ہے مگر پانی کے بعد۔ ہاں اگر پانی نہیں تو اسی کو استعمال میں لایا جاتا ہے۔ ویسے پانی میں اگر گندے جراثیم کو بہانے کی تاثیر ہے تو مٹی کے ذرات ایک طرف رگڑ سے گندگی کو دور بھی

کر دیتے ہیں اور دوسرا یہ کہ مٹی کے ذرات کی تیز دھار نوکیں جراثیم کو قتل بھی کرتے ہیں۔ تیمم درحقیقت صفائی کے حصول سے بڑھ کر صفائی کا احساس برقرار رکھنے کے لئے ہے جو سمجھ میں آتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا

جُعلتْ لی الارضُ مَسجِدًا وطُهُورًا ۔[161]

زمین میرے لئے جائے سجدہ اور باعثِ طہارت بنائی گئی۔

تیمم آل ابو بکرؓ کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی عطائے خاص ہے:۔

حضرت سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں ہم کسی سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے جب ہم بیدا یا ذات الجیش پہنچے تو میرا ہار گم ہو گیا رسول اللہ ﷺ تلاش کی غرض سے رُکے وہاں پانی نہ تھا کہ استعمال کیا جاتا تو لوگ حضرت ابو بکرؓ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ اور دیگر لوگوں کو یہاں روک رکھا ہے؟ جبکہ ان کو پانی کی تکلیف ہے تو ابو بکرؓ میرے پاس آئے خوب برہم ہوئے اور مجھے گھوسے بھی مارے مگر میرے زانو پر جناب رسول اللہ ﷺ آرام فرما تھے جس کی وجہ سے میں نے بالکل حرکت نہ کی اور مار برداشت کر لی صبح جب جناب ﷺ بیدار ہوئے پانی نہ تھا آیت تیمم نازل ہوئی تب اسید بن حضیرؓ نے کہا اے آل ابو بکرؓ یہ تمہاری کوئی پہلی برکت نہیں یعنی اس سے قبل بھی برکات آل ابو بکرؓ حاصل کر چکے۔

جب قافلہ صبح روانہ ہونے لگا تو میرا اونٹ جب اٹھایا گیا تو میرا ہار اس کے نیچے پڑا مل گیا اور تیمم کی آیت اضافی ملی۔ (بخاری جلد 1 کتاب التیمم) جس آیتِ تیمم کے نزول کا یہاں ذکر ہوا وہ پہلے گزر چکی لہٰذا اِعادے کی ضرورت نہیں۔

عَنْ أَبِی ذَرٍّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الصَّعِيدَ الطَّيِّبَ طَهُورُ المُسْلِمِ، وَإِنْ لَمْ يَجِدِ المَاءَ عَشْرَ سِنِينَ، فَإِذَا وَجَدَ المَاءَ فَلْيُمِسَّهُ بَشَرَتَهُ، فَإِنَّ ذَلِكَ خَيْرٌ۔[162]

---

[161] بخاری کتاب التیمم

[162] ترمذی ابواب الطہارۃ باب ما جاء فی التیمم للجنب اذا لم یجد الماء و ابو داؤد وغیرہ

ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "پاک مٹی مسلمان کا سامانِ طہارت ہے اگرچہ دس سال تک پانی نہ ملے۔ بس جب پانی پائے تو اسی سے طہارت حاصل کرے کیونکہ پانی کی موجودگی میں پانی کا استعمال ہی بہتر طہارت ہے۔

عَنْ أَبِی سَعِیدٍ الْخُدْرِیِّ قَالَ: خَرَجَ رَجُلَانِ فِی سَفَرٍ، فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَلَیْسَ مَعَہُمَا مَاءٌ، فَتَیَمَّمَا صَعِیدًا طَیِّبًا فَصَلَّیَا، ثُمَّ وَجَدَا الْمَاءَ فِی الْوَقْتِ، فَأَعَادَ أَحَدُہُمَا الصَّلَاةَ وَالْوُضُوءَ وَلَمْ یُعِدِ الْآخَرُ، ثُمَّ أَتَیَا رَسُولَ اللَّہِ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَا ذَلِکَ لَہُ فَقَالَ لِلَّذِی لَمْ یُعِدْ: أَصَبْتَ السُّنَّةَ، وَأَجْزَأَتْکَ صَلَاتُکَ . وَقَالَ لِلَّذِی تَوَضَّأَ وَأَعَادَ: لَکَ الْأَجْرُ مَرَّتَیْنِ ۔[163]

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمی سفر پر تھے نماز کا وقت ہوا مگر ان کے پاس پانی نہ تھا تو انہوں نے پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر وقتِ نماز کے اندر ہی پانی ملا تو ایک نے نماز نہ دھرائی جبکہ دوسرے نے وضو کر کے نماز دھرائی۔ جب حضور ﷺ کے پاس آکر اس کا ذکر کیا تو جس نے نہیں دھرائی تھی اس کو فرمایا تو نے سنت کو پالیا اور تیری وہی نماز تیرے لئے کافی ہوئی اور جس نے وضو کر کے دوبارہ پڑھی تھی اس کو فرمایا کہ تیرے لئے دوبارہ پڑھنے کی وجہ سے دوگنا اجر ہے۔

تشریح:۔

بالکل واضح ہے کہ تیمم کر کے نماز پڑھیں اور بعد میں پانی مل بھی جائے تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں یہی فقہ بھی بتاتی ہے۔ ہاں اگر کوئی اس صورت میں نماز کو دوبارہ پڑھ لے پانی مل جانے کی صورت میں وقت کے اندر تو اس کا اجر دوگنا اس لئے ہے کہ اجر اعمال پر مرتب ہوتا ہے تو چونکہ اس نے نماز پڑھنے کا عمل دو مرتبہ کیا اس لئے اس کا اجر بھی دوگنا ہے۔

فَقَالَ أَبُو الجُہَیْمِ الأَنْصَارِیُّ أَقْبَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِیَہُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَیْہِ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتَّی أَقْبَلَ عَلَی الجِدَارِ، فَمَسَحَ بِوَجْہِہِ وَیَدَیْہِ، ثُمَّ رَدَّ عَلَیْہِ السَّلاَمَ ۔[164]

---

[163] ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب المتیمم یجد الماء بعد ما یصلی فی الوقت والدارمی

[164] بخاری کتاب التیمم باب التیمم فی الحضر، إذا لم یجد الماء وخاف فوت الصلاۃ

ابو جہیمؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جمل کنوئیں سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ ایک آدمی نے آپ کو سلام کیا مگر آپ نے جواب نہ دیا یہاں تک کہ ایک دیوار کے پاس آئے اور اس سے چہرے اور ہاتھوں کو مسح کیا پھر سلام کا جواب فرمایا۔

فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اُللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفَّيْهِ الأَرْضَ، وَنَفَخَ فِيهِمَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ[165]

حضور ﷺ نے تیمم کا طریقہ یوں تعلیم فرمایا کہ دونوں ہاتھ زمین پر مار کر پھر ان پر پھونک ماری پھر چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا۔

بخاری کتاب التیمم کی ایک دوسری روایت کے الفاظ نفخ فیھما کی بجائے تَفَلَ فیھما ہیں یعنی جھاڑہ ہاتھوں کو۔

اس سے مقصود یہ ہے کہ اگر کچی مٹی پر ہاتھ مارے جائیں تو وہ بہت زیادہ خاک آلود ہو جاتے ہیں اگر جھاڑے یا پھونکے بغیر چہرے پر پھیرے جائیں تو چہرہ دیکھنے کے قابل ہی نہ رہے ۔لہذا ہاتھوں کو کچھ جھاڑنے کی تعلیم ہے کہ ہاتھوں پر لگی زیادہ مٹی جھڑ جائے۔ بخاری ہی کی ایک اور روایت میں ہاتھوں کو جھاڑنے کیلئے تیسرا لفظ نَفَضَ استعمال ہوا ہے تینوں الفاظ یعنی نفخ، تَفَلَ اور نَفَضَ قریب المعنی و لمفہوم ہیں کہ ہاتھوں کو جھاڑا جائے۔

تیمم سے وہ تمام اعمال کرنے جائز ہو جاتے ہیں جو وضو یا غسل کے کرنے سے جائز ہو جاتے ہیں اور تیمم کے قریباً تمام احکام وہی ہیں جو وضو کے ہیں ہر اس شيء سے تیمم ناقض ہو جاتا ہے جس سے وضو ناقض ہو تا ہے البتہ ایک بات اضافی ہے کہ تیمم اگر پانی کی عدم دستیابی کی وجہ سے کیا تھا، اب پانی مل گیا تو پانی ملتے ہی تیمم ختم ہو جائے گا۔ کہ عذر و مجبوری کیلئے تیمم کی اجازت دی تھی اب وہ عُذر و مجبوری باقی نہ رہی لہذا تیمم بھی باقی نہ رہا۔

نجاست و ناپاکی کو دور کرنے کے چند بنیادی مسائل:۔

ہم نے یہ تو جان لیا کہ مرد ہو یا عورت اس کا بدن کن کن صورتوں میں ناپاک و پلید ہو تا ہے اور ان کو نماز کے قابل ہونے کے لئے پاک بدن ہونے کے لئے کون کون سے شرعی طریقے ہیں اس سلسلہ میں ہم نے استنجاء، وضو، غسل، تیمم اور عورت کے حیض و نفاس کے مسائل پر بات کی اب ہم چند مسائل ایسے

---

[165] بخاری کتاب التیمم باب المتیمم ہل ینفخ فیھما

جانے کی کوشش کرتے ہیں جن سے نمازی اپنے کپڑوں اور اس جگہ کو پاک رکھ سکے جہاں وہ نماز ادا کرنا چاہتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جو شریعت تیمم ناپاک مٹی سے جائز قرار نہیں دیتی جبکہ تیمم وطہارت نماز کے لئے ایک شرط ہے تو اس شریعت سے یہ توقع کیوں کی جائے کہ وہ اصل نماز جو مقصود ہے تیمم وضو اور غسل وغیرہ سے ناپاک جگہ پر پڑھنے کی اجازت دے گی۔ نماز کی جگہ تو کیا جائے نماز کے ماحول کو بھی شریعت ممکن حد تک صاف دیکھنا چاہتی ہے جیسا کہ بخاری میں ہے حضور ﷺ نے مسجد نبوی کی دیوار پر لگی بلغم دیکھی تو جناب ﷺ نے خود مبارک ہاتھوں سے صاف فرما کر شعور دیا کہ نماز کی جگہ کو صاف رکھا جائے۔ ایک عمر رسیدہ عورت مسجد نبوی کی صفائی کیا کرتی تھی آپ ﷺ کو اس کا عمل اس قدر محبوب تھا کہ جب وہ فوت ہوئیں اور حضور ﷺ اس کے جنازے میں شرکت نہ فرما سکے تو آپ نے اس کی قبر پر جا کر نماز جنازہ ادا فرمائی۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر ہر وقت اور ہر صورت میں غائبانہ جنازہ جائز ہوتا تو حضور ﷺ کو اس کی قبر پر جانے کی کیا ضرورت تھی۔

اشیاء کو پاک کرنے کے مختلف ذرائع:۔

(1) پانی۔ عام طور پر ناپاک بدن، کپڑوں اور برتنوں کو پانی سے ہی پاک کیا جاتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ وہ پانی پاک ہو جس کو استعمال میں لایا جا رہا ہے۔

(2) کُھرچنا۔ جسم رکھنے والی پلیدی و گندگی اگر خشک ہو جائے تو اس کو کھرچ کر بھی صاف کیا جا سکتا ہے۔

جیسے منی اگر تر ہو تو پانی سے دھونا لازم ہے اور اگر خشک ہو جائے کپڑے وغیرہ پر تو اس کو اچھی طرح کُھرچ دینا بھی کافی ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں:۔

فَإِذَا جَفَّ عَلَى الثَّوْبِ أَجْزَأَ فِيهِ الْفَرْكُ) لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - لِعَائِشَةَ فَاغْسِلِيهِ إِنْ كَانَ رَطْبًا وَافْرُكِيهِ إِن كَانَ يَابِسًا[166]

---

[166] العنایہ شرح ہدایہ باب الانجاس وتطہیرہا

یعنی اگر منی کپڑے پر خشک ہو جائے تو اس کو اچھی طرح کُھرچ دینا ہی کافی ہے اور احادیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔

پلیدی اگر کپڑے کی بجائے ٹھوس اجسام پر ہو تو:۔

کپڑا چونکہ دھاگوں سے بُنا ہوتا ہے اور ناپاک شیء کے اجزاء کپڑے کے اندر آسانی سے داخل ہو جاتے ہیں لہذا کپڑوں کو بالعموم پانی سے ہی پاک کیا جاتا ہے۔ جبکہ ایسی اشیاء جو ٹھوس جسم رکھتی ہیں اور نجاست ان کے اندر داخل نہیں ہوتی بلکہ صرف اوپر والی سطح پر ہوتی ہے تو ایسی چیزوں کو پُونچھ لینا یا زمین پر رگڑ دینا ہی ان کے پاک کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ مثلاً شیشہ، تلوار، دروازہ کھڑکی وغیرہ۔

(3) خشک ہونا۔ تیسرا طریقہ کسی ناپاک چیز کو پاک کرنے کا خشک ہونا ہے۔ جیسے زمین پر نجاست گرے اور سورج کی دھوپ سے خشک ہو جائے تو زمین کو نماز کے قابل قرار دیا جائے گا۔ خاص کر جب خشک ہو کر نجاست کا اثر بھی زمین پر باقی نہ رہا ہو۔ مگر احتیاط یہ ہے کہ ایسی زمین پر تیمم کرنے کے بجائے کسی دوسری بالکل صاف زمین پر سے تیمم کیا جائے کہ شبہ ہی نہ رہے۔

نجاست غلیظہ و خفیفہ:۔

نجاست دو طرح سے ہوتی ہے ایک نجاست غلیظہ یعنی سخت و شدید پلیدی و گندگی جیسے انسان اور حرام جانوروں کا پیشاب یا پاخانہ۔ نجاست غلیظہ اگر درھم تک مقدار میں کپڑے پر لگے تو ایسے کپڑے سے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے اور اگر اس کو بھی دھو لے تو یقیناً زیادہ بہتر ہوگا۔ دوسری نجاست خفیفہ یعنی غلیظہ سے کچھ ہلکی اور کم نجاست و گندگی ہے جیسے حلال جانوروں کا پیشاب اس سے نماز پڑھنا اس وقت تک جائز ہے جب تک کسی کپڑے کی 1/4) چوتھائی (سے کم حصے پر لگے اور اگر کپڑے کی چوتھائی تک نجاست تجاوز کر جائے تو ایسے کپڑے میں نماز جائز نہیں لہذا کپڑے کو دھو لیا جائے۔

نجاست مرئیہ اور غیر مرئیہ:۔

نجاست کبھی تو از خود وجود رکھنے کی وجہ سے نظر آتی ہے جو مرئیہ (نظر آنے والی) کہلاتی ہے اور کبھی از خود نظر نہیں آتی بلکہ کسی دوسری شیٔ میں اس کا وجود ظاہر ہوتا ہے جو نظر نہیں آتا۔ نجاست مرئیہ جیسے پاخانہ جو کہ بالکل نظر آنے والی چیز ہے ایسی نجاست کو پاک کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ دھو کر اس کا ظاہری نظر آنے والا وجود ختم کر دیا جائے۔ اگرچہ اس کا کچھ اثر باقی رہے جس کا زائل کرنا آسان نہ ہو تو کپڑا پاک تصور کیا جائے گا اور دوسری قسم نجاست کی غیر مرئیہ ہے جس کا کپڑے پر ایسا وجود نہیں ہوتا کہ نظر بھی آئے جیسے پیشاب کسی کپڑے پر لگ کر خشک ہو جائے تو نظر تو نہیں آتا مگر کپڑا ناپاک ہی ہوتا ہے ایسی نجاست کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پانی سے اس طرح دھویا جائے کہ دھونے والے کو نجاست کے ختم ہو جانے کا غالب گمان ہو جائے۔

قرآن وحدیث اور فقہ حنفی:۔

یہاں تک جن مسائل سے آپ گزرے آپ کو خوب اچھی طرح علم ہو گیا ہو گا کہ فقہ حنفی قرآن وحدیث کے علاوہ کسی چیز کا نام نہیں بلکہ ائمہ فقہ کی ماہرانہ اور مدبّرانہ آراء جن کی بنیاد قرآن وحدیث پر ہے فقہ کہلاتی ہے۔ قرآن واحادیث میں شریعت اسلامیہ کے احکامات بکھرے پڑے ہیں مگر عربی زبان سے ناآشنائی قرآن واحادیث میں جملہ احکامات کا ایک جگہ نہ ہونا احکام کی علتوں، حکمتوں اور اغراض ومقاصد کی نافہمی نے احکاماتِ اسلامیہ کو وہ حیثیت دے دی ہے جو وسیع سمندر میں پانی کی تہہ میں پڑے صدف بند موتی کی ہوتی ہے۔ اب اگر ساحل سمندر پر ہر کھڑا آدمی یہ دعویٰ کرے کہ وہ سمندر کی تہہ سے موتی نکال باہر لانے کی صلاحیت رکھتا ہے تو ہم اس کے اس دعویٰ کو قطعًا درست تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں کیونکہ یہاں ایسے ماہر کی ضرورت ہے جو غوطہ زنی کا بھی ماہر ہو اور صدف کی پہچان اور موتیوں کی اقسام سے بھی اچھی طرح واقف ہو ورنہ دین کے بگڑنے کا قوی امکان موجود ہے۔ آج تک جتنا نقصان اسلام اور عالم اسلام کو پہنچا اس میں ایک بنیادی عنصر ایسے رہبر ورہنما اور علماء وفضلا ہیں جو قرآن وسنت پر گہری نظر نہیں رکھتے مگر وہ بزعم خویش اپنی رائے کو صائب تصور کرتے ہیں۔ جس سے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور عوام الناس کو غلط راہ پر ڈال دیتے ہیں۔ اگر ہر عالم وجاہل کو اپنی ہی رائے اور تحقیق پر آزاد چھوڑ دیا جائے تو فتنوں اور دین کے بگاڑ کا ایک ایسا راستہ کھلے گا جس کو کبھی بند نہیں کیا جا سکے گا لہذا عقل کا

تقاضا یہی ہے کہ ہم قرآن وسنت کا فہم وادراک کرنے کیلئے ایسے لوگوں کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھیں جن کے بارے میں ہمیں مکمل یقین واعتماد ہو کہ وہ واقعی قرآن وسنت کے ماہر ہیں۔ بس ایسے ماہرینِ دین کو ائمہ فقہ کہا جاتا ہے۔ اور عوام الناس کو ان کی آراء کا پابند رہنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ فقہ کے جن مضامین سے ہم ابھی گزرے ان تمام مضامین کو آپ نے پڑھ کر یہ یقین کر لیا ہو گا کہ فقہ کا ایک ایک باب ایک ایک مسئلہ اور ہر ایک بات قرآن وسنت کے عین مطابق ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ فقہی مسائل وآراء میں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ کہیں قرآن وسنت کی مخالفت نہ ہونے پائے بلکہ ایسی رائے قائم کی جائے جو قرآن کی جملہ متعلقہ آیات اور جملہ متعلقہ احادیث کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہو۔ انسانی تجسس وجستجو، محنت وکوشش اور تدبُر وتفکر اس سے بڑھ کر ممکن ہی نہیں جس قدر کہ ائمہ فقہ نے تدوین وترتیب فقہ میں اختیار کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ائمہ فقہ نے امت پر احسانِ عظیم کر کے ان کے لئے قوانین اسلام تک پہنچنا انتہائی آسان کر دیا ورنہ کون اتنا ماہر اور کس کے پاس اتنا وقت ہے کہ ہر چھوٹے بڑے مسئلے کے لئے قرآن وحدیث کو اٹھائے اور تلاش بسیار کے بعد اپنے مسئلے تک رسائی حاصل کرے پھر یہ بھی یقین نہ ہو کہ جو مسئلہ اس نے کوشش بسیار کے بعد قرآن وحدیث سے اخذ کیا ہے کیا واقعی اس نے درست اخذ کیا یا ٹھوکر کھائی ہے۔ جبکہ دوسری طرف ایک معمولی علم رکھنے والا بڑی آسانی سے فقہ کی کتاب سے اپنا مطلوب حاصل کر لیتا ہے۔ جس پر اسے مطلوبہ حد تک اعتماد بھی ہوتا ہے۔

سراپا خشوع وخضوع سے پوری یکسوئی سے نماز اور ربِّ نماز کی طرف متوجہ ہوں:۔

نماز چونکہ بندگی کا اعلیٰ ترین نمونہ اور مقصد حیات ہے اس لئے نماز پڑھنے سے پہلے اس کی اہمیت کو پوری طرح ذہن نشین کر لیں، رکوع وسجود وغیرہ کو پورے آداب سے ادا کرنے کا قصد کر لیں اور بارگاہِ ایزدی میں پوری طرح یکسو ہو جائیں تا کہ نماز مردود ہونے کے بجائے مقبولِ بارگاہِ صمدیت ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ بندے کا عظیم بارگاہِ ربانی میں حاضری انتہائی اہم اور مشکل ترین کام ہے لہذا ذہن کو حاضر رکھیں پوری استعداد بروئے کار لائیں اور رب کے فضل کا دامن تھام کر نماز شروع کریں۔ مذکورہ کیفیت پیدا کرنے کے لئے چند احادیث پیشِ خدمت ہیں۔

1) عن انسؓ قال قال رسول الله ﷺ مَنْ صَلَّى الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا، وَأَسْبَغَ لَهَا وُضُوءَهَا، وَأَتَمَّ لَهَا قِيَامَهَا وَخُشُوعَهَا وَرُكُوعَهَا وَسُجُودَهَا خَرَجَتْ وَهِيَ بَيْضَاءُ مُسْفِرَةٌ، تَقُولُ: حَفِظَكَ اللَّهُ كَمَا حَفِظْتَنِي، وَمَنْ صَلَّى الصَّلَاةَ لِغَيْرِ وَقْتِهَا فَلَمْ يُسْبِغْ لَهَا وُضُوءَهَا، وَلَمْ يُتِمَّ لَهَا خُشُوعَهَا وَلَا رُكُوعَهَا وَلَا سُجُودَهَا خَرَجَتْ وَهِيَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ، تَقُولُ: ضَيَّعَكَ اللَّهُ كَمَا ضَيَّعْتَنِي، حَتَّى إِذَا كَانَتْ حَيْثُ شَاءَ اللَّهُ لُفَّتْ كَمَا يُلَفُّ الثَّوْبُ الْخَلَقُ، ثُمَّ ضُرِبَ بِهَا وَجْهُهُ۔[167]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جو نمازوں کو ان کے وقت پر پڑھے، وضو خوب اچھی طرح کرے پھر نماز کو اسطرح مکمل کرے کہ قیام، خشوع، رکوع اور اس کا سجود مکمل ہو تو نماز نہایت روشن و چمکدار بن جاتی ہے اور کہتی ہے کہ اے نمازی اللہ تعالیٰ تیری اسطرح حفاظت فرمائے جیسے تو نے میری حفاظت فرمائی اور جو نماز کو بے وقت پڑھے اس کے لئے وضو بھی اچھی طرح سے نہ کرے اور نماز کے خشوع ورکوع و سجود کو پوری طرح مکمل نہ کرے تو وہ نماز سیاہ رنگ اور اندھیرا بن کر کہتی ہے کہ نمازی اللہ تجھے ایسے ضائع کرے جیسے تو نے مجھے ضائع کر دیا جب تک اللہ چاہے۔ پھر وہ نماز ایک پرانے کپڑے کی صورت لپیٹ کر اس کے منہ پر ماری جاتی ہے۔ العیاذُ باللہ۔

2) عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ الرَّجُلَ لَيَنْصَرِفُ وَمَا كُتِبَ لَهُ إِلَّا عُشْرُ صَلَاتِهِ تُسْعُهَا ثُمْنُهَا سُبْعُهَا سُدْسُهَا خُمْسُهَا رُبْعُهَا ثُلُثُهَا نِصْفُهَا ۔[168]

حضرت عمّار بن یاسرؓ روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ آدمی نماز سے فارغ ہوتا ہے تو اس کے لئے ثواب کا دسواں، نواں، آٹھواں، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھائی، تہائی یا آدھا حصّہ ثواب لکھا جاتا ہے۔

3) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَسْوَأَ النَّاسِ سَرِقَةً الَّذِي يَسْرِقُ صَلَاتَهُ ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَيْفَ يَسْرِقُهَا؟ قَالَ: لَا يُتِمُّ رُكُوعَهَا وَلَا سُجُودَهَا۔[169]

---

[167] المعجم الاوسط الطبرانی وغیرھم

[168] ابو داؤد کتاب الصلاۃ ابواب تفریع استفتاح الصلاۃ باب ماجاء فی نقصان الصلاۃ والنسائی وابن حبان

[169] مصنف ابن ابی شیبہ باب فی الرجل ینقص صلاتہ

عبد اللہ بن ابی قتادہؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا سب سے بُرا چور نماز کا چور ہے پوچھا جناب وہ کیسے؟ تو فرمایا کہ نہ وہ نماز کا رکوع پورا کرتا ہے اور نہ سجود۔

4) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِيْ هٰهُنا وَ اللهِ مَايَخْفٰى عَلَيّ رُكُوعُكم وَلَاخُشُوْعُكُمْ وَ انِّيْ لَاَراكُمْ وَرَآءَ ظَهْرِيْ ۔[170]

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم دیکھتے ہو کہ (دورانِ نماز) میرا منہ قبلہ کی طرف ہے۔ خدا کی قسم مجھ سے تمہارا رکوع اور خشوع پوشیدہ نہیں ہوتا اور میں تو بے شک اپنی پیٹھ پیچھے سے بھی تم کو دیکھتا ہوں۔

اسی روایت کی تائید میں وہ روایت بھی ہے جس میں حضور ﷺ فرماتے ہیں:

اِنّی اریٰ مالاترون انّی اَسمعُ مالاتسمعون۔ 171

میں بلاشبہ وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھ پاتے اور وہ کچھ سنتا ہوں جو تم نہیں سن پاتے۔

اسی کی تائید میں وہ حدیث بھی ہے جس میں ایک دن صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں جناب کا چہرہ نبوت مُتغیّر ہوا اور فرمایا جب سے دنیا بنی ہے ایک پتھر جہنم میں لُڑھکایا گیا تھا اور آج جا کر اس کی تہہ میں گرا ہے۔ اس کی تائید وہ مشہور حدیث بھی کرتی ہے جسے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے فضائل اعمال کے باب فضائل نماز میں نمبر 7 حدیث کی تشریح میں یوں لکھا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ شانہ کی بہترین صورت میں زیارت کی مجھ سے ارشاد ہوا کہ محمد ﷺ مَلاءِ اَعلٰی والے فرشتے کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں میں نے عرض کیا مجھے تو علم نہیں تو حق تعالیٰ شانہ نے اپنا دستِ مبارک میرے سینہ پر رکھ دیا جس کی ٹھنڈک سینہ کے اندر تک محسوس ہوئی اور اِس کی برکت سے تمام عالم مجھ پر مُنکشف (ظاہر) ہوگیا الخبر۔

اب گزارش ہے کہ اس حدیث سے یہ تو ثابت ہوا کہ اللہ کریم کے دستِ قدرت کی تاثیر سے جناب کا سینہ یوں منور ہوا کہ اس پر پورا جہاں عیاں ہوگیا اب سوال یہ ہے۔ کہ سارا جہان رب پر

---

[170] بخاری کتاب الاذان باب الخشوع فی الصلوۃ

[171] ریاض الصالحین

بھی عیاں ہے اور حضور ﷺ پر بھی عیاں ہو گیا تو کیا شرک فی العلم لازم آیا؟ ہر گز نہیں کہ اللہ پر از خود عیاں تھا اور حضور ﷺ پر اللہ پاک کے دست قدرت وعطا سے ظاہر ہوا یہ کہ علم الٰہی کی حدود جہان تک محدود نہیں بلکہ لا محدود ہیں لہٰذا شرک صوری بھی لازم نہیں آیا دوسری گزارش یہ ہے کہ پورے جہان کا جناب ﷺ پر عیاں ہونا تو ثابت ہو گیا اب اس ثابت کردہ کونسی حدیث سے ثابت ہے۔ کیا رب کی عطا اور ہاتھ کی قدرت کا اثر صرف چند لمحوں کیلئے تھا اور بعد میں جناب پر پھر اندھیرا چھا گیا۔ ہر گز نہیں حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک کی کئی مثالیں احادیث میں ہیں کہ جناب کے ہاتھ کے مس کا اثر ہمیشہ رہا تو رب کے ہاتھ کی تاثیر بارے عقیدہ کمزور کیوں ہو۔ مولانا اشرف علی تھانوی نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب فصل اوّل نُور محمدی کے بیان میں پانچویں روایت مشکوٰۃ اور بخاری کے حوالے سے بروایت عبد اللہ عمرو بن العاصؓ لائے ہیں کہ تورات میں آپ کی یہ صفت لکھی ہے اے پیغمبر ہم نے تم کو بھیجا ہے اُمّت کے حال کا گواہ بنا کر: اب امت پورے جہان میں قیامت تک پھیلی ہے اس کے حال کے گواہ ظاہر ہے لاعلمی میں تو نہیں ہو سکتے تو ثابت ہوا کہ جملہ جہان میں پھیلی امت کے حال کی کل بھی خبر تھی آج بھی ہے اور یہ بات ناقابل فہم نہیں بلکہ اُسی دستِ قدرت کا فیض ہے جو اوپر حدیث میں ذکر ہوا۔ اسی بنا پر حضور ﷺ فرماتے ہیں میرے لئے پوری روئے زمین ہاتھ پر رکھی چیز کی طرح عیاں ہے۔

ایسا کشف کمال بعض اوقات اولیآء کے لئے بھی ثابت ہے پھر سید الانبیآء کے کشف کا کیا ہو گا۔

5۔ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أُمِّ رُومَانَ، قَالَتْ: رَآنِي أَبُو بَكْرٍ أَتَمَيَّلُ فِي الصَّلَاةِ فَزَجَرَنِي زَجْرَةً كِدْتُ أَنْصَرِفُ مِنْ صَلَاتِي. ثُمَّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيُسَكِّنْ أَطْرَافَهُ وَلَا يَتَمَيَّلُ تَمَيُّلَ الْيَهُودِ فَإِنَّ تَسْكِينَ الْأَطْرَافِ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ [172]

اُم رومان زوجہ ابو بکرؓ سے روایت کہ ابو بکر نے مجھے نماز میں ادھر ادھر جھکتے دیکھا تو مجھے اتنا شدید ڈانٹا کہ میں نماز توڑنے کے قریب ہو گئی پھر فرمایا میں رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ تم میں سے جب کوئی نماز میں کھڑا ہو تو اطرافِ بدن کو پوری طرح پر سکون رکھے اور یہود کی طرح ادھر ادھر نہ جُھکے کیونکہ اعضاءِ بدن کا پور سکون رکھنا نماز کی تکمیل سے تعلق رکھتا ہے۔

[172] حلیۃ الاولیاء الجزء 9 ص 304

6﴾حَتَّى إِذَا قَضَى التَّثْوِيبَ أَقْبَلَ، حَتَّى يَخْطِرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ، يَقُولُ: اذْكُرْ كَذَا، اذْكُرْ كَذَا، لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ لاَ يَدْرِي كَمْ صَلَّى۔ [173]

جب اقامت ختم ہو جاتی ہے اور نمازی نماز شروع کرتا ہے تو شیطان بندے اور اس کے نفس کے درمیان آکر اس کو کہتا ہے فلاں کام یاد کر، فلاں بات یاد کر اور اس کو وہ کچھ یاد دلاتا ہے جو اس کو یاد نہیں ہوتا یہاں تک کہ نمازی اس کے زیر اثر اتنا آجاتا ہے کہ اس کو یہ تک یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھ لی ہیں۔

یہ ایک حدیث کا متعلقہ حصہ ذکر کیا پوری حدیث اذان کے بیان میں پہلے گزر چکی۔

اب نماز شروع کریں اللہ تعالیٰ آپ کو مقبول نماز پڑھنے کی توفیق دے

جب آپ نماز کے صحیح وقت ، بدن کی پاکی ، کپڑوں اور جگہ کی پاکی کا یقین کر لیتے ہیں تو قبلہ رو کھڑے ہوتے ہیں۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَه [174]

اب پھیر لو اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف اور جہاں کہیں تم ہو تو پھیر لیا کرو اپنے مُنہ اس کی طرف۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا۔ [175]

اور قوم کے لئے ایک طرف مقرر ہے وہ اسی کی طرف منہ کرتی ہے۔

اذا قمتَ الی الصلوٰۃ فَاسبغ الوضؤ ثمّ استقبل القبلۃ فکبِّر۔ [176]

حضور ﷺ نے ایک صحابی کو تعلیم فرمائی کہ جب تو نماز کے لئے اُٹھے تو اچھی طرح وضو کر پھر قبلہ رُو ہو کر تکبیر تحریمہ پڑھ۔

---

[173] بخاری کتاب الاذان باب فضل التاذین

[174] البقرہ۔144

[175] البقرہ۔148

[176] الحدیث، مسلم نسائی، ابوداؤد، بخاری وغیرھم

فصلّی مع النبی ﷺ رجلٌ ثمّ خرج بعدَ ماصلّی فمرّ علی قومٍ من الانصار فی صلوٰۃ العصرِ یُصلّون نحو بیت المقدس فقال ھو یشھد انّہ صلّی مع رسول اللہ ﷺ وانّہ توجّہ نحو القبلۃِ فتحرّف القوم حتّٰی توجّھُوا نحو الکعبۃِ۔ [177]

ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی پھر بعد از نماز اس کا گزر انصار پر ہوا جو نماز عصر بیت المقدس کی طرف منہ کیے پڑھ رہے تھے تو کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قبلہ (بیت اللہ) کی طرف منہ کیے نماز پڑھی ہے تو قومِ انصار کعبہ کی سمت مڑ گئے۔

دو موقعوں پر عذر کی بنا پر قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں:۔

دوران سفر نوافل:۔

عَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ، حَيْثُ تَوَجَّهَتْ فَإِذَا أَرَادَ الفَرِيضَةَ نَزَلَ فَاسْتَقْبَلَ القِبْلَةَ۔ [178]

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر نماز (نوافل) پڑھتے تھے اس کا رخ جدھر بھی ہوتا اور جب فرائض پڑھنا چاہتے تو اُتر کر قبلہ رو ہو جاتے تھے۔

نماز خوف:۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ نَحْوًا مِنْ قَوْلِ مُجَاهِدٍ: إِذَا اخْتَلَطُوا قِيَامًا، وَزَادَ ابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ، فَلْيُصَلُّوا قِيَامًا وَرُكْبَانًا۔ [179]

عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مجاھد کے قول کی طرح روایت ہے کہ جب دونوں لشکر آپس میں گتھم گتھا ہو جائیں تو نماز کھڑے کھڑے ہی ادا کر لیں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی روایت کیا کہ اگر کفار کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ ہو تو مسلمان کھڑے کھڑے اور سواری پر ہی ادا کر لیں۔

---

[177] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب التوجہ نحو القبلۃ

[178] بخاری أبواب القبلۃ باب التوجہ نحو القبلۃ حیث کان

[179] بخاری کتاب الصلوٰۃ الخوف باب صلوٰۃ الخوف رجالا و رکبانًا

نوٹ:۔

ظاہر ہے کہ عین جب جنگ جاری ہو اور دشمن کے مقابلہ میں تعداد بھی کم ہو تو باقاعدہ طور پر عام طریقہ سے نماز پڑھنا اور دشمن کی طرف پیٹھ کرنا اور قبلہ رخ ہونا خودکشی کے مترادف ہے جو اسلام کا حکم نہیں ہو سکتا پھر جب سواری پر بھی صلوٰۃ الخوف جائز ہوئی تو لازم نہیں کہ سواری قبلہ رُو ہی کھڑی رہے لہذا یہاں قبلہ کی شرط یوں ساقط ہوئی جیسے قیام و سجود وغیرہ جیسے عام مریض کے لئے عذرِ مرض کی وجہ سے قیام ساقط ہو جاتا ہے جو کہ شرطِ نماز ہے اسی طرح عذر کی وجہ سے ممکن نہ ہو تو حالت جنگ میں صلوٰۃ الخوف کے دوران قبلہ کی شرط بھی ساقط ہو جاتی ہے۔ کوشش رہے کہ ابتداء میں قبلہ رُو ہوں۔

حافظ عمران ایوب لاہوری کا تسامح:۔

مولانا حافظ عمران ایوب صاحب لاہوری نے اپنی تالیف "نماز کی کتاب" میں مُستقبلی القبلۃ وغیر مُستقبلیھا کے الفاظ کا اضافہ کیا اور بخاری کا مذکورہ بالا حوالہ دیا جبکہ بخاری کے مذکورہ بالا حوالہ پر یہ الفاظ نہیں ملتے۔ جو ملتے ہیں وہ میں نے اوپر ذکر کر دیئے ممکن ہے کہیں دوسری جگہ سے لیے گئے ہوں بخاری میں یہ الفاظ نہیں ہیں ملاحظہ ہو مولانا کی تالیف "نماز کی کتاب" نماز کی شرائط کا بیان صفحہ نمبر 98 پر۔ یہ مولانا اہل حدیث ہیں۔

نماز کے شروع میں نیت کا مسئلہ:۔

جب آدمی کوئی کام شروع کرتا ہے تو پہلے اس کے دل پر ایک خیال ارادے کی شکل اختیار کرتا ہے کوئی کام بھی بغیر ارادے اور نیّت کے نہیں کرتا لہذا نمازی جب نماز پڑھنا شروع کرتا ہے تو لازمًا اس کے دل میں ایک نیّت از خود وجود پاتی ہے جب نیّت پائی گئی تو احناف نے اس کو ذکر کرنا لازم نہ سمجھا اور فقہ میں اس کو اتباعِ حدیث کی بنا پر ذکر نہیں کیا کیونکہ جتنی احادیث نماز کے حوالے سے آپ فرما رہے ہیں تمام میں کبّر یعنی تکبیر تحریمہ سے نماز شروع کرنے کی بات ہے کہیں ضعیف حدیث سے بھی ثابت نہیں کہ حضور ﷺ نے خود نیّت کی یا کسی کو تعلیم فرمائی۔ یہی حالت قرآنی آیات کی ہے کہ وضو، غسل وغیرہ کی بات تو ہے

مگر نیت کی نہیں۔ اگر کسی کا دعوی ہو کہ نیّت شرط ہے تو وہ بلا دلیل عمومی نیّت سے استدلال کرے گا خاص نماز کے لئے نیّت کا شرط ہونا حدیث میں نہیں ملتا۔

طریقہ نماز

یہاں پہلے احناف کا طریقہءِ نماز اوّل تا آخر بیان کیا جائے گا۔ اور پھر بعد ازاں اہلِ حدیث کا طریقہ نماز بھی بیان ہوگا تاکہ فرق واضح ہو۔

نماز کا طریقہءِ اَحناف:۔

و اذا دَخلَ الرَّجُلُ فی صلوٰتہٖ کبّرو رفع یدیۃِ مع التکبیرحتّٰی یُحاذی بابھامَیہِ شَحمۃ اُذُنیہِ فانُ قال بدلًا من التکبیراللهُ اَجلّ او اَعظمَ او الرحمٰن اکبر اَجزأہٗ عند ابی حنیفۃ و محمدٍ رحمهما الله تعالیٰ وقال ابویوسف رحمہٗ الله تعالیٰ لایجوزُ الّا ان یقول الله اکبر او الله الاکبر اَو الله الکبیرو یعتمد بیدہٖ الیُمنٰی علی الیُسریٰ و یَضَعُھما تحت السرّۃِ ثمّ یقول سُبحانك اللّٰھمّ و بحمدك و تبارك اسْمُك و تعالیٰ جدّك ولا الہ غیرك و یَسْتعیذُ باللّٰہِ من الشیطان الرجیم و یقرأ بسم الله الرحمٰن الرّحیم و یُسرّ بھما ثمّ یقرأ فاتحۃَ الکتاب و سورۃ معھا او ثلث اٰیاتٍ من ایّ سورۃٍ شأ و اذا قال الامام ولا الضالین قال اٰمین ویقولھا المؤتم و یخفیھا ثمّ یکبّرو یرکع ویعتمد بیدیہ علی رُکبتیہ و یفرج اصابعہ و یبسط ظھرہٗ ولا یرفع رأسہٗ ولا ینکسہٗ ویقول فی رکوعہِ سبحان ربیّ العظیم ثلثًا و ذٰلك ادناہٗ ثمّ یَرفع رأسہٗ ویقول سمع الله لمن حمدہٗ ویقول المؤتم ربنا لك الحمد فاذا استوٰی قائمًا کبّرو سجدَ و اعتمد بیدیہ علی الارض ووضع وجھہ بین کفّیہِ و سجد علی انفہ وجبھتہِ فان اقتصر علی احدھما جاز عند ابی حنیفۃ رحمہٗ الله تعالیٰ وقالا لایجوز الاقتصار علی الانف الا من عُذرٍ فان سجد علی کور عمامتہِ او علی فاضل ثوبہ جاز و یبدی ضبعیہ ویجافی بطنہ عن فخذیہ وَیُوجہ اصابع رجلیہ نحو القبلۃِ ویقول فی سجودہِ سبحان ربیّ الاعلیٰ ثلاثًا و ذٰلك ادناہٗ ثمّ یرفع رأسہٗ ویکبِّر و اذا اطمأنّ جالسًا کبر وسجد فاذا اطمأنّ ساجدًا اکبّر و استوٰی قائمًا علی صدورِ قدمَیہِ ولا یقعد ولا یعتمد بیدیہِ علی الارض ویفعل فی الرکعۃ الثانیۃِ مِثلَ ما فَعل فی الاولیٰ الّا انّہ لا یستفتح ولا یتعوّذ ولا ولا یرفع یدیہ الّا فی التکبیرۃ الاولیٰ فاذا رفع رأسہٗ من السجدۃ الثانیۃ فی الرکعۃ الثانیۃ افترش رجلہ الیُسریٰ مجلس علیھا و نصبَ الیمنٰی نصبًا و وجّہَ اصابعہٗ نحو القبلۃِ و وضع یدہِ علیٰ فخذیہ ویبسط اصابعہ ثمّ یتشھد و التشھدُ ان یقول اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلیٰ عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرُسُوْلُہٗ ولا یزید علی ھذا فی القعدۃ الاولیٰ و یقرأ فی الرکعتین الاخریین بفاتحۃ الکتاب خاصۃ فاذا جلس فی اٰخر الصلوٰۃ

جلس کما جلسَ فی الاولیٰ وتشهد وصلی علی النبی ﷺ و دعا بما شآء ممایشبة الفاظ القرآن والادعية الماثورة ولایدعو بما یُشبهُ کلام الناس ثمّ یُسلِّمُ عن یمینہٖ ویقول السلام علیکم و رحمة الله ویسلم عن یسارہِ مثل ذلك۔ [180]

ترجمہ طریقہ نمازِ حنفی:۔

جب آدمی نماز میں داخل ہونا چاہے تو تکبیر تحریمہ کہے اور تکبیر کے ساتھ ہی دونوں ہاتھ اتنے بلند کرے کہ دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے دونوں کانوں کے لَو (نچلا نرم حصّہ) کے برابر ہو جائیں پھر اگر الله اکبر کی بجائے الله اجل یا الله اعظم یا الرحمن اکبر کہہ دے تو بھی درست ہے (کہ معنی ایک ہے) یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے جبکہ ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ صرف الله اکبر، الله الا کبر اور الله الکبیر بھی جائز ہے۔

پھر دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھ لے پھر کہے سبحانک اللّھمّ یعنی اے الله تو پاک ہے تیری ہی حمد و تعریف ہے اور تیرا نام بابرکت ہے اور تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور پھر تعوذ اور تسمیہ پڑھے مگر دونوں کا (مثلِ ثناء) سِرًّا پڑے پھر فاتحہ الکتاب (سورہ فاتحہ) پھر اس کے ساتھ ہی کوئی سُورت یا کسی بھی سورت سے تین اٰیات پڑھے اور جب امام ولا الضآلین پڑھے تو اٰمین بھی پڑھے اور مقتدی آہستہ سے اٰمین کہے پھر تکبیر کہتا ہوا رکوع کرے اور دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر رکھے اور انگلیاں کھلی رکھے اور پیٹھ کو بچھا دے اور سر کو نہ پیٹھ سے اوپر رکھے اور نہ نیچے (برابر رکھے) اور رکوع میں سبحان ربیّ العظیم کم از کم تین مرتبہ پڑھے۔ پھر سر اٹھائے اور سمع الله لمن حمدہ کہے جبکہ مقتدی ربنا لک الحمد کہے پھر جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کہتا ہوا سجدے میں جائے اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھے اور چہرے کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھے اور ناک اور پیشانی پر سجدہ کرے اگر دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفاء کیا تو بھی ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام محمد و ابو یوسفؒ نے کہا کہ صرف ناک پر سجدہ جائز نہیں سوائے عذر کے۔ پھر اگر اپنی دستار کے بل پر یا فاضل (اضافی) کپڑے پر سجدہ کرے تو جائز ہے اور دونوں کہنیوں کو پہلوؤں سے باہر نکالے اور پیٹ کو رانوں سے الگ رکھے اور دونوں پاؤں کی انگلیاں قبلہ رُخ کرے اور سجدہ میں سبحان ربیّ الاعلی پڑھے تین مرتبہ کم ترین مقدار ہے۔

[180] المُختصر القدوری مُؤلفہٗ الشیخ ابو الحُسین احمد بن محمد بن احمد بن جَعفر البغدادی المتوفّٰی 428 ھجری باب صفة الصلوٰة

پھر سر اُٹھائے اور تکبیر کہتا ہوا اطمینان سے بیٹھ جائے پھر تکبیر کہتا ہوا سجدے میں جائے جب اطمینان سے سجدے کرے تو تکبیر کہتا ہوا قدموں کے پنجوں کے بل بوتے پر سیدھا کھڑا ہوجائے اور اٹھتے ہوئے ہاتھ زمین پر نہ ٹیکے اب دوسری رکعت بھی پہلی رکعت کی طرح ادا کرے مگر دوسری رکعت میں نہ شناء پڑھے اور نہ ہی تعوّذ اور نہ ہی پہلی تکبیر تحریمہ کے بعد پوری نماز میں ہاتھ کسی تکبیر پر بلند کرے پھر دوسری رکعت میں جب دوسرے سجدے سے سر اٹھائے تو اُلٹا پاؤں بچھادے اور اس پر بیٹھ جائے اور دائیں پاؤں کو بالکل سیدھا کھڑا رکھے اور اس کی انگلیاں قبلہ رخ رکھے اور دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے او انگلیاں قدرے کھلی رکھے پھر تشہد پڑھے اور تشہد میں یوں پڑھے تمام تر قولی ،بدنی اور مالی عبادتیں اللہ کے لئے ہیں۔اور اے نبی آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں سلام ہو ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی لائقِ عبادت نہیں مگر اللہ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

قعدہ اُولیٰ میں اس سے زیادہ کچھ نہ پڑھے۔ اور آخری دو رکعتوں میں فاتحہ پڑھے پھر جب آخری نماز میں بیٹھے تو اس طرح کہ جیسے قعدہ اُولی میں بیٹھا تھا پھر وہی تشہد پڑھے پھر نبی ﷺ پر درود پڑھے پھر قرآن وحدیث سے جو چاہے دعا پھڑھے عام لوگوں کی سی کوئی دعا نہ پڑھے دائیں بائیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتا ہوا سلام پھیر دے۔

نماز کا مختصر طریقہ:۔(اہل حدیث)

انسان وضو کرے اپنے ستر کو ڈھانپے قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہوجائے خالص اللہ کیلئے نماز کی نیت کرے دل میں ہاتھوں کو کندھوں یا کانوں کی لو تک اٹھا کے اللہ اکبر کہے اپنے ہاتھ سینے پر اس طرح باندھ لے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر ہو اپنی نگاہیں سجدے کی جگہ پر رکھے۔ پہلے شناء پڑھے پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے بعد سورہ فاتحہ پڑھے اور اس کے ساتھ کوئی سورت پڑھ لے۔ پھر رفع الیدین کرتا ہوا اللہ اکبر کہے اور رکوع میں چلا جائے۔ دورانِ رکوع کمر بالکل سیدھی ہو اور دونوں ہاتھ اس طرح گھٹنوں پر رکھے ہوئے ہوں کہ بازو بالکل سدھے ہوں، رکوع میں سر کمر کے برابر ہونا چاہیئے نہ زیادہ نیچے ہوں اور نہ زیادہ اوپر، رکوع کی تسبحات پڑھے پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر اور رفع یدین کرتے ہوئے سیدھا کھڑا ہوجائے پھر ربنا لک الحمد کہے اور اطمینان سے کھڑا ہوجائے پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے اس طرح سجدہ ریز ہو کہ پہلے زمین پر ہاتھ اور گھٹنے رکھے سجدے

میں سات اعضاء یعنی دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں، دونوں گھٹنے اور چہرہ (پیشانی اور ناک) زمین پر لگے ہونے چاہیں۔ سجدے میں کہنیاں زمین سے بلند او پہلوؤں اور رانوں سے الگ رہیں۔ سجدے کی تسبیحات پڑھنے کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے اپنے بائیں پاؤں کو بچھا کر اور دائیں کو اس طرح کھڑا کر کے کہ انگلیاں قبلہ رخ ہوں پورے اطمینان کے ساتھ بیٹھ جائے اور ربّ اغفرلی یا دوسری دعا پڑھے پھر اللہ اکبر کہے اور اسی طرح دوسرا سجدہ کرے پھر اللہ اکبر کہہ کر اطمینان سے جلسہ استراحت کیلئے قدرے بیٹھے اور پھر اپنے ہاتھوں پر وزن ڈالتا ہوا دوسری رکعت کیلئے کھڑا ہو جائے۔ دوسری رکعت اُسی طرح پڑھے، دوسری رکعت کے دوسرے سجدے کے بعد تشہد کیلئے اس طرح بیٹھے جیسے دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھا تھا اور التحیات پڑھے تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورت ملانا ضروری نہیں، آخر تشہد میں اپنی پشت کو اس طرح زمین پر رکھ کر بیٹھے کہ بایاں پاؤں دائیں جانب سے کچھ باہر آجائے، اس تشہد میں درود ابراہیمی اور اس کے بعد مسنون دعائیں بھی پڑھے مکمل تشہد میں اپنے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت سے اشارہ کرتا رہے اور آخر میں دونوں طرف سلام پھیر دے اور یاد رہے کہ اگر صرف ایک طرف (یعنی دائیں طرف) ہی سلام پھیر دیا جائے تو کفایت کر جاتا ہے۔[181]

مختصر تبصرہ:۔

احناف اور اہل حدیث کا طریقہ نماز پیش کیا گیا امید ہے آپ نے بغور پڑھا ہو گا بحمد اللہ خاصی مناسبت ہے اور جہاں معمولی فرق ہے وہ دونوں کے نزدیک ایسا نہیں جس سے نماز فاسد ہوتی ہو ہاں دونوں کے باریک فرق میں چند چیزیں سامنے آئیں جو یہ ہیں۔

1) ایک ہاتھوں کو زیر ناف باندھتا ہے جبکہ دوسرا سینے پر۔ 2) ایک رکوع جاتے آتے رفع الیدین نہیں کرتا دوسرا رفع الیدین کی بات کرتا ہے۔ 3) ایک نے دو سجدوں کے درمیان ربّ اغفرلی پڑھنے کی بات کی دوسرے نے نہیں۔

4) ایک نے جلسہ استراحت کی بات کی دوسرے نے نہیں کی۔ 5) ایک نے پاؤں کے پنجوں پر بغیر ہاتھوں کو زمین پر ٹیکے اٹھنے کا طریقہ بتایا جبکہ دوسرے نے ہاتھوں کو ٹیک کر اٹھنے کی بات کی۔

---

[181] نماز کی کتاب ، تالیف حافظ عمران ایوب لاہوری باب کیفیۃ الصلٰو ۃ صفحہ نمبر 119

6) ایک انگشت شہادت کو پورے آخری تشہد میں حرکت کی بات کرتا ہے دوسرا نہیں ۔ایسا ہی کوئی معمولی فرق اور بھی ہو گا، مگر احناف کے طریقے میں جماعت کے ساتھ نماز کا طریقہ بیان ہوا۔ کیونکہ جماعت سے نماز پڑھنا عام ہے جبکہ دوسرے بھائی نے منفرد نمازی کا طریقہ بتایا۔ پھر یہ کہ احناف نے تسبیحات رکوع و سجود کی وضاحت بھی کر دی جبکہ اہل حدیث بھائی نے اجمال رکھا پھر فقہ حنفی نے شروع میں نیت کی بات نہیں کی جبکہ دوسرے بھائی نے نیت پر زور دیا۔ دونوں کا بغور جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آئی کہ اہل حدیث نے اس طریقہ کو بیان کرنے میں کسی طرح چند اختلافات لانے کے علاوہ فقہ حنفی کا اتباع کیا ہے کیونکہ کسی ایک حدیث میں یہ پورا طریقہ نظر نہیں آیا البتہ مختلف احادیث کے مجموعہ سے یہ طریقہ ترتیب پاتا ہے جو فقہاء احناف نے اختیار کیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ فقہاء پوری طرح اتباعِ سنت پر کاربند ہیں یہی وجہ ہے کہ پورے طریقہ میں ایک لفظ بھی انہوں نے اپنی طرف سے نہیں لگایا بلکہ جو احادیث کے مجموعہ سے سمجھا پوری دیانت سے پیش کر دیا اور یہی ان کا منصب بھی ہے کہ وہ خود رسول نہیں بلکہ رسول کی تعلیمات عوام تک ٹھیک طور پر پہنچانے والے ہیں۔ مذکورہ معمولی اختلافات پر آگے چل کر ان شاءاللہ بات ہو گی۔ اب احناف کے طریقے پر پوری نماز قرآن و احادیث کی روشنی میں پیش خدمت ہے۔

(1) تکبیر تحریمہ:۔

یہاں تین باتیں سمجھنا ہیں۔ 1۔ تکبیر 2۔ تحریمہ 3۔ ہاتھوں کا بلند کرنا کانوں کی لو تک۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ، وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ۔ [182]

حضرت علیؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز کی کنجی طہارت (وضو، غسل اور تیمم) ہے اور اس کی تحریمہ اللہ اکبر ہے اور سلام پھیرنا بندشِ تکبیر کو کھولتا ہے حلال کرتا ہے۔

تشریح:۔

---

[182] ابوداؤدکتاب الطہارۃ باب فرض الوضوء ، ترمذی ، ابن ماجہ ، اور دارمی نے اس کو روایت کیا

اس حدیث پاک سے تکبیر اولی اور اس کو تحریمہ کہنا بھی ثابت ہوا اور تکبیر اولی سے جو حرمت ثابت ہوئی سلام سے وہ حرمت ختم ہو گئی اور پھر سے آزاد ہو گئے یعنی جو افعال تکبیر تحریمہ سے حرام ہوئے تھے سلام سے حلال ہو گئے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ نماز کیلئے طہارت ضروری ہے مگر نیت کا شروع نماز میں کسی حدیث میں کوئی لفظ نہیں کہ وہ از خود ہو جاتی ہے تو انسان نماز کیلئے اٹھتا ہے۔ عمران ایوب صاحب نے جس عموم سے نیت کو ثابت ولازم ہونے کی بات کی ان میں صرف نماز کی کیا خصوصیت، ہر اچھے کام کو خالص اللہ کی رضا کے ارادے سے کرنا چاہیئے مثلاً نکاح کرو، تب نیت تلاوت کرو، تب نیت اذان دو، تب نیت زکوۃ دو، تب نیت یہ عموم ہے خاص نماز کے لئے الگ سے نیت کی بات، اگر اتنی ہی لازم تھی تو کئی تعلیماتِ نماز کے حوالے سے احادیث سامنے ہیں کسی حدیث میں ایک چھوٹا سا لفظ تو ہوتا۔

پھر یہ لکھ کر حیران کیا کہ دل سے تو نیت کرے مگر زبان سے بدعت ہے۔ اب جو کام دل سے تو کار ثواب ہو وہی اگر زبان پر آجائے اور کار ثواب کا اظہار ہو جائے تو کار عذاب کیوں؟ شاید مزاج شریف میں بدعت بارے غلو پایا جاتا ہے۔ بھائی جان صرف اس کام سے رکنا ہے جس سے رسولِ ذیشان علیہ السلام منع فرمادیں۔

وما اٰتٰکُمُ الرَّسولُ فخذوہُ ومانھٰکم عنہ فانتھُوا۔

اور جو رسول (کریم) تمہیں عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں رک جاؤ۔ تو کیا حضور ﷺ نے کہیں نیتِ نماز کو زبان سے بولنے سے منع فرمایا ہے؟ ہر گز نہیں اپنی طرف سے شریعت بارے احکامات صادر نہیں کرنے چاہیں شریعت وہی کافی ہے جو حضور ﷺ عطا فرما گئے۔ وہ تمام اعمال جن کی منع شریعت میں نہ ہو اور کار خیر ہوں وہ من سنّ فی الاسلام سنۃ حسنۃ کے تحت اچھا طریقہ ہیں بدعت نہیں۔

تکبیر بارے آیاتِ قرآنیہ:۔

1) وربَّكَ فكبِّر۔[183]

---

[183] المدثر -3

اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کر۔

2) وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا۔[184]

اور اس کی بڑائی بیان کرو کمال درجہ کی بڑائی۔

3) وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ[185]

اور اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور تاکہ تم (اس کی بے شمار نعمتوں پر) شکر گزاری کیا کرو۔

نماز کی ابتداء اور پھر اٹھتے بیٹھتے تکبیر کا تکرار انہی آیات میں موجود حکم کی بجا آوری ہے۔

شروع نماز میں ہاتھوں کو کانوں کی لو تک بلند کرنا:۔

1) مالك ابن حويرث ﷺ كان النبی ﷺ اذا كبّر رفع يديه حتى يحاذی أذنيه وفی لفظٍ حتٰى يحاذی بهما فروعَ أذنيه۔[186]

مالک بن حویرث ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب تکبیر فرماتے تو ہاتھوں کو کانوں کے برابر بلند فرماتے اور ایک لفظ یوں ہے کہ کانوں کی لو تک بلند فرماتے۔

2) عَنِ الْبَرَاءِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى قَرِيبٍ مِنْ أُذُنَيْهِ، ثُمَّ لَا يَعُودُ.[187]

حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو کانوں کے قریب تک دونوں ہاتھ مبارک اٹھاتے پھر (پوری نماز میں) نہ اٹھاتے۔

3) عَنِ الْبَرَاءِ الْبَنَقَرَةِ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَاذَى بِهِمَا أُذُنَيْهِ الْبَنَقَرَةِ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ إِلَى شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ حَتَّى فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ۔[188]

---

[184] بنی اسرائیل -111

[185] البقرہ- 185

[186] مسلم ،طحاوی بحوالہ جاء الحق ،دارمی ، بیہقی وغیرھم

[187] ابو داؤد كتاب الصلاة أبواب تفريع استفتاح الصلاة باب من لم يذكر الرفع عند الركوع

[188] دارقطنی

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا جب آپ نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھ کانوں برابر بلند کیے پھر کسی جگہ رفع الیدین نہ کیا کہ نماز سے فارغ ہو گئے۔

نوٹ:۔ چونکہ روایت کاندھوں اور کانوں تک متعارض ہیں تو کانوں تک بلند کرنے سے سب احادیث پر عمل ہو جاتا ہے۔

4)۔ عن وائل بن حجرؓ انّه رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ، ۔ وَصَفَ هَمَّامٌ حِيَالَ أُذُنَيْهِ ۔ ثُمَّ الْتَحَفَ بِثَوْبِهِ[189]

حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے ہاتھ بلند فرمائے اور تکبیر کہی ایک راوی (ہمام) نے فرمایا کہ آپ نے کانوں برابر ہاتھ بلند کیے پھر چادر میں کر لئے ۔

5)۔ ان النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى كَانَتَا بِحِيَالِ مَنْكِبَيْهِ وَحَاذَى بِإِبْهَامَيْهِ أُذُنَيْهِ، ثُمَّ كَبَّرَ[190]

نبی ﷺ نے ہاتھ بلند فرمائے تو ہاتھ کاندھوں برابر اور انگوٹھے کانوں برابر ہو گئے۔

یہ مسئلہ میرے نزدیک باعثِ نزاع نہیں کہ ہاتھوں کو کاندھوں برابر بھی اٹھائیں تو انگوٹھے کانوں برابر ہو جاتے ہیں پھر تھوڑا اوپر نیچے سے فرق بھی نہیں پڑتا اور کانوں کی لو تک مولانا عمران ایوب لاہوری نے بھی تسلیم کیا ہے، مزید طلب ہو تو جاء الحق تنسیق النظام شرح مسند امام اعظمؒ حاشیہ نمبر 7 صفحہ نمبر 48 کی طرف رجوع کریں۔

شیخ الطائفہ حضرت عبد القادر جیلانیؒ کی رائے۔

آپ فرماتے ہیں۔

ويَرفع يدَيه الى فروع أُذُنيه ۔[191]

---

[189] مسلم کتاب الصلاة باب وضع يده اليمنى على اليسرى بعد تكبيره الإحرام تحت صدره فوق سرته، ووضعهما في السجود على الأرض حذو منكبيه

[190] ابو داؤد کتاب الصلاة. باب رفع اليدين فی الصلاة، عن وائل بن حجرؓ

[191] غنية الطلبين فصل و ينبغی لكلّ مصلّى اب يقدّم الخر صفحہ نمبر 591

ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھائے۔

ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھنا:۔

جب نمازی تکبیر تحریمہ سے فارغ ہو تو ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھ لے حضرت امام ابو حنیفہؒ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو سنت قرار دیتے ہیں اور امام مالکؒ و شافعی واحمد رحمھم اللہ سے بھی ایک ایک قول ایسا ہی منقول ہے۔ ناف پر باندھنے میں یہ حکمتیں بھی نظر آتی ہیں کہ ایک تو فطرت کے مطابق ہے کہ ہاتھ اس سے نیچے تو باندھے ہی نہیں جا سکتے یہاں خود بخود ہاتھ رک جاتے ہیں روک کر رکھنا نہیں پڑتا جیسا کہ سینہ پر دوسرا یہ کہ سینہ پر باندھنے سے کہینیاں ادھر ادھر نکل کر جماعت میں ساتھ کھڑے نمازیوں کی تکلیف کا باعث بھی ہونگی اور نمازی اچھی طرح مل کر بھی کھڑے نہ ہو سکیں گے۔ ممکن ہے جن روایات میں سینے پر باندھنے کی بات ہے وہ حضور ﷺ کی انفرادی نماز ہو ناف پر ہاتھ باندھنے کے دلائل درج ذیل ہیں

۔

1)۔ عن وائل بن حجر قال رأیت رسول اللہ ﷺ وضع یمینہٗ علی شمالہٖ تحت السرّۃ۔ [192]

حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو ناف کے نیچے دایاں ہاتھ بائیں پر رکھے دیکھا۔

ابن ابی شیبہ کی یہ روایت صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

2)۔ عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَخْذُ الْأَكُفِّ عَلَى الْأَكُفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔ [193]

ابو وائلؓ نے کہا کہ نماز میں ناف کے نیچے ہتھیلی پر ہتھیلی رکھنی چاہیئے۔

جب ہتھیلی پر ہتھیلی رکھ کر ہاتھوں کو آزاد چھوڑیں تو زیرِ ناف ہی رکھتے ہیں۔

3)۔ عن علیؓ انّ من السنّۃ فی الصلوۃ وضع الکف وفی روایۃ وضع الیمین علی الشمال تحت السرّۃ۔ [194]

---

192 ابن ابی شیبہ

193 ابوداؤدکتاب الصلاۃ باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاۃ

194 رواہ دارقطنی و ابوداؤدکتاب الصلاۃ باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاۃ

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہنماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اور ایک روایت میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔

نوٹ:۔ ایک روایت کو جب دوسری روایت تائید دے رہی ہو تو ضعف ناقابلِ سماعت ہے خاص کر جب عقیدہ نہیں ایک عمل ثابت کیا جارہاہو۔

4)۔ عن ابن حزم ﷺ عن انسٍ ﷺ انه قال من اخلاق النّبويةِ وضع اليمين على الشمال تحت السرّة۔[195]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ناف نیچے دایاں ہاتھ بائیں پر رکھنا اخلاق نبوت سے ہے۔

5)۔ عن سهل بن سعد ﷺ قال كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنَى عَلَى ذِرَاعِهِ الْيُسْرَى فِي الصَّلاَةِ قَالَ أَبُو حَازِمٍ لاَ أَعْلَمُهُ إِلَّا يَنْمِي ذَلِكَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔[196]

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھیں اور ابو حازم نے کہا مجھے معلوم ہے یہ بات نبی ﷺ سے منقول ہے۔

بخاری میں اس روایت کے علاوہ اس مسئلہ پر کوئی دوسری روایت نہیں جبکہ اس روایت میں سینہ یا ناف کا کوئی تعین نہیں ہاں ہاتھ اگر ناف نیچے بھی باندھیں تو بھی ایک ہاتھ دوسرے کی کلائی پر آجاتا ہے کہ کلائی ہاتھ سے نیچے تک ہے احناف کے معمول میں زیرِ ناف ہاتھ کلائی پر ہی ہوتا ہے۔ باقی حضور ﷺ سے مشہور احادیث بخاری و مسلم وغیرہ میں نماز کے طریقے بارے ہیں ان میں اس کا ذکر تک نہیں۔ لہٰذا اس عمل پر طرفین کو شدت ظاہر کرنے کی قطعاً حاجت نہیں۔

سینے پر ہاتھ باندھنے پر امام شافعیؒ بھی صحیح حدیث سے استدلال فرماتے ہیں جس پر احناف کا عمل اس طرح ہے کہ عورتیں سینہ پر ہاتھ باندھتی ہیں۔ لہٰذا احناف کا عمل سینہ اور زیرِ ناف دونوں احادیث پر ہے کہ مرد زیرِ ناف اور عورتیں سینہ پر ہاتھ باندھ کر عمل کر لیتی ہیں۔

---

[195] دارقطنی ، وابو داؤد کتاب الصلاۃ باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاۃ

[196] بخاری ج1 کتاب الاذان باب وضع الیمنی علی الیسرٰی فی الصلوٰۃ

شناء اور اس کا ثبوت:۔

چونکہ حضور ﷺ سے یہ عمل تواتر سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ تمام خطبوں کی ابتداء شناء باری تعالیٰ سے فرماتے تھے جیسے خطبہ جمعہ وعیدین وغیرہ اور حق بھی یہی ہے کہ اللہ کریم کی حمد وستائش اور تعریف و توصیف مقدم ہو جبکہ نماز در اصل ہے ہی بارگاہ رب العزت میں حاضری تو یہاں بدرجہ اولیٰ لازم ہے کہ پہلے حصّے میں شناءِ باری تعالیٰ کی جائے اور یہی عمل رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

1۔ عن ابی هريرة ﷺ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَبَيْنَ القِرَاءَةِ إِسْكَاتَةً ـ قَالَ أَحْسِبُهُ قَالَ: هُنَيَّةً ـ فَقُلْتُ: بِأَبِي وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ، إِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَالقِرَاءَةِ مَا تَقُولُ ﷺ قَالَ: سُوَرَةُ أَقُولُ: اللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ۔۔۔۔۔۔۔ الخ[197]

حضرت ابو ہریرہؓ نے بتایا تھوڑا سا سکوت فرماتے تو میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ قربان ہوں جناب پر آپ تکبیر وقراۃ میں سکوت فرماتے ہیں اس دوران آپ کیا پڑھتے ہیں تو جناب نے فرمایا کہ میں یہ دعا پڑھتا ہوں۔

اس سے ماقبل روایت بخاری میں ہے کہ ابو بکر و عمرؓ اپنی نماز کا آغاز الحمد للہ رب العلمین سے کرتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابو بکر و عمرؓ جہری تلاوت کا آغاز الحمد سے کرتے تھے اور یہی سنتِ نبوی ﷺ بھی ہے نہ یہ کہ وہ شناء ہی نہ پڑھتے تھے۔ امام بخاریؒ نے ان دونوں راویات کو ایک جگہ رکھ کر عام پڑھنے والے انسان کو تردد وشک میں توڈال دیا اور احادیث کے درمیان مناسب تطبیق اس لئے نہ دی کہ ان کا منصب صرف روایات لانا ہے تطبیق ومسائل کا اخراج نہیں۔

2۔ حضرت سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نماز کے شروع میں نماز کے اندر یہ پڑھتے تھے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ ـ ،[198]

---

197 بخاری کتاب الاذان باب مایُقرأ بعد التکبیر

198صحیح ابو داؤد ،کتاب الصلوٰۃ باب من رأی الاستفتاح بِسُبحانک اللّٰھمّ و بحمدک۔۔۔ الخر الترمذی ،ابن ماجہ

حضرت سیدہ عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نماز میں اس طرح پڑھتے تھے۔اے اللہ تو (ہر عیب سے) پاک ہے تیری ہی حمد و تعریف ہے تیرا نام برکت و شان والا ہے اور تیری شان ہی بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود (قابلِ عبادت) نہیں۔

نوٹ:۔ گو حضور ﷺ سے اس مقامِ دعا پر احادیث میں دوسری دعائیں بھی منقول ہیں مگر جناب سیدہ عائشہؓ کی طرح امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے مقلدین مذکورہ الفاظِ ثناء کو ترجیح دیتے ہیں اس لیے کہ ثناء کو دعا پر تقدم حاصل ہے پھر ثناء میں یہ الفاظ انتہائی آسان مگر جامع الثناء ہیں قرآن کی سینکڑوں آیات پر عمل بھی ہو جاتا ہے جو ثناء ربانی کے مطالب پر دلالت کرتی ہیں اور نماز سے مقصود بھی زیادہ فرموداتِ ربانی کی تعمیل ہے اور شیخ الطائفہ عبدالقادر جیلانیؒ بھی یہی فرماتے ہیں اپنی تصنیف غنیہ الطالبین ص591 نماز کے اداب فصل ق ینبغی لکل مصلی۔۔الخ میں ہے کہ مذکورہ ثناء پڑھے۔

ایک اصولی بات:۔

اکثر نماز بارے مابین اختلافات کی حیثیت راجح مرجوح کی ہے جواز و عدم جواز کی نہیں۔لہذا اپنی رائے پر عمل کرتے ہوئے دوسری آراء کو خوش اسلوبی سے برداشت کریں کہ اس کا اصلًا انکار نہیں صرف ہمارے نزدیک جو راجح ہوتا ہے پیش کر دیتے ہیں۔زندگی بھر دوسری رائے سے آنے والی حدیث کو اتنا ہی احترام دیں جتنا آپ اپنی رائے پر پیش کی جانے والی حدیث کو دیتے ہیں اس لئے کہ یہ احترام صرف احادیث کا ہی نہیں بلکہ درحقیقت اُس نبی محترم ﷺ کا ہے جس کی یہ احادیث ہیں آپ نے اعمال کو مختلف انداز میں کرکے ہمارے لئے آسانی کا راستہ کھلا رکھا ہم نے اس آسانی سے غلط فائدہ اٹھا کر ان اعمال کو متعارض تصور کرتے ہوئے اختلافِ امت کا سبب بنا دیا۔العیاذ باللہ۔

ثناء کے بارے میں علامہ شوکانیؒ کی رائے:۔

علامہ شوکانیؒ جو اہل حدیث طبقہ کے جیّد عالم دین ہیں وہ اپنی تالیف السیل الجرار میں فرماتے ہیں کہ بلا تردّد یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ پہلی تکبیر کے بعد دُعائے استفتاح پڑھتے تھے اور قراۃ کی ابتداء سے پہلے تعوّذ بھی پڑھتے تھے۔

ثناء باری آیات مبارکہ:۔

(1) دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ[199]

اہل جنت کی وہاں صدا یہ ہوگی پاک ہے تو اے اللہ اور ان کی دُعا یہ ہوگی "سلامتی ہو" اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو۔

(2) سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ[200]

پاک ہے آپ کا رب جو عزّت کا مالک ہے ان باتوں سے جو وہ کیا کرتے ہیں۔

(3) قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ[201]

عرض کیا فرشتوں نے:۔ ہر عیب سے پاک (اے اللہ) تو ہی ہے۔ کچھ علم نہیں ہمیں مگر جتنا تو نے ہمیں علم سکھادیا۔

(4) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ۔[202]

اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے۔

(5) فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ[203]

سو پاکی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو۔

(6) سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ۔[204]

(ہر عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے (خاص) بندے کو۔

---

[199] یونس-10

[200] الصّٰفّٰت-180

[201] البقرہ-32

[202] النصر

[203] الروم-17

[204] بنی اسرائیل-1

چند مزید کتب کا حوالہ:۔

احادیث کی چند مزید کتب کا حوالہ پیشِ خدمت ہے جن میں مذکورہ مشہور ثناء کے الفاظ ہُو بہُو ملتے ہیں۔

ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب مایقول عند افتتاح الصلوٰۃ حدیث نمبر 240

مستدرک باب التّامین عن عائشہؓ۔ تحفۃ الاحوذی باب مایقول عند افتتاحِ الصلوٰۃ حدیث نمبر 241

نسائی عن ابی سعید خدریؓ رقم 894۔ ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوۃ باب افتتاحِ الصلوٰۃ

کنز العمال، مجمع الزوائد معجم الطبرانی ابکبیر عن حکم بن عمیر

کوئی ڈیڑھ سو حوالوں سے ثناء کے بعینہ یہی الفاظ پچاس کتب احادیث کے متن میں ہے شرح اس کے علاوہ ہیں۔ حیرت ہے امام بخاریؒ پر جس پر تواتر سے عملِ امت جاری ہے۔ امام بخاریؒ نے نام تک نہیں لیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ بخاری میں کسی روایت کا نہ ہونا قطعاً معیوب نہیں۔

اللہ جل شانہ سب محدثین و فقہاء کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ابن تیمیہؒ نے بالحوالہ ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و عبد اللہؓ بن مسعودؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثناء کے مروجہ الفاظ نقل کر کے اسی کو حضور ﷺ کا عمومی اور راجح عمل قرار دیا۔ (منتقیٰ تالیف ابن تیمیہؒ)

تعوّذ:۔

یعنی اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

پڑھنا۔ نمازی ثناء کے بابرکت کلمات پڑھنے کے بعد چونکہ اب نماز کے انتہائی اہم حصّہ تلاوتِ قرآن کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس عظیم کتاب قرآن مجید کی تلاوت کے آداب کے پیش نظر حکم خداوندی کے تحت اب تعوذ پڑھ کر شیطان مردود سے بچنے کے لئے اللہ تعالٰی کی پناہ کا محتاج ہے تاکہ شیطان وساوسِ لغویہ سے نماز کے اس اہم ترین حصہ کو متاثر نہ کر سکے۔ رب کریم نے حکم دیا۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ[205]

توجب تم قرآن کی تلاوت کرنے لگو تو پناہ مانگو اللہ تعالیٰ سے اس شیطان (کی وسوسہ اندازیوں) سے جو مردود ہے۔ پھر فرمایا:۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ[206]

"(اے قرآن سننے والے) اگر شیطان کی طرف سے تیرے دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگ"۔

حدیث سے ظاہر ہے اور تجربہ بھی گواہ ہے کہ جب انسان نماز شروع کرلیتا ہے تو شیطان اس کے دل کے پاس آکر وسوسہ اندازی کرتا ہے تو اس کو دفع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تعوّذ کا حکم دیا جس کی بجاوری کی یہی موزوں ترین جگہ ہے۔ جو ایت کریمہ میں نے ابھی پیشِ خدمت کی انھی الفاظ سے یہ اٰیت سورۃ الاعراف ایت 201 پر بھی موجود ہے اس جگہ پر اگلی ایت ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ[207]

بے شک جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں جب چھوتا ہے انہیں کوئی خیال شیطان کی طرف سے تو وہ (اللہ کو) یاد کرتے ہیں تو فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

یعنی شیطانی وسوسہ دفع ہوجاتا ہے۔ اور وہ ہوش میں آجاتے ہیں۔ یہ اٰیت تعوّذ کی اہمیت کے ساتھ تسمیہ کا بیان بھی ہے جو اعلیٰ ذکر الٰہی ہے۔ یہ دونوں سرّاً پڑھیں۔

تسمیہ:۔

تعوّذ کے بعد نمازی پڑھتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

---

[205] النحل -98

[206] حم سجدہ-36

[207] الاعراف-201

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اس کا نام تسمیہ ہے یہ ایک طرف سورۃ النمل کی ایت نمبر 30 کا جُز ہے نہ کہ پوری آیت۔ جناب سلیمانؑ نے جب بلقیس کے نام نامہ مبارک تحریر فرمایا تو اس کے سر ورق تحریر فرمایا جس سے ظاہر ہے کہ تسمیہ نزولِ قرآن سے قبل بھی آسمانی کتابوں کا حصّہ تھا۔ دوسری طرف یہ تسمیہ ہر سورۃ کا مقدمہ بھی ہے مگر سورۃ کے اندر نہیں باہر الگ سے ہر سورۃ کی ابتداء کی نیت بنتا ہے تو اب چونکہ نمازی سورۃ فاتحہ شروع کر رہا ہے تو اس کے ماتھے کا جھومر بھی یہی تسمیہ ہے اس لئے اسے پڑھے بغیر آگے نہیں جا سکتا۔ مگر چونکہ تسمیہ فاتحہ کے اندر نہیں یہی وجہ ہے کہ باقی اذکارِ نماز کی طرح اس کو سرًّا ہی پڑھا جائے گا تاکہ جہری نمازوں میں جہرًا صرف اور صرف خالص فاتحہ اور پھر قرآن پڑھا جائے کہ اس کی امتیازی شان کو ظاہر کیا جائے۔ جب وہ تسمیہ جو سورۃ فاتحہ کے اوپر شروع میں تحریر ہے اور سورہ نمل کا بھی جز ہے اس کو جب سرًّا پڑھنے پر سب متفق ہیں کہ صرف قرآن ہی اونچا پڑھا جائے تو وہ اٰمین جو فاتحہ کے آخر میں لکھے جانے کی سعادت سے بھی محروم ہے اس کو مثلِ قرآن اُونچا جہر سے پڑھنے کے بارے میں جناب کی رائے کیا ہے۔ امید ہے بات پوری طرح سمجھ آگئی ہو گی باقی بات اپنے محل پر کی جائے گی۔ ہاں تسمیہ کی فضیلت اور خیرات و برکات کثیر ہیں اس میں لفظ اللہ اسم جلالہ اور دواھم صفات رحمانیت جمع ہیں ہر نیک کام اسی کے پڑھنے سے افتتاح پاتا ہے۔ یہاں جو لفظ خالص فاتحہ کا استعمال کیا اس سے مراد یہ ہے کہ تسمیہ فاتحہ کا جزو نہیں کہ وہ صرف سات اٰیات ہیں جن میں تسمیہ نہیں۔ اگر جناب کو میری رائے سے اختلاف ہو تو ملاحظہ ہو قرآن۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ[208]

اور بے شک ہم نے عطا فرمائی ہیں آپ کو سات آیتیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم بھی۔

یہاں یہ تصور نہ پیدا ہو کہ سورۃ فاتحہ قرآن عظیم کے علاوہ ہے اس لئے اس کا بیان الگ ہوا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی شان پورے قرآن سے نرالی ہے اس لئے اس کا بیان شروع میں الگ کیا گیا جیسا کہ سورۃ النباء میں ہے '' يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ''، کہ جس روز روح اور

[208] الحجر -87

فرشتے صف بنائے کھڑے ہونگے۔ یہاں روح الامین کو ملائکہ سے الگ شروع میں بیان کرنا اس کی خصوصیت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہاں لفظِ صفًّا اور ایسے قرآن میں دوسری جگہ کے ایسے ہی الفاظ دوران جماعت صف بندی کی اصل ہیں مگر چونکہ یہ اس بیان کی جگہ نہیں اس لئے ساری اٰیات پیش نہیں کی جاتیں پھر سورۃ فاتحہ کو ایک تو الگ ذکر کرکے اس کی اہمیت کا ظاہر کیا دوسرا مثانی کا لفظ خوب بڑھایا گیا جس کا معنی ہے جو اٰیاتِ فاتحہ باربار پڑھی جاتی ہیں یہ صاف دلیل ہے اس بات کی کہ سورۃ فاتحہ کو ہر رکعت میں ہی پڑھا جاتا ہے فرائض، وتر، سنن ونوافل، جمعہ وعیدین ہر جگہ فاتحہ تلاوت ہوتی ہے۔ فرضوں کی پہلی دو رکعتوں کے علاوہ قرأۃ باقی تو ساقط ہو جاتی ہے جبکہ فاتحہ وہاں بھی پڑھی جاتی ہے۔ کچھ احباب تو صرف نماز جنازہ میں ایک بار پڑھ کر فارغ ہو جاتے ہیں ہم کئی دنوں تک بلکہ کئی مہینوں تک میت کے گھر والوں کے پاس جاکر یہی فاتحہ پڑھ کر باربار دھراتے ہیں کہ قرآن نے اسے مثانی باربار پڑھی جانے والی بتایا اب فرمائیں کہ فاتحہ کو زیادہ کون پڑھتا ہے آپ یا ہم احناف۔ آپ تو صرف ”لاصلوٰۃ الابفاتحۃ الکتاب“ کرتے ہیں ہم یہ بھی کرتے ہیں۔ اور ”لا دُعاءَ الّا بفاتحۃ الکتاب“ کرتے ہیں کہ ہر میّت کے گھر یہی فاتحہ ہی تو جاکے پڑھتے ہیں۔ سورہ فاتحہ کی جامعیت اور بے انتہا برکات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ کو بھی ایسا ہی کرنے اور فاتحہ پڑھنے کی توفیق دے۔

تسمیہ چونکہ فاتحہ کے شروع میں قرآن میں لکھی ہوئی ہے گو الگ سے لکھی گئی ہے اس لئے اس پر دلائل کی حاجت نہیں تعوّذ کی تائید قرآن کے ساتھ احادیث میں ملتی ہے، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور احمد و ابو داوٗد نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے دعا استفتاح یعنی ثناء وغیرہ پڑھتے پھر تعوّذ پڑھتے جس کے الفاظ کچھ مختلف ملتے ہیں مگر آسان اور مختصر یہی ہیں جو معروف ہیں اور یہ حدیث میں بھی اسی طرح ملتے ہیں۔

تعوّذ اور تسمیہ کا نماز میں حکم:۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ان تین ائمہ فقہ کے نزدیک اور امام حسن، امام عطاء، امام ثوریؒ، امام اوزاعی، امام اسحاق اور امام ابن سیرینؒ کے نزدیک نماز میں قرأت سے قبل تعوّذ کا پڑھنا سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جبکہ امام مالکؒ تعوّذ نہ پڑھنے کے قائل ہیں اہل حدیث کے دور حاضر کے معروف عالم دین شیخ ناصر الدین البانیؒ ہر رکعت کے شروع میں اس کے جواز کے قائل ہیں جبکہ

احناف پہلی مرتبہ پڑھنے کو ہی کافی سمجھتے ہیں کہ مجلس ایک ہے لہذا جب تک سلام پھیر کر نئی مجلس نہ ہو ایک مجلس کی رکعتوں میں تکرار کی ضرورت نہیں کہ قرآن میں تعوّذ کا حکم ہے اور حکم تکرار کا تقاضا نہیں کرتا جب پہلی رکعت میں تعوّذ پڑھ لیا تو امر کا تقاضا پورا ہو گیا۔ لہذا تکرار کی ضرورت نہیں۔ امام عطاءؒ امام نخعیؒ اور امام ثوریؒ کا بھی یہی موقف ہے ملاحظہ ہو المجموع جلد 3 صفحہ 326 ۔

جبکہ بسم اللہ شریف تعوذ کے بعد پڑھنا امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مستحب ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ج2) امام شافعیؒ اُسے فاتحہ کی طرح واجب فرماتے ہیں اور امام مالکؒ مکروہ بتاتے ہیں۔ بسم اللہ شریف کو علامہ صدیق حسن خان نے "الروضۃ الندیۃ جلد 1 میں ہر سورۃ کی اٰیت بتایا جبکہ حقیقت اس کے خلاف اسطرح ہے کہ فاتحہ کو قرآن نے خود سات اٰیات بتایا جو کہ بسم اللہ کے بغیر ہی پوری ہو جاتی ہیں الگ اسے ملائیں تو فاتحہ آٹھ اٰیات ہو جائے گی جو درست نہیں کہ قرآن وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا (سات) ہے الْمَثَانِيْ (آٹھ) نہیں۔ دوسری دلیل یہ کہ بخاری کتاب الصلوٰۃ وغیرہ میں صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ابو بکر و عمرؓ اور خود رسول اللہ ﷺ تلاوت کا آغاز (جہرًا) الحمد للہ رب العالمین سے فرماتے تھے تو کیا حضور ﷺ فاتحہ کی پہلی ایت چھپا جاتے ؟ یہی وجہ ہے کہ امام اعظمؒ کی رائے اس بارے میں وزنی اور مبنی بر حق ہے کہ بسم اللہ ہر سورۃ کا جز نہیں اگر ہوتی تو سورۃ کے اندر لکھی بھی جاتی یہ سورۃ نمل کا جز ہے حدِّ فاصل کے طور پر لکھی جاتی ہے۔ ہاں تعوّذ و تسمیہ کو سرًّا ہی پڑھا جائے گا کہ یہی احادیث سے ثابت ہو رہا ہے۔

سُورۃِ فاتحہ کے فضائل:۔

تعوذ و تسمیہ کے بعد چونکہ نمازی سورۃ فاتحہ کی تلاوت کرتا ہے اس لئے اس کے فضائل ذکر کر رہے ہیں کہ نمازی فاتحہ کی عظمت و فضیلت کو تصوّر میں لے کر اس کی تلاوت شروع کرے۔

1) اللہ کریم فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کی آدھی قرأۃ میرے لئے اور ادھی میرے بندے کے لئے ہے۔ جب بندہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن کہتا ہے تو اللہ عزو جل فرماتے ہیں میرے بندے نے میری تعریف کی جب بندہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے میری شناء بیان کی اور جب بندہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْن کہتا ہے تو اللہ جل شأنہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان فرمائی جب بندہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْن کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور

میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے حصّے میں وہی ہے جو وہ مجھ سے مانگے جب وہ اِهْدِ نَا الصِّرٰطَ الْمُسْتَقِيْمo صِرٰطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ o کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرا بندہ جو مانگے اس کے لئے وہی ہے۔[209]

نوٹ:۔ جس طرح امام مسلمؒ نے وجوب فاتحہ کا لفظ استعمال کیا عین اسی طرح احناف کے نزدیک سورۃ فاتحہ کا ہر رکعت میں پڑھنا واجب ہے۔ فاتح خلف الامام پر بحث بعد میں آئے گی۔

2) حضرت سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جبرائیل ﷺ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ انھوں نے اپنے سر پر آواز سُنی اُوپر دیکھا اور کہا یہ آسمان کا ایک دروازہ کھولا گیا ہے جو پہلے کبھی نہیں کھولا گیا پھر اس سے ایک فرشتہ نیچے اترا تو جبرائیلؑ نے حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں عرض کیا یارسول اللہ ﷺ دو نُوروں کی خوشخبری لیجئے جو صرف آپ کو ہی عطا ہوئے آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کیے گئے۔ وہ سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں ہیں۔ آپ ﷺ ان دونوں میں سے جو بھی حرف پڑھیں گے تو اس حرف کے بدلے میں آپ پر عطائیں کی جائیں گی۔[210]

3) سیدنا ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرور عالم ﷺ سیدنا ابی بن کعبؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمھیں ایک ایسی سورت سکھاؤں جو نہ تورات میں نازل ہوئی نہ انجیل و زبُور میں اور نہ ہی اس طرح کی کوئی دوسری سورت خود قرآن میں نازل ہوئی ؟ عرض کیا ضرور فرمایئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم نماز میں کیا پڑھتے ہو؟ تو انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر سنائی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے اس جیسی سورت نہ تورات میں نازل ہوئی نہ انجیل میں نہ زبور میں اور نہ ہی قرآن میں اس جیسی کوئی دوسری سورت نازل ہوئی۔ بے شک یہ سبع مثانی اور قرآن ہے جو مجھے عطا کیا گیا۔[211]

---

[209] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب وجوب قرأۃ الفاتحہ فی کل ربعۃٍ

[210] مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب فضل الفاتحۃ وخواتیم سورۃ بقرۃ

[211] ترمذی کتاب فضائل القرآن باب ماجاء فی فضل فاتحہ الکتاب جلد 4 رقم 2884

4) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوران سفر ایک آدمی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میں تمہیں قرآن مجید کے افضل حصّے کے بارے میں نہ بتلاؤں؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بتایئے تو آپ ؐ نے الحمد للہ رب العالمین کی تلاوت فرمائی۔[212]

نوٹ۔ جو سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کرتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ کوئی اور اس سے افضل کلمات و اٰیات سے دم کرتا ہے وہ بات کو نہیں سمجھا۔ کیونکہ سورۃ فاتحہ سے جب افضل اٰیات کسی آسمانی کتاب میں نازل ہی نہیں ہوئیں تو وہ ایسا گمان کیوں کرے۔ سوائے موت کے ہر ظاہری و باطنی روحانی وجسمانی بیماری کا حل سورۃ فاتحہ میں مُضمر ہے۔ سورۃ فاتحہ بیک وقت اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور بندے کے حق میں دعا ہے اس لئے اللہ کریم نے فرمایا کہ فاتحہ میرے اور بندے کے درمیان آدھی آدھی ہے کہ میری ثناء بھی اور بندے کیلئے دُعا بھی سورۃ فاتحہ کو باقی قرآن پر اس قدر امتیاز و اعزاز دیا گیا کہ ایک تو اس کو تمام سورتوں سے پہلے لایا گیا اور اس کو وہ حیثیت ملی جو بدن انسانی میں چہرہ کی ہوتی ہے دوسرا یہ امتیاز کہ سورۃ فاتحہ کو باقی قرآن کی طرح رکوع ہی شمار ہی نہیں کیا گیا ورنہ تو یہ درحقیقت پارہ اوّل کا پہلا رکوع ہے مگر شمار نہیں کیا بلکہ رکوعِ اول سورۃ بقرہ سے شروع ہوا۔ جیسے جبرائیلؑ فرشتہ ہی ہے مگر الگ سے ذکر ہوا۔

نماز میں قرأتِ قرآن:۔

بعد از تعوذ و تسمیہ نمازی پہلے سورۃ فاتحہ اور پھر باقی قرآن میں سے کچھ مناسب تلاوت کم از کم اتنی ضرور کرتا ہے پہلی دو رکعتوں میں جس کو قرأۃ قرآن کہا جا سکے جس کو ہمارے اسلاف نے ایک لمبی اٰیت یا تین چھوٹی اٰیات سے تعبیر کیا ہے۔ رکعت میں مطلق قرآن کی تلاوت قیام و رکوع و سجود کی طرح ایک لازمی جزو اور فرائض نماز میں سے ہے جبکہ سورۃ فاتحہ کا باقی قرأت سے پہلے خصوصیت سے پڑھنا واجب بتایا کہ احادیث اس کی اہمیت و عظمت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور خود قرآن بھی۔

---

[212] المستدرک کتاب فضائل القرآن باب شناء المجنون بقرأة فاتحہ الکتاب جلد 2 رقم 2100

پہلی دو رکعتوں کے بعد تیسری ہو یا چوتھی رکعت اسمیں فاتحہ تو پڑھی جائے گی مگر قرآت باقی قرآن سے لازم نہیں۔

1۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقِرَاءَةٍ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَمَا أَعْلَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْلَنَّاهُ لَكُمْ، وَمَا أَخْفَاهُ أَخْفَيْنَاهُ لَكُمْ۔[213]

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن کی قرآت کے بغیر نماز نہیں ہوتی پھر ابو ہریرہؓ نے فرمایا جن نمازوں میں رسول اللہ ﷺ جہر سے تلاوت فرماتے ہم بھی جہر کرتے ہیں اور جن میں آپ ﷺ مخفی پڑھتے ہم بھی تم سے مخفی پڑھتے ہیں۔

جہری نمازوں میں جہر اور سرّی میں سرّ حضور ﷺ کا ذاتی عمل نہیں:۔

جن نمازوں میں حضور ﷺ جہر سے تلاوت فرماتے اور جن میں سرّ یعنی خاموشی سے تلاوت فرماتے یہ آپ کا اپنا انتخاب اور اجتہاد نہ تھا بلکہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہی ایسا تھا کہ جب آپ نماز میں جہر سے تلاوت فرماتے تو کفار و مشرکین شور مچاتے کہ کوئی اس کلام کو صحیح طرح سن نہ پائے پارہ 24 میں ہے

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ O ﴿حم سجدہ۔26﴾

اور کفّار نے کہا کہ مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور و غل مچایا کرو اس کی تلاوت کے دوران تاکہ تم غالب آجاؤ۔

کفار و مشرکین کی اس روش کی وجہ سے اونچے پڑھنے کا قصد چونکہ ختم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے سرّ کا حکم دیا سوائے فجر و مغرب و عشاء کے کہ ان تین اوقات میں فجر کے وقت سوئے ہوتے مغرب میں کھانے میں مصروف اور عشاء کو رات کی محفلوں میں مگن تو یوں جہر و سر ترتیب پائے پھر اسی حکم خداوندی کو باقی رکھا گیا کہ نیا حکم تنسیخ نہ آیا جو پہلے حکم کو منسوخ کرتا از خود حکم خداوندی کو کوئی منسوخ نہیں کر سکتا۔ حکم خداوندی یہ ہے۔

[213] مسلم کتاب الصلاةباب وجوب قراءة الفاتحة فی كل ركعة، وإنه إذا لم يحسن الفاتحة ولا أمكنه تعلمها قرأ ما تيسر له من غيرها

2۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا أُمِرَ وَسَكَتَ فِيمَا أُمِرَ، ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[214]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جن نمازوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب کی طرف سے جہر کا حکم ملا ان میں آپ نے جہر سے قرأت فرمائی اور جن میں خاموشی کا حکم ملا ان میں خاموشی یعنی آہستہ سے تلاوت فرماتے اور تمہارا رب بھولنے والا نہیں اور بلاشبہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات بہترین نمونہ ہے۔

نوٹ:۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا سری نمازوں میں سرّ اور جہری میں جہر فرمائیں پھر حدیث کا یہ حصّہ کہ رب تمہارا بھولنے والا نہیں یہ اس بات کی وضاحت ہے کہ یہ جہر و سرّ کا حکم اللہ تعالیٰ دیکر آخر حیاتِ رسول تک بھول نہ گیا تھا کہ مدینہ میں اس کو تبدیل کیوں نہ کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا حکم یاد تھا مگر پھر بھی اس کو تبدیل نہ کیا شاید اس وجہ سے کہ دن کو کفار و مشرکین کے علاوہ دنیاوی مشاغل کا شور خاص کر بازاروں میں اور غیر مسلم ممالک میں اب بھی خلل انداز ہوتا ہے اور یہ قرآن کے احترام کے زیادہ لائق ہے کہ ایسی خلل اندازی سے تلاوت کو بچایا جائے لہٰذا یہی پہلا حکم ہی اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے برقرار رکھا۔ پھر حدیث کا آخری حصّہ کہ حضور تمہارے لئے بہترین نمونہ ہیں اس کا مطلب یہ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم خداوندی پر زندگی بھر عمل فرمایا تو آج تم بھی ذاتی اجتہاد اس بارے نہ کرو بلکہ اتباع کرو۔

3۔ عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب وفی رواية المسلم لمن لم يقرأ باُمّ القرآن فصاعدًا۔[215]

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اُس کی کوئی نماز نہیں اور مسلم کی ایک روایت اس طرح ہے کہ جو نماز میں فاتحہ اور کچھ مزید قرأۃ قرآن نہ کرے اس کی کوئی نماز نہیں۔

---

[214] بخاری کتاب الاذان باب الجهر بقرأة صلوٰة الفجر

[215] بخاری و مسلم

تشریح:۔

اس حدیث سے ایک تو یہ بات معلوہوئی کہ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں دوسری یہ کہ فاتحہ کے بعد کچھ قرأت کے بغیر بھی نماز نہیں جبکہ قراۃ قرآن خود قرآن سے بھی ثابت ہے کہ فاقرؤ ماتیّسر من القرآن کہ قرآن سے جو آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لو۔

4۔ عن ابی هریرة ﷺ عن النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فقال إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ، فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ القُرْآنِ۔[216]
ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب تو نماز شروع کرے تو تکبیر تحریمہ کہہ پھر بعد ازاں جو تجھے قرآن سے یاد ہو پڑھ لے۔

فرضوں کی تیسری یاچوتھی رکعت میں فاتحہ کے بعد قرأت کا مسئلہ:۔

فرضوں کی تیسری یا تیسری اور چوتھی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورت کے ملانے اور نہ ملانے میں اختیار ہے۔ابو ہریرہؓ سے روایت

وَإِنْ لَمْ تَزِدْ عَلَى أُمِّ القُرْآنِ أَجْزَأَتْ وَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ۔[217]
حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں فرضوں کی پہلی دو رکعتوں کے بعد فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھو تو کافی ہے اور اگر پڑھو تو خیر ہے۔البتہ سجدہ سہو نہیں۔

سورۃ فاتحہ کے بعد قرأت فرائض کی صرف پہلی دو رکعتوں میں ہے:۔

عن ابی قتادة ﷺ قال كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الأُولَيَيْنِ مِنْ صَلاَةِ الظُّهْرِ بِفَاتِحَةِ الكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ[218]

---

[216] بخاری کتاب الاذان باب وجوب القرأة للا مام والماموم

[217] بخاری کتاب الاذان باب القرأة فی الفجر

[218] بخاری کتاب الاذان باب القرأة فی الظهر

ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ ظہر کی صرف پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورتیں پڑھتے۔

پہلی رکعت کو قدرے لمبا کرنا:۔

حدیث بالا کا اگلا حصّہ یوں ہے۔

يُطَوِّلُ فِي الأُولَى، وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَةِ وَيُسْمِعُ الآيَةَ أَحْيَانًا، وَكَانَ يَقْرَأُ فِي العَصْرِ بِفَاتِحَةِ الكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ، وَكَانَ يُطَوِّلُ فِي الأُولَى، وَكَانَ يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الأُولَى مِنْ صَلاَةِ الصُّبْحِ، وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَةِ[219]

"جناب رسول اللہ ﷺ پہلی رکعت میں طول فرماتے دوسری میں قصر یہ نماز ظہر میں کرتے تھے اور کبھی ظہر کی تلاوت سے ایک آیت سنائی بھی (ہلکی سی) دی جاتی اور نماز عصر میں اسی طرح پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ دو سورتیں بھی تلاوت فرماتے اور عصر میں بھی پہلی رکعت کو دوسری سے کچھ لمبا فرماتے اور نماز فجر میں بھی پہلی رکعت کو کچھ لمبا اور دوسری کو مختصر فرماتے"۔

تشریح:۔

اس حدیث مبارکہ سے ایک تو یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ فرضوں کی صرف پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے بعد سورت پڑھتے تیسری یا چوتھی فرض رکعت میں صرف فاتحہ پڑھتے تھے۔ پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نماز میں پہلی رکعت کی تلاوت دوسری رکعت سے کچھ زیادہ فرماتے تھے یعنی پہلی رکعت میں قدرے لمبی اور دوسری میں قدرے مختصر سورت تلاوت فرماتے اور عقل بھی یہی تقاضا کرتی ہے کہ پہلی رکعت کو کچھ لمبا کرکے نمازیوں کو پہلی رکعت میں ملنے کی فضیلت اور موقع فراہم کیا جائے۔ رہی فرضوں کی دوسری رکعتیں ان میں ایک تو فاتحہ کے ساتھ سورت نہیں دوسرا جب ان میں تلاوت وقراۃ نہیں تو وہ پہلی دو رکعتوں کے مقابلہ میں ظاہر ہے کہ مختصر ہی ہونگی۔ پھر اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ حضور ﷺ جب سرّی یعنی خاموش

---

[219] بخاری کتاب الاذان باب القرأة فی الظهر

تلاوت فرماتے تو ہونٹ بند کر کے صرف ذھن سے ہی نہ پڑھتے بلکہ کچھ خفا میں بول کر ہی پڑھتے کہ کبھی کبھی جناب سے قریب والے کو کوئی آیت سنائی بھی دے جاتی اسی سلسلہ میں ملاحظہ ہو۔

عن ابی مَعْمَر قال سَأَلْنَا خَبَّابًا أَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالعَصْرِ قَالَ: نَعَمْ، قُلْنَا: بِأَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تَعْرِفُونَ قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ۔ [220]

حضرت ابو معمرؓ سے روایت ہے کہ ہم نے خبابؓ سے پوچھا کیا حضور ﷺ ظہر و عصر (یعنی سری نمازوں) میں تلاوت فرماتے تھے تو کہا ہاں پھر ہم نے پوچھا تم کس وجہ سے جانتے کہ قرأۃ فرماتے ہیں تو کہا کہ جناب کی ریش مبارک (داڑھی) ہلتی تھی۔

نماز میں تلاوت کی مختلف صورتیں:۔

ایک رکعت میں دو سورتیں ملا کر پڑھنا، سورتوں کی آخری اٰیات صرف پڑھ لینا، ایک سورت پڑھ لینے کے بعد اس سے پہلے والی سورت پڑھ لینا، سورت کی صرف ابتدائی اٰیات پڑھ لینا عبد اللہ بن سائبؓ سے منقول ہے رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز میں سورت المؤمنون پڑھی جب موسیٰؑ وہارونؑ کے تذکرہ پر پہنچے تو کھانسی آ گئی اور وہیں رکوع کر دیا۔

حضرت عمرؓ نے پہلی رکعت میں البقرہ کی ایک سو بیس اٰیات اور دوسری میں مثانی سے کوئی سورت پڑھی اور احنف نے سورت الکھف پہلی رکعت میں اور دوسری میں اسی سے پہلے والی سورت یوسف یا یونس پڑھی اور کہا کہ حضرت عمرؓ نے بھی انہی سورتوں کے ساتھ نماز صبح پڑھی کہ پہلے ایک سورت پھر بعد ازاں ترتیب میں اس سے پہلے والی پڑھی اور عبد اللہ ابن مسعودؓ نے چالیس اٰیات سورہ انفال کی پہلی رکعت اور دوسری رکعت میں کوئی مفصّل سورت پڑھی۔

حضرت قتادہؓ نے اس شخص کا بھی ذکر کیا جس نے ایک سورت کو (دو حصے کر کے) دو رکعتوں میں پڑھا یا ایک ہی سورت کو دونوں رکعتوں میں دھرایا اس طرح کہ پہلی رکعت میں جو سورت پڑھی دوسری میں بھی وہی پڑھی اور کہا سب اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے پھر عبید اللہؓ نے ثابت سے روایت کیا انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک انصاری صحابی کا ذکر کیا کہ وہ مسجد قباء میں قوم کی امامت کرواتے تو

[220] بخاری کتاب الاذان باب القرأۃ فی الظہر

وہ ہر رکعت میں پہلے سورہ اخلاص ضرور پڑھتے یعنی تمام رکعتوں میں سورۃ اخلاص کا تکرار ہوتا یہ حدیث طویل ہے۔[221]

سورۃ اخلاص ہی فرضوں کی پہلی دو رکعتوں یا چاروں سنت میں پڑھنا:۔

کئی ان پڑھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے مشکل سے نماز میں صرف قل شریف ہی یاد کیا ہے اور ہر رکعت میں وہ اسے ہی دھرا کر نماز ادا کر لیتے ہیں تو مذکورہ بالا روایت کے مطابق ایک ہی سورت کو رکعتوں میں پڑھ لینے سے اصل نماز کے جواز میں کوئی شبہ نہ کیا جائے ہاں استحباب افضلیت الگ بات ہے ہر کسی کی استعداد ایک نہیں ہوتی اسلام نے استعداد کے مطابق ہی احکام صادر فرمائے اِسی بخاری ج 1 میں ہے کہ ایک صحابی ابھی ابھی مسلمان ہوا تو حضور ﷺ سے پوچھا جناب مجھے ابھی نماز تو نہیں آتی بوقتِ نماز میں کیا کروں تو شفیق رسول ﷺ نے فرمایا قیام ورکوع و سجود یعنی حرکات و سکنات اسی ترتیب سے نقل کرتے جاؤ اور مختلف مواقع پر سبحان اللہ الحمد اللہ جیسے آسان اور زباں زد عام کلماتِ ذکر بولتے رہو تیرے عذر کے دنوں کی یہی نماز ہے۔لہذا کوشش کریں کہ اپنی نمازوں پر محنت کر کے خوب سے خوب تر کریں اور چند مختصر سورتیں بھی یاد کرنے کی کوشش کریں۔

جیسے مذکورہ روایت سے ظاہر ہے کہ ایک رکعت میں سورہ الکہف پھر دوسری میں اس سے پچھلی یونس و یوسف کوئی پڑھی تو اصل نماز میں فرق نہیں آیا ہمارے فقہاء بھی یہ نہیں کہتے کہ یوں نماز ہی نہیں ہوگی وہ صرف انتا بتاتے ہیں کہ بہتر ہے کہ قرآن کو مختلف رکعتوں میں ترتیب سے ہی پڑھا جائے ۔

حضور علیہ السلام کی بہترین قرآءۃ اور حسن صوت:۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی اپنی پوری امت اور دورِ زمانہ میں خوبصورت اور خوش آواز ہوا ہے جبکہ میں ان تمام سے شکل و صورت اور حسنِ آواز میں بڑھ کر ہوں ۔ (بخاری ج 1 کتاب الاذان سے روایت پیشِ خدمت ہے۔

[221] بخاری ج1 کتاب الاذان باب الجمع بین السورتین الخر

عن البراَءَ قال سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ: وَالتِّینِ وَالزَّیْتُونِ فِی العِشَاءِ، وَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا مِنْہُ أَوْقِرَاءَۃً۔[222]

حضرت براء بن عازب ؓفرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ کی نماز عشاء میں سورۃ التین کی قراَۃ سنی اور میں نے جناب سے زیادہ حسین آواز اور خوب قراَت کسی اور کو نہیں سنا۔

خوب کہا حضرت حسّان بن ثابت ؓنے و احسن منک لم ترقطُّ عینی

قراَت بارے روایات بہت کثیر ہیں اور پوری تفصیل ہے کہ کون کونسی نمازوں میں اکثر رسول اللہ ﷺ کون کونسی سورتیں تلاوت فرماتے تھے مگر خوفِ طوالت سے انہی پر اکتفاء کرتا ہوں۔ حضرت سمرہ بن جندب ؓسے جس روایت میں قراَت کے بعد سکتہ ہے وہ روایت ہی ضعیف ہے[223]

سکتات کی حقیقت اور خلافِ حقیقت استدلال:۔

جو احباب امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے پر اسرار کرتے ہیں ان کو امام کی قراَت کے ساتھ فاتحہ پڑھنے سے قرآن و حدیث واضح طور پر روکتے ہیں تو وہ چور راستے تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہی میں سے ایک راستہ یہ ہے کہ امام اگر جہراً قراَت کر رہا ہے تو فاتحہ کو سکتات میں پڑھو جن سے ان کو مراد ثناء کا سکتہ پھر فاتحہ کی آیات کے دوران امام کے سانس لینے کا سکتہ اور امام کا آخر تلاوت میں سانس برابر کرنے کا سکتہ۔ جبکہ یہ بات بھی بالکل نامعقول ہے اس طرح کہ پہلا سکتہ ثناء کا ہے فاتحہ کا نہیں اگر آپ واقعی اتباعِ حدیث کے حریص ہیں تو ابھی ابھی ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بخاری کی حدیث گزری کہ جناب ابو ہریرہؓ نے اس سے پہلے سکتے بارے خود نبی ﷺ سے سوال کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا میں سکتے میں پڑھتا ہو اللھمّ باعِدْ بيني و بين خطاى کی جگہ عام مروج سبحانک اللھمّ ہے تو اس سکتہ میں حضور ﷺ فارغ نہیں بلکی کوئی دُعاء پڑھتے ہیں ظاہر ہے ہم بھی دعا پڑھیں گے کہ امام سے الگ تو نہیں چلنا کہ سنت کے مطابق بھی یہ محل دعا ہے محلِ فاتحہ نہیں۔ فاتحہ کیلئے اپنا محل موجود ہے۔ اب وہی بات امام کی تلاوت کے وقفوں میں پڑھنا یوں عملاً اگر کیا تو تجربہ کر لینا نہ سماعتِ قرآن صحیح ہو سکے گی جس کا حکم ہے اور نہ ہی تسلّی اور ترتیب و تفہیم سے فاتحہ ہو گی۔ معلوم ہوا کہ آپ تردّد کی بات

[222] بخاری کتاب الاذان باب القراَۃِ فی العشآء

[223] ابوداؤدکتاب الصلوۃ باب السکتۃ عند الافتتاحِ)

کرتے ہیں اور اس کو آپ حدیث سے ثابت بھی نہیں کر سکتے اور اگر آپ نے کسی صحابی کا عمل وقول پیش کیا تو وہ اثر کہلاتا ہے۔ حدیث تو صرف قول، فعل اور تقریر رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہی ہوتی ہے صحابہ کا قول فعل حدیث نہیں ہاں خلفاء راشدین کا معاملہ کچھ الگ ہے کہ ان کی اتباع کا حضور صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے خود حکم دیا اب تیسرا سکتہ امام کی تلاوت مکمل کرنے پر تو جناب یہاں کوئی سکتہ کسی مشہور و معروف حدیث میں نہیں ملا ہاں صرف اتنا ہے کہ امام تلاوت کے اختتام پر صرف سانس برابر کرے اور رکوع میں جائے اور جب امام رکوع میں جائے تو حکم ہے کہ بلا تاخیر تم بھی رکوع میں جاؤ کہ یہی اتباعِ امام اور اِسی کا حدیث میں حکمِ رسول صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بھی ہے۔ پھر یہ کہ اگر آپ کا امام ہی حنفی ہو جو کہ اکثر ہوتا ہے کہ خیر سے احناف بہت زیادہ جو ہوئے تو حنفی امام تو اختتامِ تلاوت پر فٹ رکوع میں جائے گا آپ فاتحہ اب کس سکتہ میں پڑھیں گے۔ واضح ہو اکہ بالکل ناسمجھی کی وجہ سے یا امام پر اعتماد نہ کرنے کی وجہ سے یہ ساری پریشانی آرہی ہے ورنہ در حقیقت مسئلہ بالکل کوئی نہیں۔ اگر رکوع جاتے بھی سکتہ تھا تو ابو ہریرہؓ نے جیسے پہلا سکتہ پوچھا اس بارے کیوں نہ پوچھا؟۔

فاتحہ خلف الامام:۔

دیگر سینکڑوں مسائل کی طرح اس مسئلہ پر بھی شدید اختلاف رائے موجود ہے کہ آیا جب انسان امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو اُسے بھی فاتحہ پڑھنا چاہیئے یا نہیں۔ حضرت امام شافعیؒ اور اکثر اہل حدیث کی رائے یہ ہے کہ نمازی کو ہر حال میں فاتحہ پڑھنا چاہیئے خواہ اکیلے نماز پڑھے خواہ امام کے ساتھ ہو خواہ جہری نماز ہو خواہ سرّی، فاتحہ ہر حال میں لازم ہے۔ جبکہ امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر بہت سے ائمہ کی رائے یہ ہے کہ نمازی اگر مقتدی ہو اور نماز جہری ہو تو امام کی قرأ مقتدی کے لئے کافی ہے۔ اس حد تک امام ابو حنیفہؒ بھی امام مالکؒ واحمد بن حنبلؒ اور بعض دوسرے ائمہ کے ساتھ متفق ہیں۔

جبکہ امام ابو حنیفہؒ کی پوری رائے اس طرح ہے کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ہر نمازی کیلئے واجب ہے اگر ترک ہوئی تو سجدہ سہو کے بغیر نماز نہیں ہوگی مگر جب نمازی مقتدی ہو تو نمازِ جہری و سرّی دونوں میں وہ قرأت نہیں کرے گا اس لئے نہیں کہ فاتحہ پڑھنا لازم نہیں رہا بلکہ اس لئے کہ جب مقتدی کا نمائندہ ہے تو امام کی قرأتِ فاتحہ مقتدی کی فاتحہ تصور کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

1۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ[224]

اور جب پڑھا جائے قرآن تو کان لگا کر سنو اسے اور چُپ ہو جاؤ تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔

تفسیر ابن عباسؓ، تفسیر مدارک اور تفسیر خازن وغیرہ نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی کہ جب نمازی امام کے پیچھے ہو تو خاموشی سے پوری تلاوت سننے کا پابند ہے۔ اور خاموش رہنا اس پر لازم ہے تفسیر مدارک میں اسی آیت کے تحت ہے۔

و جمہور الصحابۃ علی انہ فی السماعِ المؤتم۔

کہ عام صحابہ کرام اس رائے پر تھے کہ یہ آیت مقتدی کی سماعت کے لئے ہے۔ تفسیر خازن میں اسی جگہ ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ نے لوگوں کو امام کے ساتھ قرأت کرتے سنا تو بعد از نماز فرمایا کہ ابھی تک تم نے اس ایت کو نہیں سمجھا یعنی واذا قرئ القرآن علامہ بیضاویؒ نے بھی یہی فرمایا کہ اس آیت کی وجہ سے مقتدی پر امام کی قرأت سننا واجب ہے۔ لہذا واضح ہوا کہ یہ آیت خاص مقتدی پر سماعت کو لازم کرنے اور خاموش رہنے کے لئے نازل ہوئی باقی نماز کے علاوہ بھی احترام سے قرآن سننے کا استحباب اس آیت کے عموم سے ظاہر ہے۔ اس آیت کے تحت چند باتیں بالکل واضح ہیں۔

1۔ جب قرآن پڑھا جائے تو قرآن کے لفظ کے عموم میں فاتحہ بھی داخل ہے لہذا امام فاتحہ بھی شروع کر دے تو سماعت خاموش سے چپ رہ کر کرنا ہر مقتدی پر بحکم خداوندی لازم ہے۔ اگر امام ابو حنیفہؒ کی رائے پر اتفاق نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی تو نہ کریں۔

2۔ فاستمعوا لہ کا لفظ مقتدی پر لازم کرتا ہے کہ وہ ہمہ تن گوش ہو کر قرآن کو سنے اور سمجھے اگر آپ نے اس کو فاتحہ پر لگا دیا تو کیا سماعت اور فہم مکمل ہو سکے گا؟ یقیناً نہیں۔

3۔ واَنصِتُوا کا لفظ تقاضا کرتا ہے کہ قرآن کو سنیں اور چپ بھی رہیں۔ اگر اپنی فاتحہ پڑھنے کی اس دوران کوشش کی تو چپ رہنے کے حکم کے خلاف ہو گا۔

4۔ چوتھی بات یہ ہے کہ آخری لفظ لعلکم ترحمُون ہے کہ امام تلاوت کرے تم چپ رہ کر سنو تم پر رحم بھی کیا جائے گا۔

---

[224] الاعراف-204

اب سوال یہ ہے کہ تلاوت امام نے کی رحم کے مستحق مقتدی کیسے بنے۔ امام کے عمل کا اثر مقتدی پر کیسے ظاہر ہوا؟ اس طرح کہ امام مقتدیوں کا نمائندہ ہے اس کی تلاوت درحقیقت مقتدی کی ہی تلاوت ہے خصوصاً جب مقتدی ہمہ تن گوش ہوکر سن رہاہے اس لئے وہ رحمت باری تعالیٰ کا مستحق ہوا اسمیں باریک اشارہ ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے اور اجر بھی پارہاہے۔ دوسرا سوال یہ بھی پیدا ہوا کہ اگر مقتدی سماعتِ فاتحہ کا اجر بھی پائے اور پھر خود پڑھنے کا اجر بھی پائے تو مقتدی امام سے اجر میں بڑھ جائے گا کہ امام تو صرف فاتحہ پڑھنے کا اجر پائے اور مقتدی پڑھنے اور امام سے سننے کا دُھرا اجر پائے یہ عقلاً محال ہے۔ اگر فاتحہ وقرآن کی سماعت کے دوران پوری طرح خاموش رہ کر سننے کی بجائے کوئی گڑبڑ کی تو "وقال الذين كفروا لاتسمعُوا لہذا القرآن و الْغوفيه" بھی ذھن میں کرلینا۔ کہ دوران تلاوت پوری طرح سماعت نہ کرنا اور تلاوت میں کوئی مداخلت کرنا کفار کا شعار ہے اہل ایمان کا ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر کلمہ گو کو شعارِ مسلمین کی توفیق دے۔

قرأتِ امام سننے پر چند احادیث پیش ہیں:۔

1۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا۔[225]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ امام اسی لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو خاموشی سے سنو۔ یہاں مطلق قرأت کا لفظ ہے جو فاتحہ پر بھی شامل ہے۔

مذکورہ حدیث کی صحت اور امام مسلمؒ:۔

امام مسلمؒ نے اس مذکورہ حدیثِ ابوہریرہؓ کی صحت ان لفظوں میں بیان فرمائی۔

1۔ فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ: فَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ فَقَالَ: هُوَ صَحِيحٌ يَعْنِي وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا فَقَالَ: هُوَ عِنْدِي صَحِيحٌ۔[226]

---

[225] نسائی ، ابن ماجہ کتاب إقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیہا باب إذا قرأ الإمام فأنصتوا، ابو داؤد

[226] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب التشہد

حضرت ابو بکرؓ نے سلمانؓ سے کہا کہ ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث کہ امام کی قرأت خاموشی سے سنو اور چپ رہو کیسی ہے؟ توانہوں نے جواب دیاہاں یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔یعنی چپ ہی رہنا چاہیئے۔

امام مسلم کی اس روایت اور سلمانؓ کی اس حدیث بارے صحت کی گواہی کے باوجود مولانا صلاح الدین یوسف کو اب بھی اس حدیث کی صحت کے بارے میں شک ہی ہے ملاحظہ ہو۔ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی پر حواشی؟فاتحہ مولانا صلاح الدین یوسف۔

2۔ مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ القُرْآنِ، فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ الإِمَامِ هذا حديثٌ حسنٌ صحيح۔[227]

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جس نے ایک رکعت بھی نماز پڑھی اور اس میں فاتحہ نہ پڑھی تو اس نے نماز ہی نہیں پڑھی ہاں اگر وہ امام کے پیچھے ہو تو (پھر فاتحہ نہ پڑھے نماز ٹھیک ہے)

نوٹ:۔ ترمذی کی یہ روایت جس کو خود امام ترمذیؒ نے صحیح بھی واضح کر دیا اب کوئی اس کو ضیف بھی نہیں کہہ سکتا یہ امام صاحب کے قول پر صاف دلالت کر رہی ہے اسلیے کہ وراء الامام مطلق ہے جو جہری و سری دونوں حالتوں کو شامل ہے۔

3۔ عن جابرٍ رضی اللہ عنہ انّ النبی ﷺ قال من کان لہٗ امامٌ فقرأۃُ الامام لہٗ قرأۃٌ۔[228]

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو امام کے پیچھے نماز پڑھے اس کے لئے امام کی قرات یہ مقتدی کی قرات ہے نہ کہ لگ سے اپنی قراتِ فاتحہ کرے۔

نوٹ:۔ اس حدیث نے تمام شکوک ہی ختم کر دیئے کہ مقتدی امام کیساتھ نماز پڑھے تو اپنی قرأت سری و جہری میں نہ کرے اس لئے کہ امام کی قرات ہی تصور ہوتی ہے۔یہ روایت امام صاحب کی مکمل تائید ہے۔

4۔ عن ابی الزبیر عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ، فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ۔[229]

---

[227] الترمذی۔ عن جابر ۔۔۔أبوابُ الصَّلَاةِبَابُ مَا جَاءَ فِی تَرْكِ القِرَاءَةَ خَلْفَ الإِمَامِ إِذَا جَهَرَ الإِمَامُ بِالقِرَاءَةِ

[228] طحاوی شریف ،ابن ماجہ ۔یہ حدیث حسن ہے

[229] ابن ماجہ كتاب إقامۃ الصلاة والسنۃ فيها باب إذا قرأ الإمام فأنصتوا

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ کَانَ لَہُ إِمَامٌ فَقِرَاءَۃُ الْإِمَامِ لَہُ قِرَاءَۃٌ[230]
قال محمد ابن مُنیع وَابنُ الھُمام ھالاسناد صحیحٌ علی شرطِ الشیخین۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس کا امام ہو تو امام کی قرات ہی مقتدی کی قرات ہے امام محمدؒ نے فرمایا کہ امام ابن منیع ابن الھمام نے اس حدیث کی سند کو شیخین (بخاری و مسلم) کی شرائط کے عین مطابق صحیح قرار دیا۔ ترمذی کی مذکورہ بالا روایت بھی اس کی تائید ہی کر رہی ہے۔

5۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَيْرُ تَمَامٍ[231]
توراوی ابو سائبؓ نے ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ امام کے پیچھے ہوں تو؟ ابو ہریرہؓ نے فرمایا "اقرا ٔبھا فی نفسک یافارسی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جو نبی ﷺ نے فرمایا جو نماز پڑھے اس میں فاتحہ نہ پڑھے تو وہ نماز نامکمل و ناقص ہے ابو سائب راوی حدیث نے ابو ہریرہؓ سے کہا کہ ہم کبھی تو امام کے پیچھے بھی نماز پڑھتے ہیں تو فاتحہ کا کیا کریں تو ابو ہریرہؓ نے فرمایا اے فارسی پھر فاتحہ کو صرف دل میں پڑھ۔

ترمذی کی روایت کو ساتھ ملا کر ملاحظہ فرمائیں۔

نوٹ:۔ اس حدیث کی صحت پر کوئی اعراض نہیں بالکل صحیح حدیث ہے جو مذکورہ احادیث کی تصدیق کر رہی ہے کہ حضور ﷺ نے فاتحہ پر زور دیا اور فاتحہ کے بغیر نماز کو نامکمل قرار دیا مگر امام کے پیچھے اگر ہو تو پھر نہ جہراً پڑھے نہ سرّاً پڑھے اور جہری و سری دونوں حالتوں کو یہ حدیث شامل ہے ہاں دل میں پڑھے۔ جب مقتدی غور سے سمجھ کر فاتحہ سن رہا ہوتا ہے۔ تو دل ساتھ ساتھ لازماً پڑھتا ہے جس پر لعلّکم ترحمون کا اجر بھی مرتب ہوتا ہے یہ حدیث جملہ احادیث کی بہترین تطبیق ہے۔ تعارض ختم ہو جاتا ہے اور بات قابل فہم اور قابل عمل بھی ہو جاتی ہے اور کسی حنفی کو بھی دل میں پڑھنے پر اعتراض نہیں۔ اگر اب بھی بات سمجھ نہ آئے اور علی نفسک کے لفظ سے خفی قرأت کو تراشنے کی کوشش کریں تو پہلی بات تو یہ ہے کہ قول سے خفی پڑھنے کو بھی اصل میں پڑھنا ہی کہتے ہیں جیسے عام سرّی نماز علی نفسک بغیر قولِ

---

[230] مُؤطّا امام مالک ؒ

[231] مسلم كتاب الصلاة باب وجوب قراء ة الفاتحة في كل ركعة، وإنه إذا لم يحسن الفاتحة ولا أمكنه تعلمها قرأ ما تيسر له من غيرها

سرّی کے صرف دل میں خیال سے پڑھنے کو ہی کہتے ہیں اگر آپ کو یہ تسلیم نہ ہو تو یہ حدیث بھی سن لیں بات سمجھ آجائے گی۔

6۔ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ الْإِمَامِ، فَقَالَ: لَا، قِرَاءَةَ مَعَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ۔[232]

عطاء ابن یسارؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے زید بن ثابتؓ امام کے پیچھے قراءت بارے پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ امام کے ساتھ کسی قسم کی قراءت بالکل نہیں۔

نوٹ:۔ اس روایت میں لا قراءۃ میں لانفی جنس ہے جو ہر قسم کی قراءتِ جہری و سرّی و فاتحہ وبعدھا کی نماز جہری و سرّی میں نفی پر دلالت کرکے امام صاحب کی واضح اور مکمل تائید کر رہی ہے۔ اگر آپ کہیں کہ یہ تو قول صحابی ہے تو گزارش ہے کہ اوپر والی روایت علی نفسک بھی صحابی ابوہریرہؓ کے الفاظ میں حضور ﷺ کے نہیں دوسرا یہ وہی عطاء ہے کہ جس کو امام بخاری بغیر سند ذکر کیے اس کے قول کا حوالہ دیتا ہے۔ یعنی امام بخاری کا معتمد علیہ راوی ہے۔ یہ روایت نمبر2 پر پیش کردہ روایتِ ترمذی کے مفہومًا عین مطابق ہے لہٰذا اس روایت سے کسی طرح مَفَر نہیں۔

7۔ عَنْ أَنَسٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَقْبَلَ بِوَجْهِهِ فَقَالَ: أَتَقْرَءُونَ وَالْإِمَامُ يَقْرَأُ فَسَكَتُوا فَسَأَلَهُمْ ثَلَاثًا فَقَالُوا إِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ: فَلَا تَفْعَلُوا۔[233]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے نماز پڑھائی تو رخِ زیبا لوگوں کی طرف فرمایا اور پوچھا کیا جب امام قراءت کرتا ہے تو تم بھی ساتھ کرتے ہو؟ تین مرتبہ پوچھا تو صحابہ نے عرض کیا جی ہاں قراءت کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا نہ کیا کرو۔

نوٹ:۔ یہ موقع تھا کہ آپ ﷺ فرماتے کہ سوائے فاتحہ کے باقی قراءت کیا کرو مگر ایسی کوئی صحیح روایت علم میں نہیں کہ حضور ﷺ نے مقتدی کو امام کے پیچھے قراءۃ سے منع کیا ہو اور فاتحہ کی اس سے استثناء کرکے پڑھنے کی اجازت دی ہو اور یہ ممکن بھی نہیں کہ "واذا قرئ القرآن ۔۔الخ" کی آیت میں ایسی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں جاتی تو حضور ﷺ کو تو واضح حکم ربّانی ہے "اتّبع ما اُوحِیَ من ربّک" آپ حکم

---

[232] مسلم باب سجود التلاوۃ

[233] طحاوی باب القرأ ۃ خلف الامام

ربانی کے مکمل پابند ہیں خلافِ آیت کیسے فاتحہ پڑھتے رہنے کی اجازت فرمائیں ہاں جن روایوں نے مذکورہ روایت کے لاتفعلوا پر الّا بفاتحۃ الکتاب وغیرہ کے الفاظ زیادہ کیے وہ روایات بالکل ضعیف ہیں جو صحیح احادیث کے مقابلہ میں قابلِ حجت نہیں ایسی ہی ایک ضعیف روایت ملاحظہ ہو جو اہل حدیث بھائی نے پیش کی ہے۔ اپنے دلائل میں (نماز کی کتاب) تالیف عمران ایوب لاہوری ص نمبر 129 پر اسی صفحہ پر دوسری روایت جو حضرت عبادہ بن صامت سے پیش کی گئی ہے۔ اس میں بھی یہی ضعف ہے کہ صحیح روایات کے خلاف بھی اور شاذ بھی۔ جب مذکورہ بالا مولانا عمران ایوب لاہوری صاحب کو کوئی صحیح روایت امام کے پیچھے فاتحہ کے پڑھنے کی نہ ملی تو امام بخاری کا قول پیش کر دیا۔ اپنی تالیف "نماز کی کتاب" کے ص نمبر 128 مقتدی پر بھی فاتحہ پڑھنا واجب ہے کہ تحت نمبر 2 پر سب سے پہلی دلیل ہی ان کی امام بخاریؒ کا قول ہے۔ حیرت ہوئی کہ اتنا بڑا شور،،، خلف الامام پر اور سب سے بڑی دلیل ان کو قول بخاری ملا۔ امام بخاریؒ نے باب تو باندھا اسی نام سے مگر اپنے الفاظ پر امام بخاری بھرپور احادیث لانے سے قاصر رہے اور اس پورے باب

وجوب الامام و الماموم فی الصلوٰات کلھا فی الحضر و السفر و ما یجھرُ فیھا و ما یُخافَتُ۔

یہ ہے امام بخاری کا ایک باب کا نام جو بخاری ج 1 کتاب الاذان میں ہے اس باب میں کل تین حدیثیں ذکر کیں ایک حضرت جابرؓ سے دوسری حضرت ابو ہریرہ سے، حضرت جابرؓ سے کوئی حدیث نہیں بلکہ صرف ایک طویل اثر پیش کیا جس میں فاتحہ تو قراءۃ کا لفظ تک نہیں لہٰذا اس اثر کی اس باب میں کوئی مطابقت ہی نہیں بنتی اب رہے حضرت ابو ہریرہؓ۔ اس روایت میں قرائت کا لفظ تو ہے مگر افسوس سے فاتحہ کا کوئی نام نہیں الفاظ یہ ہیں۔

فقال اذا قُمتَ الی الصلوٰۃ فکبّر ثمّ قرأ ما تیسّر معك من القرآن۔

کہ حضور ﷺ نے ایک صحابی کو نماز کی ترتیب تعلیم فرماتے ہوئے فرمایا جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ پھر قرات جو بھی قرآن سے یاد ہو کر پھر رکوع کر۔ اس حدیث میں فاتحہ کا نام نہ لینا اور تکبیر تحریمہ اور پھر مطلق قراۃ اور پھر رکوع کی تعلیم سے ہی واضح ہوا کہ فاتحہ کی قرات خصوصیت کیساتھ کرنے کا مقام تکبیر تحریمہ، مطلق قراۃ قرآن اور رکوع کے برابر نہیں۔ اسی بنیاد پر احناف مطلق قرات کو فرائض نماز میں شمار کرتے میں مگر فاتحہ کو فرائض میں شمار نہیں کرتے کہ اس حدیث میں اور اس طرح کی بیسیوں احادیث میں باقی فرائض نماز کا ذکر حضور ﷺ فرماتے ہیں مگر فاتحہ کا مخصوص تعین سے ذکر نہیں فرماتے پھر اس احدیث میں رکوع

جانے سے قبل سکتا کا بھی نام نہ لیا اکثر احادیث کا یہی حال ہے پھر حضور ﷺ نے اسے "رفع الیدین عند الرکوع" کی تعلیم بھی نہ دی اب صرف تیسری حدیث ذکر کی جو عبادہ بن صامتؓ سے جس کے الفاظ صرف یہ ہیں "لا صلوٰۃ لمن یقرأ بفاتحۃ الکتاب" جس نے فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں۔ پورے باب میں یہی مختصر حدیث قراۃ فاتحہ کے بارے ہے جس پر میں آگے چل کر بات کروں گا۔ اب امام بخاریؒ جمع الحدیث کے امام تو ہیں مگر امام فقہ نہیں اور ہم اس کے مقلد بھی نہیں۔ اگر کوئی امام بخاریؒ کا مقلد ہے تو وہ شوق سے ان کے نام کے الفاظ کو دلیل بنائے مگر احناف سے یہ توقع عبث ہے کہ آپ بخاریؒ کا قول پیش کریں اور احناف مان جائیں۔

مولانا صلاح الدین یوسف صاحب کہاں کھڑے ہیں:۔

ابھی ابھی میں نے ذکر کیا کہ مولانا عمران ایوب لاہوری نے فاتحہ خلف الامام پر سب سے پہلی دلیل کے طور پر امام بخاریؒ کے باب کا نام ذکر کر دیا جو حدیث نہیں اور جو حدیث پیش کی اس پر بعد میں بات کرنے کا وعدہ کر چکا۔ اب ایک اور ماہر جو شاید امام اعظمؒ سے اپنے آپ کو زیادہ ماہر اور قابل تصوّر کرتے ہوں ان کی قابلیت بھی ملاحظہ ہو۔ یہ حضرت مولانا صلاح الدین یوسف صاحب ہیں جو قرآن مولانا محمد جونا گڑھی کے ترجمے والا سعودی حکومت حجاج کرام کو عطائے خاص کے طور پر دیکر ارسال کرتی ہے جس کا مقصد اشاعتِ قرآن نہیں کیونکہ قرآن کی پاکستان میں کیا کمی بلکہ درحقیقت ایک مخصوص سوچ کی اشاعت مقصود ہے۔ اس ترجمہ پر حواشی مولانا صلاح الدین یوسف صاحب کے ہیں یہ صاحب فاتحہ کے حاشیہ میں قراَۃِ فاتحہ خلف الامام پر صرف ایک حدیث پیش کرتے ہیں ظاہر ہے ان کے مطالعہ میں یہی قراَۃ فاتحہ خلف الامام بارے ان کے ہاں سب سے بڑی دلیل ہے اور اس دلیل کی حقیقت صرف اتنی ہے۔ آپ کو جان کر حیرت ہو گی کہ جس حدیث کو دلیل بنایا گیا ہے یہ حدیث خیر سے بالکل ضعیف ہے اس کو ضعیف میں نہیں کہہ رہا بلکہ حافظ عمران ایوب لاہوری صاحب نے اپنی تالیف "نماز کی کتاب" کے صفحہ نمبر 129 پر ترمذی، ابو داؤد اور الجامع تین جگہ ضعیف ہی بتایا ہے۔ اس کا ضُعف جو مجھے نظر آیا وہ یہ کہ امام طحاویؒ نے یہی حدیث ان الفاظ سے حضرت انسؓ سے روایت کی:۔

عَنْ أَنَسٍ، رَضِيَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَقْبَلَ بِوَجْھِہِ فَقَالَ: أَتَقْرَءُونَ وَالْإِمَامُ يَقْرَأُ فَسَكَتُوا فَسَأَلَھُمْ ثَلَاثًا فَقَالُوا إِنَّا لَنَفْعَلَ قَالَ: فَلَا تَفْعَلُوا

یہاں ایک تو راوی عبادہ بن صامت ﷺ سے زیادہ ثقہ ہیں دوسرا انہوں نے لا تفعلوا کے بعد جو اضافہ ذکر کیا یہ عام مشہور روایات کا حصہ بھی نظر نہ آیا دیگر صحیح روایات جو ہم ذکر کر چکے ان کے بھی خلاف ہے اور خود علامہ ابن تیمیہؒ کا بھی اس حدیث پر نہ اعتماد ہے اور نہ ہی عمل۔ ملاحظہ فرمائیں علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ سلف کی اکثریت کی رائے یہ ہے کہ اگر مقتدی امام کی قرأت سن رہا ہو تو اپنی فاتحہ نہ پڑھے اور اگر نہ سن رہا ہو تو پڑھے (مجموع فتاوی ابن تیمیہ) اب انصاف سے بتائیں کہ عموماً مساجد میں امام کی قرأت سننے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے یا نہ سننے والوں کی۔ پھر یہ تو علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے زمانے میں کہا تھا آج اگر ہوتے تو چونکہ سپیکر استعمال ہو رہا ہے نہ سننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو آج یہی کہتے کہ امام کی فاتحہ کے ساتھ اپنی فاتحہ نہ پڑھے۔ دوسرا یہ کہ جو روایت امام بخاریؒ نے پیش کی لا صلٰوۃ لمن لم یقرأ بفاتحہ الکتاب یہ اسی مذکورہ حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ کیونکہ وہاں بھی یہی راوی حضرت عبادہ بن صامتؓ ہیں یہاں بھی وہی ہیں تو ایک ہی راوی ایک ہی حدیث دو الگ الگ الفاظ سے کیسے روایت کرتا ہے۔ امام بخاریؒ کو اسی ضعیف ترمذی ضعیف ابو داوٗد اور ضعیف الجامع کا ایک حصّہ ملا اور لم یقرأ بھا کی بجائے لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فرمایا کہ بھا کی ضمیر فاتحہ ءکتاب کی طرف راجع ہے۔ تو جناب انتہائی ادب سے یہ ہے آپ کی وق روایگ جس پر سارا سہارہ اور زور ہے مزید سنیے۔

حضرت امام بخاریؒ اور حدیثِ فاتحہ خلف الامم:۔

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری ج 1 کتاب الاذان باب وجوب القرأۃ الامام والماموم فی الصلوٰات کلھا۔۔الخ میں صرف ایک حدیث حضرت عبادۃ بن صامتؓ سے یوں پیش فرمائی۔ اَنّ رسول اللہ ﷺ قال لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب۔ نقل فرمائی۔ جبکہ یہی عبادہ بن صامتؓ نہیں جن سے یہ روایت ہے لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعداً۔ اس کی کوئی نماز نہیں جو فاتحہ اور بعد ازاں جو باقی قرآن سے قرأت نہ کرے (صحیح ابو داوٗد 735 اور ابو داوٗد 822 نسائی 911 کتاب الافتتاح باب ایجاب قرأۃ الفاتحۃ الکتاب فی الصلوٰۃ۔ اس حوالے سے معلوم ہوا کہ حضرت عبادہ بن

صامتؓ کی جس روایت سے جناب فاتحہ کا ہر صورت لزوم ثابت کر رہے ہیں اسی روایت کے اگلے حصّہ سے فاتحہ کے بعد قرأت کا بھی روایت کے مطابق یہی حکم ہے کہ قرأت کے بغیر بھی لاصلٰوۃ یعنی کوئی نماز نہیں کیونکہ فاتحۃ الکتاب فصاعداً آپس میں معطوف اور معطوف علیہ ہیں اور لاصلٰوۃ کی نفی دونوں کا شامل ہے اب آپ یہ فرق کس طرح کر رہے ہیں کہ فاتحہ تو امام کے پیچھے بھی بہر صورت پڑھی جائے اور قرأت میں امام پر ہی اکتفاء کیا جائے۔ اگر امام کی قرأت مقتدی کی قرأت شمار کر لی جاتی ہے تو فاتحہ میں امام کی قرأت پر اعتماد کیوں نہیں۔ یعنی وہ مقتدی کے لئے کافی کیوں نہیں امام بخاریؒ نے پوری بخاری میں فاتحہ خلف الامام بارے اس کے سوا کچھ نہ لکھا اور جو ایک جملہ حدیث کا یہاں لکھا اس کی حقیقت بھی واضح ہوئی کہ اسی عبادہ بن صامت سے میں نے دو روایات پیش کیں جن سے ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ کو یا تو روایت کا ادھورا حصّہ مل سکا یا پھر پیش ہی اتنا کر دیا۔ اب امام بخاریؒ کی پیش کردہ صرف ایک مختصر روایت کو مزید تحقیق کی روشنی میں جانچتے ہیں۔ اس روایت کے شروع میں بھی لاصلٰوۃ یعنی لائے نفی جنس موجود ہے جو بغیر فاتحہ کے ہر نماز کی نفی کر رہا ہے اور ایک ایسی ہی صحیح حدیث میری طرف سے بھی پیشِ خدمت ہے جو یہ ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقِرَاءَةٍ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَمَا أَعْلَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْلَنَّاهُ لَكُمْ، وَمَا أَخْفَاهُ أَخْفَيْنَاهُ لَكُمْ۔ [234]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرأۃ کے بغیر کوئی نماز نہیں۔ ابوہریرہؓ نے فرمایا جو جو رسول اللہ ﷺ نے ظاہر کیا اس کو ہم نے بھی ظاہر کیا جن نمازوں میں آپ نے اخفآء فرمایا ہم بھی تمہارے سامنے اخفآء کرتے ہیں۔

امام مسلمؒ سے اس کی تائید میں دوسری روایت۔

عن عبادۃؓ بن الصامتِ قال قال رسول اللہ ﷺ لا صلوۃ لمن لم یقرأ باُمّ القرآن فصاعدًا۔ [235]

[234] مسلم کتاب الصلاۃ باب وجوب قراء ۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ، وإنہ إذا لم یحسن الفاتحۃ ولا أمکنہ تعلمہا قرأ ما تیسر لہ من غیرہا

[235] سنن کبریٰ للبیہقی۔صحیح ابن حبان۔مستخرج ابی عوانہ۔مسند امام احمد

حضرت عبادۃ بن صامت نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو فاتحہ اور اس کے بعد کچھ قرآن نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔

نوٹ:۔ یہی پوری بات ہے امام بخاریؒ سے پوری حدیث ہی نقل نہیں جبکہ امام مسلمؒ نے اس کو پورا بیان کیا جس کی تائید دیگر روایات بھی کر رہی ہیں مزید ملاحظہ ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جاؤ ان الفاظ کا اعلان کر دو۔

الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُوهُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اخْرُجْ فَنَادِ فِي الْمَدِينَةِ أَنَّهُ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقُرْآنٍ وَلَوْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَمَا زَادَ۔ [236]

فاتحہ اور کچھ مزید قراۃ قرآن کے بغیر کوئی نماز نہیں۔

یہ روایت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے جس میں فما زاد کے الفاظ ہیں اور عبادہ بن صامت سے مروی ابھی اوپر گزری جسمیں مصاعداً کے الفاظ ہیں یہ دونوں روایات ایک دوسرے کی صحت اور مفہوم و الفاظ پر گواہ ہیں ان سے ظاہر ہے کہ حضور ﷺ نے صرف یہ ہی نہیں فرمایا کہ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں بلکہ یہ بھی فرمایا کہ فاتحہ کے بعد قرأت کے بغیر بھی کوئی نماز نہیں جبکہ فرائض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں قراۃ سوائے فاتحہ کے ہوتی ہی نہیں مگر پھر بھی نماز ٹھیک ہے ظاہر ہوا کہ لا صلوٰۃَ میں عموم مطلق نہیں دوسرا یہ کہ فاتحہ خلف الامام اگر اس حدیث سے ثابت ہے تو اسی حدیث سے قراۃ بعد فاتحہ خلف الامام کیوں ثابت نہیں۔ اگر اس راز پر ناچیز کو مطلع کر دیا تو شکر گزار ہوں گا۔

لا صلوٰۃَ کا اطلاق مخصوص ہے:۔

مامِن عامٍ الّا وقد خُصَّ۔

[236] ابو داؤدکتاب الصلاۃ أبواب تفریع استفتاح الصلاۃباب من ترک القراء ۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الکتاب

کوئی مطلق ایسا ہے ہی نہیں جو کسی صورت میں خاص نہ ہوجاتا ہو یہ ہمارا فقہ کا مسلّم اصول ہے جس کو جُھٹلایا نہیں جاسکتا مثلاً قبلہ رو ہونے کا حکم مطلق و عام ہے مگر عذر کی بنا پر یا جہالت و لاعلمی کی بنا پر خاص ہوجاتا ہے۔ وضو کا حکم مطلق ہے مگر پانی نہ ملنے کی صورت تیمم کی وجہ سے خاص ہوجاتا ہے ہر مطلق و عام کا یہی حال ہے سوائے ذات باری کے۔ لہذا یہاں لاصلٰوۃ بھی عام نہیں بلکہ خاص ہے۔ روایات یہ ہیں۔

1۔ حضرت رفاعہ بن رافعؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے ایسا آدمی پیش ہوا جس کو نماز سے کچھ نہ آتا تھا تو اس نے پوچھا جناب میں نماز کے وقت کیا کروں تو جناب نے فرمایا اگر قرآن سے کچھ یاد ہے تو پڑھ لینا و گرنہ تلاوت و قرأت کی جگہ "الحمد اللہ ، اللہ اکبر ، لاالہ الّا اللہ" کہہ کر رکوع کرلیں۔ اس روایت کو صحیح ترمذی، ابوداؤد کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃِ مَن لایُقیم صلبُہٗ، نسائی، دارمی اور احمد وغیرہ نے روایت کیا اور یہ روایت بھی صحیح ہے ضعیف نہیں۔

اب اس روایت میں بغیر سورۃ فاتحہ تلاوت کرنے کے عذر کی وجہ سے نماز درست ہوئی لہذا "لاصلٰوۃ" کا عموم ختم ہوگیا۔ اگر آپ کہیں کہ یہاں تو ہے تب فاتحہ کے بغیر نماز درست ہوئی تو عرض ہے کہ مقتدی کا امام پیچھے بھی عذر ہے کہ قرآن و حدیث نے سماع کو لازم اور چپ رہنے کا حکم دیا ہوا ہے اب کیا کرسکتے ہیں معذور ہیں۔

2۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفٰیؓ سے مروی ہے کہ ایک ایسے ہی آدمی نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ جناب مجھے تو قرآن سے کچھ بھی یاد نہیں۔ مجھے کوئی وہ چیز سکھا دیں جو مجھے کفایت کرے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم "سبحان اللہ ، الحمد اللہ ، ال الہ الّا اللہ ، واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ" ہی کہو۔ یہ واقعہ بھی عام نہیں بلکہ نماز کے بارے میں ہے کیونکہ اس روایت کو ابوداؤد نے کتاب الصلٰوۃ باب مایجزی الامی والاعجمی من القرأۃ میں درج کیا۔ نسائی، دارقطنی وغیرہ یہ روایت حسن ہے۔

3۔ عن جابرٍؓ عن النبی ﷺ من کان لہ امامٌ فقرأۃ الامام لہٗ قرأۃ۔[237]

---

[237] ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلٰوۃ و السنۃ فیہا باب اذاقرأ الامام فانصِتُوا ۔ دارقطنی ، شرح معانی الاثار ، ارداء الخلیل وغیرہ

امام کی قراَت مقتدی کی قراَت ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

سفیان ثوریؒ، شریک، جریر اور ابو الزُہیر نے اپنی اپنی اسانید صحیحہ میں اس کو مرفوعًا صحیح روایت کیا۔

اس روایت کے مطابق بھی "لا صلٰوۃ" والی روایت کا عموم خصوص میں بدل گیا۔

لا صلٰوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اور جو رکوع میں شامل ہو:۔

ظاہر ہے کہ یہ تعیّن کیا جائے کہ مقتدی رکعت کی کونسی جگہ آکر ملے تو تب اس کی وہ رکعت شمار ہوگی۔ چونکہ یہ نماز کا مسئلہ ہے اور کثیر الوقوع لازم ہے کہ اس کی وضاحت ہو جائے۔ ہمارے علمآء نے اس کی وضاحت احادیث کی روشنی میں کی ہے مگر وہ احباب جن کو فاتحہ بہر صورت ہر رکعت میں لازمی پڑھنا ہے ان کو جہاں اس رائے سے دیگر اشکالات پیدا ہوئے وہاں ان کو یہاں بھی شدید اشکال ہے اور پوری امت کے مقابلہ میں تنہا کھڑے نظر آئے۔ اِس بارے میں مختلف آراء ملاحظہ ہوں۔

1۔ چاروں امام یعنی امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی رائے ہے کہ جس نے رکوع پا لیا اُس نے رکعت پالی۔

2۔ چاروں ائمہ کے علاوہ بھی جمہور (بھاری اکثریت) کی رائے میں جس نے رکوع پایا اس نے رکعت پالی۔

3۔ علامہ عینیؒ بھی فرماتے ہیں کہ جس نے رکوع پالیا اُس نے رکعت پالی۔ عمدۃ القاری شرح بخاری۔

4۔ علامہ ابن قدامہؒ: جس نے رکوع پالیا اس نے رکعت بھی پالی۔ المُغنی ج1 صفحہ 504۔

5۔ خود اہل حدیث کے دور حاضر کے چوٹی کے عالم ناصر الدین البانیؒ بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔

6۔ سعودی مجلس افتاء:۔ سعودی حکومت نے سرکاری سطح پر علماء کا ایک بورڈ تشکیل دے رکھا ہے جن کی ذمّہ داری مسائل کا شرعی حل پیش کرنا ہے انہوں نے یہی فتوی دیا ہے کہ جس نے رکوع پالیا اُس نے گویا رکعت پالی۔ فتاوی اللجنۃ الدائمۃ ج6 صفحہ 404۔

7۔ علّامہ ابن باز نے بھی یہی فتوی دیا ہے۔ الفتاوی الاسلامیہ ج1 صفحہ 230۔

آپ نے خوب ملاحظہ فرمالیا کہ چاروں ائمہ فقہ، سعودی مجلسِ افتاء اور خود علامہ ناصر الدین البانیؒ اہل حدیث کی متفقہ رائے ہے کہ جس نے رکوع کو پالیا اس نے رکعت پالی۔ چونکہ یہ صورت حال اکثر پیش آتی ہے اور حضور ﷺ کے زمانے میں صحابہ کو بھی بار بار آئی تو کیسے ممکن ہے کہ نہ تو حضور ﷺ مسئلہ واضح فرمایا ہو جبکہ آپ کا منصب رسالت تقاضا کرتا ہے اور نہ ہی صحابہ نے پوچھا ہو جو کہ ہر چھوٹی بڑی چیز دین کے بارے میں پوچھنے میں حریص تھے۔ بات دراصل یہ ہے کہ دور نبوت میں تو یہ مسئلہ واضح تھا اب ہم کو سمجھ نہیں آرہی۔

اس بارے حدیث پیشِ خدمت ہے۔ جماعت ہو رہی ہے اور حضرت ابو بکرہؓ اس وقت پہنچے جب امام رکوع میں تھا تو آپ نے حصولِ رکوع کی خاطر جلدی سے صف میں پہنچنے سے پیچھے ہی رکوع کیا اور شاملِ رکعت ہو گئے تو فراغتِ نماز کے بعد حضور ﷺ نے جب اسے صفوں سے الگ دیکھا تو پوچھنے پر انہوں نے پوری بات بتائی تو آپ نے فرمایا "زادک اللہ حرِصًا ولا تعُد" "اللہ تیرے حصولِ رکوع کے حرص کو اور زیادہ فرمائے آئندہ ایسے نہ کرنا۔" "اس روایت کو امام بخاریؒ اور ابو داؤدؒ نے روایت کیا"

یعنی صحابی کی حرصِ شرکتِ رکوع کو تو زیادہ ہونے کی دعا فرما کر یہ ظاہر فرمایا کہ رکوع میں شریک ہونے کا حرص تو اس سے زیادہ ہونا چاہیئے مگر صف سے جو آپ الگ پیچھے ہی کھڑے ہو گئے ایسا پھر نہ کرنا۔ مگر اس کی نماز کو رد بھی نہ فرمایا کہ صفوں کی ترتیب و تشکیل ارکان و فرائض سے نہیں بلکہ سنت ہے۔

اب ظاہر ہے کہ اس صحابی نے رکوع میں شرکت کی اس قدر کوشش کی کہ صفوں کی تشکیل کو نظر انداز کیا تاکہ رکوع ملے اور میری یہ رکعت ہو جائے اگر رکوع پانے سے رکعت ہی نہ ہوتی ہو تو اس صحابی کو صفوں میں پہنچ کر نماز شروع کرنے میں کیا رکاوٹ تھی جبکہ صفوں کی ترتیب و تشکیل پر حضور ﷺ اکثر زور دیتے رہے۔ اب اگر صحابی کا یہ خیال غلط تھا کہ جلدی سے رکوع ملوں تاکہ رکعت مل جائے تو

حضور ﷺ پر لازم تھا کہ اس کو غلطی پر آگاہ کرتے۔ جب یہ سمجھ آجائے کہ اس صحابی کی رکوع ملنے والی رکعت ہو گئی تو فرمائیں اس کا فاتحہ کہاں گیا؟ گویا ظاہر ہوا کہ امام کا فاتحہ پڑھنا اسی کا فاتحہ شمار ہوا۔ ہر رکوع میں ملنے والا بغیر فاتحہ کے ہی تو شامل ہوتا ہے۔ (بخاری وابوداؤد)

دوسری حدیث:۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا جِئْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ وَنَحْنُ سُجُودٌ فَاسْجُدُوا، وَلَا تَعُدُّوهَا شَيْئًا، وَمَنْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ، فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ۔ [238]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تم نماز میں اس وقت آکر ملو جب ہم سجدہ میں ہوں تو شریک سجدہ ہو جاؤ مگر اس کو کوئی (رکعت) شمار نہ کرو اور جس نے رکعت پالی اس نے نماز پالی۔

مسائل:۔

1۔ اگر کوئی آئے اور امام سجدہ میں ہو تو فوری سجدہ میں جائے فضول کھڑا امام کے اٹھنے کا انتظار نہ کرے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ سجدہ میں شریک ہونے کی بجائے کھڑے رہتے ہیں جب امام اٹھتا ہے تو شریک ہو جاتے ہیں یہ بہت غلط سوچ ہے۔ سجدہ اگر رکعت شمار نہیں بھی ہوتا تو کیا باعثِ اجر و ثواب بھی نہیں؟

2۔ اسی حدیث کو تقاضا ہے کہ اگر امام قیام سے رکوع میں چلا گیا تو آپ کھڑے فاتحہ ہی نہ پڑھتے رہیں بلکہ امام کے رکوع کے ساتھ ہی آپ کو بھی بلا تاخیر رکوع کرنے کا حکم ہے۔

سیاق کلام:۔

سیاقِ کلام سے ظاہر ہے کہ اس حدیث میں حضور ﷺ یہی واضح فرمانا چاہتے ہیں کہ کوئی کس وقت ملے تو رکعت شمار ہو گی اور کس وقت شمار نہیں ہو گی۔ تو یہاں سجدہ میں شرکت کو حضور ﷺ

---

[238] ابوداؤدکتاب الصلاة باب تفریع أبواب الركوع والسجودباب فی الرجل یدرک الإمام ساجداً كيف يصنع، دارقطنی، حاکم ، ابن خزیمہ وغیرہ،صحیح بخاری ج1

نے رکعت شمار نہ فرمایا اس کے مفہوم مخالف سے ظاہر ہے کہ سجدہ سے پہلے قریب تر رکنِ نماز رکوع ہے اس کی آپ نے نفی نہ فرمائی جس سے رکوع میں شرکت سے رکعت پالینا ظاہر ہوا۔ اب حدیث کے اگلے الفاظ بھی یہی اشارہ دے رہے ہیں کہ آپ نے فرمایا من اَدرک الرکعۃ فقد ادرک الصلٰوۃ یعنی جس نے رکوع پالیا اس نے گویا رکعت پالی۔ یہ مفہوم جملہ علماء بلاوجہ نہیں لیتے بلکہ محلِ کلام یہی ظاہر کرتا ہے کہ ایک طرف حضور ﷺ رکعت کے ایک حصّے سجدے کا ذکر فرما کر اس کو رکعت شمار نہ کرنا فرمایا اب کلام و محل کا تقاضا کہ آپ اس کے ساتھ ہی وہ رکعت کا حصّہ بھی بیان فرمائیں جس کو شرکت رکعت شمار ہو۔ ہاں ظاہر بین کے لئے یہاں مشکل اب بھی موجود ہے کہ یہاں لفظ من ادرک الرکوعَ نہیں بلکہ ادرک الرکعۃ ہے تو جناب رکوع کی وجہ سے ہی رکعت کو رکعت کہا جاتا ہے کہ رکوع اس قدر اہم ترین جزو رکعت ہے کہ پوری رکعت کو اسی کے نام سے موسوم کیا گیا۔ پھر یہ کہ رکوع اس لئے بھی رکعت ہونی چاہیئے کہ حالت رکوع میں آدمی کو بیٹھا ہوا نہیں کہتے گویا کھڑا ہے لہذا رکوع چونکہ قیام ہی کی ایک شکل ہے تو قیام از خود اس میں پایا گیا پھر یہ بھی کہ مقتدی جب شامل رکوع ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ حالت قیام میں تکبیر تحریمہ کہتا ہے اور اس کا قیام ثابت ہو جاتا ہے باقی امام کی قراَت مقتدی کی شمار کی جاتی ہے تو رکوع میں ملنا درست ہوا۔ اگر آپ کی فاتحہ رہ گئی تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے اپنی رائے ہی درست کرلیں۔ اگر علی بلاغت سے شناسائی ہو تو گزارش کروں کہ کبھی کُل بول کر جزء بول کر کُل مراد لیا جاتا ہے لہذا اس روایت سے رکعت بول کر رکوع ہی مراد ہے جو اس کا جزء لازم ہے اور جس کی وجہ سے ہی رکعت رکعت کہلاتی ہے یہ بھی ممکن ہے کہ رکوع کو عین رکعت کہ دیا جائے وہ اس طرح رَکَعَ یَرکَعُ سے رکوعًا اور رکعۃ دونوں مصدر آتے ہیں اس طرح رکوع اور رکعت ایک ہی شی کے دونام ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ ہم تو رکعت کو رکوع کہ رہے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے پوری نماز کو ہی رکوع فرمایا وارکعُوا مع الرّٰکعین۔ یہاں رکوع بول کو پوری نماز مراد ہے ورنہ لازم آئے گا کہ رکوع میں تو شرکت جماعت کے پابند ہوں اور بعد رکوع چھوڑ کا چلے جائیں۔

حدیث کا دوسرا حصّہ:۔

فقد ادرک الصلٰوۃ ۔یہاں بھی صلٰوۃ سے رکعت مراد ہے کہ کل بول کر جزء مراد لینا کلام عرب میں عام ہے۔اور محل بھی یہی تقاضا کرتا ہے کہ جناب ﷺ نے جب ایک طرف

سجدہ میں شرکت کو عدم رکعت قرار دیا تو دوسری طرف کسی رکن کو رکعت بھی تو قرار دیں تو آپ نے سجدہ کے مقابل رکوع کو رکعت و نماز قرار دیا۔ ورنہ جو مفہوم آپ نے ظاہری لیا دوسری روایات کی بنیاد پر تو سوال آپ سے یہ ہے کہ جس نے رکعت کو پالیا اس نے تو نماز پالی اور جو رکعت کے بعد رکوع سے لیکر قومہ، قومے سے سجود اور سجود سے تشہد کے آخری قبل از سلام تک شامل جماعت ہو گا اس کو آپ کیا کہیں گے کہ یہ شامل نماز نہیں ہوا؟ معلوم ہوا کہ یہاں محل کلام کچھ اور ہے جس کو سمجھنا چاہیئے۔

آپ کا شک:۔ آپ کا شک یوں سمجھ میں آتا ہے کہ حضور ﷺ کی دیگر احادیث ہیں جہاں آپ فرماتے ہیں کہ جس نے طلوعِ آفتاب سے پہلے ایک رکعت پڑھ لی یا غروب شمس سے قبل پڑھ لی یا جمعہ سے ایک رکعت کو پالیا تو گویا پوری نماز پالی۔ ان روایات سے آپ کو ہماری مذکورہ بالا حدیث کے سمجھنے میں دقّت پیش آئی مگر اتنا ہی عرض ہے کہ ہماری روایت کا محل اور ہے اور غروب شمس اور طلوعِ شمس کی روایات کا محل اور ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کلام کو محل سے سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً ایک جوان کے ہاتھ میں سانپ بھی اور رائفل بھی اور اس کے دوسرا پاس کھڑا سانپ بارے اس سے گفتگو کر رہا ہے اتنے میں ان کا ایک دشمن قریب سے گزرے تو سانپ والے کے پاس کھڑا محوِ گفتگو اپنی جاری گفتگو کے درمیان یہ کہ دے کہ اس کو قتل کر دو تو اس کا کیا مطلب ہو گا کیا سانپ کو قتل کرنا مراد ہو گا یا دشمن کو؟ تو محلِ کلام سے ظاہر ہے کہ جو گفتگو پہلے سانپ بارے چل رہی تھی "اس کو قتل کر دو" اسی کلام کا حصّہ ہے اور سانپ قتل کرنا مراد ہے۔ عین اسی طرح ہماری گزارش اتنی ہے کہ مذکورہ روایت میں حضور ﷺ کسی رکن کے پانے سے رکعت کے ہونے نہ ہونے کی بات فرما رہے ہیں نماز کے ہونے نہ ہونے کی بات اپنے الگ موقع پر فرمائیں گے۔ اس طرح اس روایت کو سمجھنا بالکل آسان ہو جاتا ہے اور یہی مراد بھی ہے۔

جہری و سرّی دونوں نمازوں میں مقتدی کی قرأت کی قطعی ممانعت:۔

حضور ﷺ نے امام کے پیچھے مقتدی کو جہری و سرّی دونوں حالتوں میں قرأتِ سے روک دیا ہے اس لئے کہ قرأتِ امام میں خلل واقع ہوتا ہے اور یہ ممانعت و خلل فاتحہ کو بھی شامل ہے۔

روایت نمبر 1:۔ جہری نماز میں ممانعت:۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جہری نماز میں فراغت کے بعد صحابہ کرام کی طرف رخ کر کے پوچھا کیا تم میں سے میرے ساتھ ساتھ کوئی قرأۃ کر رہا تھا؟ تو ایک صحابی نے اعتراف کیا جس پر آپ ﷺ نے فرمایا''اِنّی اقولُ مَا لِی اُناز عُ القرآن۔''میں بھی کہتا تھا کہ مجھے کیا ہو گیا کہ میں قرآن سے جھگڑ رہا ہوں پھر اسی روایت کے آخر میں ہے کہ "فَانتھَی النّاسُ عَنِ القرأۃِ مَعَ رسولِ اللّٰہ فیما جَھَرَ فیہ بالقرأۃِ" کہ اس کے بعد جہری نمازوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام قرأت سے باز آ گئے۔

تشریح:۔

جہری نمازوں میں سب صحابہ قرأت نہیں کرتے تھے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بلکہ ایک صابی نے ایسا کیا تب تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ کس نے میرے پیچھے کھڑے قرأت کی اگر سب امام پیچھے قرأت کرتے تو سوال ہی کرنے کی حالت نہ تھی کہ کس نے کی۔

دوسری بات یہ کہ حضور ﷺ کو خلل ہوا تو منع کر دیا اب سوال یہ ہے کہ امام پیچھے قرأت جہری میں کرنے کا تو کسی کا عمل نہیں کہ ممانعت موجود ہے لیکن اگر امام فاتحہ جہری میں تلاوت کر رہا ہو اور آپ بھی پیچھے سے تلاوت کریں تو کیا امام کو خلل نہیں ہو گا یقیناً جیسے حضور ﷺ سے ہوا۔ ایسے اب بھی ہو گا لہٰذا امام پیچھے فاتحہ نہ پڑھی جائے۔[239]

ممانعتِ قرأتِ خلف الامام کی دوسری روایت سرّی نماز میں:۔

حضرت عمران بن حصنؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ظہر کی (سرّی) نماز پڑھائی تو ایک صحابی نے دوران قرأت حضور ﷺ کے پیچھے اپنی قرأت "سبح ا سم رَبّک الاعلیٰ" فرمائی تو نماز سے فراغت پر حضور ص

---

[239] ابو داؤد کتاب الصلٰوۃ

نے فرمایا میرے پیچھے کون قرأت کررہا تھا تو پڑھنے والے نے بتایا جناب میں! آپ نے فرمایا'' لقد ظَنَنْتُ ان بعضکم خالِجنیھا ''یقیناً میرا بھی یہی گمان تھا کہ تم سے مجھ سے کوئے خلل انداز ہو رہا ہے۔[240]

تشریح:۔

یہ روایت چونکہ ظہر بارے ہے جو کہ ایک سری ّنماز ہے، اس میں بھی حضور ﷺ کو پچھلے نمازی کی قرأت سے مسلسل خلل پڑا تو روک دیا۔ اب ظاہر ہے کہ خلل وجہ ممانعت ہے اور خلل فاتحہ و غیر فاتحہ دونوں میں برابر پڑھتا ہے تو کہنا کہ فاتحہ کے بعد قرأت امام کے پیچھے نہ کرکے امام کو خلل سے بچایا جائے مگر فاتحہ کے دوران خلل انداز ہوتے رہیں اور امام کو برابر پریشان رکھیں کہ وہ اپنی تلاوت اور اس کے مفہوم پر دھیان ہی نہ دے سکے۔ کیا یہ بات معقول ہو گی؟

لہٰذا فاتحہ و غیر فاتحہ کی تفریق کیے بغیر دونوں صورتوں میں امام کو خلل سے بچانا اور نہ پڑھنا لازم آتا ہے۔ سری ّنماز میں حضور ﷺ کا مقتدی کو قرأت سے روکنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ اور یہی ہم احناف بھی کہتے ہیں۔

جہری نماز میں مقتدی کی قرأت کی ممانعت پر تیسری روایت:۔

حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ ہم نمازِ فجر میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے شریکِ نماز تھے اور آپ قرأت فرمارہے تھے تو قرأت آپ پر بوجھل ہو گئی(خلل پڑا) تو آپ نے بعد از نمازِ فراغت پوچھا لعلّکم تَقرء ون خلفَ امامِکم کہ شاید تم امام کے پیچھے پڑھتے رہتے ہو تو ہم نے گزارش کی جی ہاں! تو آپ نے فرمایا لا تفعلوا۔ ایسا نہ کیا کرو۔

تشریح:۔

اس حدیث میں حضور ﷺ نے امام کے پیچھے قرأت سے صاف روک دیا مگر اس روایت کے آخری الفاظ:

---

[240] مسلم کتاب الصلٰوۃ باب نھی الماموم عن جھرہٖ

إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا۔

یہ بھی اس روایت کا حصّہ ہیں اور اسی اضافے کی وجہ سے یہ روایت ضعیف بھی ہے کیونکہ آپ اس سے پہلے دو روایات پڑھ چکے وہاں آپ نے مطلق مقتدی کو قرأت سے منع فرمایا اور فاتحہ کی اجازت بھی نہ دی یہاں فاتحہ کی اجازت ذکر ہے جو ضعیف ہے اہل حدیث نے اس روایت کو ضعیف تسلیم کیا۔[241]

ضعیف ہونے کی وجہ:۔

اس روایت کے ضعیف ہونے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حضرت انس ﷺ سے ایسی ہی روایت موجود ہے جس میں یہ اضافہ نہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ ممانعت کی وجہ خلل اندازی ہے پھر یہ کیسے یقین کر لیں کہ فاتحہ سے خلل اندازی نہیں ہوتی باقی قرأت سے ہوتی ہے لہذا یہ خلافِ عقل و حقیقت ہے اور کسی حدیث کا خلافِ عقل ہونا وجہِ ضُعف ہوتا ہے لہذا ضعیف ہے اور یہی احباب اہل حدیث کا آخری سہارا بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

خلاصۂ کلام:۔

جملہ احادیث کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہی حاصل کلام ہے کہ مقتدی سری و جہری دونوں حالتوں میں فاتحہ سمیت کوئی قرأت نہ کرے بلکہ خاموشی سے پوری توجہ سے امام کی سماعتِ فاتحہ اور اس کے بعد تلاوت کو سنے اور اگر نہیں سن رہا یا سرّی نماز ہے تو بھی خاموش رہے کہ قرآن و حدیث میں جہاں خاموش رہنے کا حکم ہے وہ سرّی و جہری دونوں کے لئے عام ہے اور پھر حدیث حسن سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امام کی قرأت سرّی و جہری دونوں حالتوں میں مقتدی کی قرأت ہے اور "لاصلٰوۃ لمن لم یقرأ الّا بفاتحۃ الکتاب" کو جو روایات منفرد کے لئے خاص کرتی ہیں وہ بھی ذکر کر دیں۔

پھر فاتحہ پڑھنے کی جگہ امام کے پیچھے اہل حدیث بھائی نامعقول بتا رہے ہیں اب یہ بھی روایات سنتے جائیں کہ جو رکوع میں شامل ہو اس کی رکعت بھی شمار ہو جاتی ہے جب رکوع میں

---

[241] نماز کی کتاب صفحہ 129 اہل حدیث عالم کی کتاب حاشیہ نمبر 1 ۔ یہ کتاب علامہ عمراب ایوب لاہوری کی تصنیف ہے ۔

شامل ہوا تو ظاہر ہے اس نے فاتحہ نہیں پڑھی مگر رکعت اس لئے ہو گئی کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے اور یہ روایات اس روایت کی تائید کر رہی ہیں کہ جس میں ہے کہ جس کا امام ہو تو امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔

1۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَهَا قَبْلَ أَنْ يُقِيمَ الْإِمَامُ صُلْبَهُ۔ [242]

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جس نے نماز کی رکعت کو (یوں) پالیا اس نے نماز پالی کہ ابھی امام نے (رکوع سے) پیٹھ سیدھی نہ کی تھی۔

اب اس روایت نے وہ بحث بھی ختم کر دی کہ "من ادرک رکعۃً سے من ادرک الرکوع" کیسے بنا لیا کہ اس روایت نے خود وضاحت کر دی کہ جو رکعت کو اس طرح پائے کہ رکوع میں امام ہوا بھی اس نے رکوع سے کمر سیدھی نہ کی ہو۔ اگر آپ رکوع میں شامل ہونے کو رکعت نہیں مانتے تو آپ کو صحیح روایت سے ثابت کرنا ہوگا کہ مقتدی پھر کہاں شامل ہو تو رکعت ہو۔ رکوع کے بغیر کوئی تعین آپ نہیں کر سکتے اگر کوئی کوشش کی تو خود کو بھی شکل میں ڈالو گے اور مقتدی کے لیے بھی مسائل کھڑے کرو گے جبکہ شریعت مسائل کھڑے نہیں کرتی بلکہ مسائل کا حل پیش کرتی ہے۔

مسئلہ امین بالجہر:۔

امین دعا ہے اور دعا جہراً کی بجائے سراً ہی افضل ہے اور قرآن وحدیث کا تقاضا بھی لہذا احناف کے نزدیک جب امام "ولا الضّالین" کہے تو مقتدی آہستہ امین کہیں جس کی امین فرشتوں سے مواقف ہو جائے اس کی پچھے گناہوں کی بخشش کر دی جاتی ہو امام بخاریؒ نے کتاب الاذان باب جھر الامام بالتّامین الخنر بخاری ج 1 میں اسی مفہوم کی تین احادیث ذکر فرمائیں۔ اب احناف اٰمین کے آہستہ کے قائل جبکہ اہل حدیث اٰمین کے جہر کے قائل ہیں مگر اس مسئلہ میں بھی سوائے شرمندگی کے ان کو کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ جہاں تک امام بخاری پر اہل حدیث نے اندھا اعتماد کیا ان کی حقیقت یہ ہے کہ پوری بخاری میں امام بخاری نے ایک بھی جہر کی حدیث ذکر نہ کی جس سے ظاہر ہے کہ بخاری کے علاوہ بھی اہل حدیث اگر جہر پر حدیث لاتے تو اس کی حیثیت امام بخاری کی نظر میں بالکل نہیں ورنہ مذکورہ

242 دار قطنی باب من ادرک لامام قبلَ اقامۃ صُلبِہ ، سنن کبری للبیہقی باب ادراک الامام فی الرکوع ، جُزء القرأۃ للبخاری

حوالہ کتاب الاذان میں جہاں وہ اٰمین بالجہر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ امام بھی جہر سے اٰمین کہے پھر اسی جگہ اگلے باب کا نام جہر الماموم بالتامین سے مقتدی کے اٰمین بالجہر کا دعویٰ کرتے ہیں مگر حیرت ہے کہ دونوں ابواب میں جہر کا دعویٰ تو ہے مگر اپنے دعویٰ پر امام بخاری ضعیف حدیث یا اثر بھی لانے سے قاصر رہا۔ اب بھی اگر کوئی یہ مان کرے کی جہر کا لفظ تو پوری بخاری میں نہیں مگر فرشتوں سے موافقت یا اٰمین کا باعثِ بخشش ہونا یہ جہر کی دلیل ہے تو سنیے امام بخاری سے ہی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا قَالَ الإِمَامُ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ المَلاَئِكَةِ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ[243]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللّٰھم ربنا ولک الحمد کہو جس کا اللّٰھم ربنا ولک الحمد فرشتوں کے موافق ہو جائے اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

امام بخاریؒ کا اٰمین بالجہر کے دعوی کا حوالہ[244]

تشریح:۔

اگر فرشتوں کی موافقت جہر سے ہے تو یہاں بھی فرشتوں کی موافقت اور اسی اجر کی بات ہے جو اٰمین پڑھے تو چاہیئے کہ مقتدی صرف اٰمین ہی اونچی آواز سے نہ کہے بلکہ اللّٰھم ربنا ولک الحمد بھی اونچا کہے جبکہ ایسا تو اہل حدیث بھی نہیں کرتے۔ جب اللّٰھم ربنا ولک الحمد آہستہ کہ کر باعث اجر و موافقِ ملائکہ ہو گیا تو اٰمین بھی آہستہ کہ کر باعث اجر و موافق ملائکہ ہو جاتا ہے۔ دوسرا یہ مسئلہ بھی احناف کا اسی حدیث سے ظاہر ہو گیا کہ امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی صرف اللّٰھم ربنا ولک الحمد کہیں
۔

---

243 بخاری کتاب الاذان باب فضل اللّٰھم ربنا ولک الحمد

244 بخاری ج1 کتاب الاذان باب جہر الامام بالتامین الخر

اٰمین بالجہر پر اہل حدیث کی دلیل اور اُس کی حقیقت:۔

ان کی پہلی دلیل تو آپ پر واضح ہوئی کہ انہوں نے امام بخاریؒ کے اپنے قول پر اعتماد کیا جبکہ امام بخاری کے پاس سوائے اپنے قول کے کوئی ضعیف حدیث بھی جہر پر نہیں جس کو وہ پیش کرتے اب رہی اہل

حدیث کی دوسری دلیل۔

حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے غیر المغضوب علیهم ولا الضّآلّین پڑھا تو اٰمین کہی اور (ورفع بھا صوتہ) اور آواز کو بلند فرمایا۔ یہ کسی ایک نماز کا واقعہ ہے نہ کہ معمولِ رسول ﷺ اور نہ ہی حکم رسول ﷺ۔ اگر یہ ہر نماز میں معمول ہوتا تو الفاظ یہ ہوتے "و کان یرفع بها صوتہ" کہ جب آپ اٰمین فرماتے تو معمول تھا کہ آپ آواز کو بلند فرماتے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ پیش کردہ روایت دلیل کے لئے کافی نہیں جس کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ حدیث ترمذی ہی میں دو جگہ ذکر ہے ایک جگہ ورفع بھا صوتہ کے الفاظ کے ساتھ جبکہ دوسری جگہ وَمدّ بھا صوتہ سے ہے جبکہ آواز کو اونچا کرنا الگ بات ہے اور صرف لمبا کرنا نہ کہ اونچا کرنا یہ الگ بات ہے۔ پھر وائل بن حجرؓ ایک ہی راوی ہیں انہی سے یہ بھی روایت ہے "وخفض بھا صوتہ"، یعنی جب حضور ﷺ نے اٰمین پڑھا تو آواز کو پست یعنی مخفی کر لیا۔ ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی التامین، ابن ماجہ، احمد بن حنبلؒ اور دار قطنی نے بھی وائل بن حجرؓ سے وخفض بھا صوتہ کہ اٰمین آہستہ آواز سے کہی روایت کیا یہی ہماری دلیل بھی ہے۔

اسی طرح ابو داؤد، طیاسی، ابو یعلی موصلی طبرانی اور حاکم نے اور مستدرک نے بھی وائل بن حجرؓ سے آہستہ آواز سے اٰمین روایت کی۔ طبرانی نے تہذیب الاثار اور طحاوی نے آثار السنن میں ایک اثر پیش کیا جو مذکورہ روایت کی تائید کرتا ہے۔ ہے وہ یہ ہے کہ

عن وائل بن حجرؓ قال لم یکن عمرؓ و علیؓ یجھران ببسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ولا باٰمین۔

کہ حضرت عمرؓ و علیؓ نہ تو بسم اللہ اونچی پڑھتے اور نہ ہی اٰمین اونچی پڑھتے تھے۔

معلوم ہوا کہ اس روایت میں وائل بن حجرؓ بالکل اکیلے ہیں یہ روایت شاذ ہوئی اور الفاظ کا تردد الگ ہے لہٰذا ہمارے خلاف قابلِ حجت نہیں بلکہ ہمارے حق میں ہے کہ زیادہ لوگوں نے وائل بن حجرؓ سے اٰمین کے وقت آواز کو پست کرنا روایت کیا۔ اور حاکم نے آواز کو اٰمین پر پست کرنے کی روایت وائل بن حجرؓ سے ذکر کر کے فرمایا کہ اس روایت کی اسناد نہایت صحیح ہے تو معلوم ہوا کہ وائل بن حجرؓ کی روایت میں اگر کچھ جان

ہے تو خفا میں ہے جسے حاکم نے ظاہر کیا جہر کے لحاظ سے اس میں کوئی جان نہیں شاید راوی نے غلطی کھائی ہو کیونکہ ایک ہی وائل بن حجرؓ دو باتیں متضاد کیسے بتا سکتے ہیں کہ جہر کی بھی بات کریں اور سر کی بھی۔

اب رہی اہل حدیث کی تیسری اور آخری دلیل وہ یہ کہ حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ اور ان کے مقتدیوں نے اس قدر اونچی آواز سے امین کہی کہ مسجد گونج گئی۔ اس کو عبد الرزاق نے اپنی سند میں اور ابن مُنذر نے الاوسط میں ذکر کیا۔ اس پر پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ حدیث نہیں کیونکہ حدیث کی تعریف جس پر سب متفق ہیں وہ قولِ رسول، فعل رسول اور تقریر رسول ﷺ ہے یہاں ایسی کوئی چیز نہیں بلکہ اثر کہتے ہیں۔ حیرت ہے کہ امام ابو حنیفہؒ جیسے جلیل القدر اور عظیم المرتبت سے اختلاف کی کوشش کر رہے ہیں اور لوگوں کو بھی ان سے متنفّر کر رہے ہیں اور آپ کے پاس صرف اثر ہے اور اثر بھی وہ جس کو عام محدثین اپنی اپنی تالیفات میں جگہ ہی نہیں دے رہے۔ اب رہی بات امام بخاریؒ کی تو امام بخاری ج 1 کتاب الاذن باب جہر الامام بالتامین میرے سامنے پڑی ہے جس میں حدیث و اثر ذکر کیے بغیر بلا سند امام بخاریؒ باب کی ابتداء میں یوں فرماتے ہیں۔

وَقَالَ عَطَاءٌ: آمِينَ دُعَاءٌ أَمَّنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ: وَمَنْ وَرَاءَهُ حَتَّى إِنَّ لِلْمَسْجِدِ لَلَجَّةً۔۔۔ الخ۔

تو جناب یہ امام بخاری نے باب کا نام تو رکھا مگر نہ یہ حدیث ہے نہ اس کے تحت کوئی اٰمین بالجہر کی کوئی حدیث ہے صرف یہ الفاظ بلا سند کہنا کہ عطاء نے یوں کہا اور ابن زبیر نے یوں کیا جب تک امام بخاریؒ سند بیان نہ کریں تو ان کا اتنا کہہ دینا کسی کے لئے شاید حجت بلا دلیل ہو مگر احناف کے لئے ہر گز یہ دلیل نہیں۔ معلوم ہوا کہ جو اثر آپ نے پیش کیا اگر واقعی اس اثر کا وزن امام بخاریؒ کے ہاں ہوتا تو اس کو پوری سند سے بیان کرتے۔ ہمارے ان پڑھ نمازیوں کو یوں ہی پاگل بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کہ بخاری میں لکھا ہے بھائی صاحب ساری بخاری قرآن نہیں کہ اس کی ہر بات ماننا لازم ہو اس میں امام بخاریؒ کے اپنے اقوال بھی ہیں جو ابواب کے شروع میں فرماتے ہیں جو حدیث نہیں اور اس میں تاریخی واقعات بھی ہیں۔ جن کو حدیث کی حیثیت و مقام حاصل نہیں لہذا جب بخاریؒ کو حوالہ دیا جائے تو کسی صاحب علم سے رجوع کر کے جاننے کی کوشش کریں کہ امام بخاریؒ کی اس بات کی کیا حیثیت ہے۔ معذرت سے ہم امام بخاریؒ کی ہر بات کے مقلّد نہیں۔

عقلی دلیل:۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ امین دعا ہے اس میں خفا ہو پھر اونچے کہنے سے نمازیوں کی توجہ یقیناً اس طرف ہوتی ہے تو نماز میں خلل اندازی ہوئی جو حدیث کے مطابق فعلِ شیطان ہے۔

مزید یہ کہ اٰمین کے لفظ کو سورہ فاتحہ کے ساتھ قرآن میں جگہ نہ دی گئی تو فاتحہ کے ساتھ قراءت میں اس کو جگہ کیوں دی جائے پھر یہ کہ امام جہر صرف تلاوتِ قرآن میں کرتا ہے باقی پوری نماز میں سرّ ہے سوائے تکبیرات و سلام کے کہ وہ اطلاعِ انتقالِ حالت کے لئے ہے۔ جب صرت قرآن کی تلاوت جہر سے ہے تو اٰمین کو جہر سے بول کر قرآن کے ساتھ مشابہت کیوں دی جائے۔ اسی بنیادی پر فاتحہ کے شروع میں تسمیہ کو جہر سے پڑھنے کی اجازت نہیں جو فاتحہ کے اوپر قرآن میں تحریر ہے تاکہ فاتحہ ممتاز رہے تو وہ اٰمین جو تحریر ہی نہیں قرآن میں فاتحہ کے ساتھ اس کو جہر کا مقام مثلِ فاتحہ کیوں ہو۔ اللہ تعالیٰ فہم و دراک اور شرحِ صدر عطا فرمائے۔

یہاں بھی اہل حدیث کا تردد:۔

مقتدی اس وقت شاملِ رکعت ہوا کہ امام نے ولا الضالین کہا تو لازم ہے کہ حدیث کے مطابق یہ اٰمین کہے گا اور اسی امین کی موافقت کے لئے تاخیر سے آنے والا تلاوت کے سکتوں میں فاتحہ بھی نہیں پڑھے گا کیونکہ ایسا نہ ہو کہ امام ولاالضالین پر پہنچ کر امین کا تقاضا کرے اور مقتدی ابھی درمیان فاتحہ میں ہو تو کیا درمیان فاتحہ میں امین کہے اور جب فاتحہ پوری کرے تو پھر امین کہے؟ اور اگر مقتدی فاتحہ امام کی قرات کے بعد پڑھے گا تو آخر میں امین بھی کہے گا یوں ایک امین مقتدی نے آتے ہوئے امام کیساتھ پڑھی دوسری اپنی فاتحہ کے آخر میں پڑھی جو فاتحہ کہ مقتدی نے امام کی مکمل قرات کے بعد پڑی تو جناب یہ فرمائیں کہ ایک رکعت میں کتنی مرتبہ امین ہوئی؟ دو مرتبہ۔ یہ تردد بھی آپ کو فاتحہ کے غلط طرح سمجھنے سے ہو اور نہ یہی روایت یہ بتا رہی ہے کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم امین کہو جس سے ظاہر ہے کہ آپ کی فاتحہ امام کے پڑھ دی اور آپ بالکل فارغ کھڑے ہیں تب آپکو فقولو امین کا حکم دیا نہ کہ آپ فاتحہ کے درمیان ہیں اور آپ کو امین کا حکم ہوا کیونکہ فاتحہ امین سے یقیناً افضل ہے کہ امین صرف دعا ہے لفظ قرآن نہیں۔

امام کے رکوع جانے سے قبل فاتحہ کی ناکام کوشش:۔

اہل حدیث حضرات فاتحہ بارے روایت کا غلط مفہوم لے کر جس مشکل میں پھنس گئے ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ شروع رکعت میں ثناء کی جگہ فاتحہ پڑھ لیں جو بالکل نامعقول ہے اس لئے کہ امام ثناء پڑھ رہا ہے تو آپ اتناع امام کے پابند ہیں آپ بھی اتباع میں ثناء ہی پڑھیں گے کیونکہ یہ حدیث مجبور کر رہی ہے۔

إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا۔[245]

یعنی امام تو بنایا یہ اسی لئے جاتا ہے کہ اس کی اقتداء واتباع کی جائے لہذا جب وہ تکبیر کہے اور جب رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم تب سجدہ کرو۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ پیچھے ساتھ ساتھ رہے بالکل پیچھے رہ نہ جائے۔ اسی سے فقہاء یہ مسئلہ اخذ کرتے ہیں کہ جب امام سلام پھیرے تو تم بھی اتباع میں سلام پھیر دو اگرچہ تمہارا تشہد ابھی مکمل بھی نہ ہوا ہو وغیرہ۔لہذا امام کی اتباع میں شروع رکعت میں تو آپ ثناء وغیرہ پڑھنے کا پابند تھے آپ اتباعِ امام کی بجائے فاتحہ میں مشغول ہو کر اتباع سے محروم ہوئے پھر دوسرا یہ کہ جب امام ابھی فاتحہ نہیں پڑھ رہا تو آپ نے امام سے پہلے فاتحہ پڑھ کر یوں غلطی کی جیسا کہ امام سے پہلے رکوع یا سجدہ کر دیا جائے۔ یہ صورت تو پہلی رکعت میں تھی اب باقی رکعتوں کے شروع میں ثناء نہیں امام فورًا فاتحہ شروع کرتا ہے لہذا سکتہ ہی نہیں اب آپ رکوع سے پہلے سکتے میں فاتحہ پڑھنے کی بات کرتے ہیں مگر کیسے ؟ آپ فاتحہ کی تلاوت میں مشغول ہوئے اور حنفی امام رکوع میں چلا گیا تو آپ مذکورہ حدیث کی رو سے امام کے ساتھ رکوع کے پابند ہیں نہ کہ فاتحہ پڑھ کر رکوع میں ملنے کے ۔ ویسے بھی جماعت کا انداز یہ تقاضا کرتا ہے کہ تمام نمازی امام کے ساتھ ساتھ ایک حرکت اور ایک شکل رہیں ورنہ جماعت تو نہ ہوئی۔ پھر آپ یہاں فاتحہ پڑھیں تو آپ کی اٰمین بھی دوسری آئے گی ۔اور آپ کا عمل امام کے خلاف ہو جائے گا۔ خدارا احناف کو کیا اپنے آپ کو کیوں پریشانی میں اُس پتے کی طرح ڈال دیا جو اپنی شاخ سے الگ ہو کر گلی کوچوں میں ہوا کے جھونکے کی نظر ہوتا رہتا ہے۔جہاں تک امام کی قراٴت فاتحہ کے اندر آپ اٰیات کے درمیان کوئی لمبے چوڑے سکتوں کا گمان رکھتے ہیں تو

[245] بخاری کتاب الصلوۃ باب الصلٰوۃ فی السطوح و المنبر

یہ بھی جناب کا گمان ہے حدیث میں بات صرف اتنی ہے کہ حضور ﷺ فاتحہ کو ایک ہی سانس میں نہ پڑھتے بلکہ آپ کی تلاوت ایک ایک آیت کرنے کی تھی جس میں زیادہ گنجائش آپ کو نہیں مل سکتی۔

رکوع:۔

اب نمازی قیام کو مکمل کرنے کے بعد رکوع میں جاتا ہے اور رکوع کا معنی جھکنا ہے اور پوری طرح جھکنے کا طریقہ حدیث میں یوں بتایا گیا ہے۔

1۔ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْبَدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُجْزِءُ صَلَاةُ الرَّجُلِ حَتَّى يُقِيمَ ظَهْرَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ۔[246]

حضرت ابو مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی کی نماز اس وقت تک کافی نہیں جب تک وہ رکوع و سجود میں پیٹھ کو بالکل سیدھا نہ کرے۔

رکوع میں پیٹھ کو سیدھا تب ہی رکھا جاسکتا ہے کہ پیٹھ کو مکمل بچھادے اور سیدھا برابر کر دے اور اپنے سر کو بھی پیٹھ کے بالکل برابر رکھے نہ سر اوپر اٹھا کر رکھے اور نہ نیچے جھکائے امام بخاریؒ نے بخاری ج 1 کتاب الاذان باب استواءِ الظھرِ فی الرکوع میں روایت کیا۔ ''رکع النبی ﷺ ثم ھصر ظہرہ'' کہ جب نبی ﷺ نے رکوع فرمایا تو اپنی پیٹھ مبارک کو بالکل جھکا دیا۔ دوران رکوع ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے۔ ''امام بخاریؒ نے بخاری ج 1 کتاب الاذان باب وضع الاکُفِّ علی الرُّکب فی الرکوع ''میں مصعب بن سَعد سے روایت کیا کہ ''واُمِرنا ان نَّضَعَ ایدینا علی الرُّکبِ۔''کہ نبی ﷺ نے ہمیں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کا حکم دیا اور ہاتھ صرف گھٹنوں پر رکھت ہی نہیں بلکہ گھٹنوں کو مَضبوطی سے پکڑے جیسے اسی باب میں امام بخاریؒ نے ابو حمید سے روایت کیا کہ ''امکن النبی ﷺ یدیہ من رُکبتیہِ۔''کہ جناب ﷺ نے دونوں گھٹنوں کو دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ الیا۔

رکوع جاتے ہوئے تکبیر کہنا:۔

نماز میں انتقالِ حال کے لئے تکبیر کہنے کی روایت۔

[246] ابوداؤدکتاب الصلاۃ أبواب تفریع استفتاح الصلاۃ باب صلاۃ من لا یقیم صلبہ فی الرکوع والسجود و الترمذی و ابن ماجہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ، فَيُكَبِّرُ كُلَّمَا خَفَضَ، وَرَفَعَ، فَإِذَا انْصَرَفَ، قَالَ: إِنِّي لَأَشْبَهُكُمْ صَلاَةً بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔[247]

حضرت ابو ہریرہؓ جب لوگوں کو نماز پڑھاتے تو اٹھتے بیٹھتے نماز میں تکبیر فرماتے اور کہتے کہ میں تم سب سے زیادہ رسول ﷺ کے مشابہ نماز پڑھتا ہوں۔

عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَا وَعِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ، فَكَانَ إِذَا سَجَدَ كَبَّرَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ كَبَّرَ وَإِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ، فَلَمَّا قَضَى الصَّلاَةَ أَخَذَ بِيَدِي عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ، فَقَالَ: قَدْ ذَكَّرَنِي هَذَا صَلاَةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ أَوْ قَالَ: لَقَدْ صَلَّى بِنَا صَلاَةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔[248]

مطرف بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ میں اور عمران بن حصینؓ حضرت علیؓ کیساتھ نماز پڑھی تو جب وہ سجدہ کرتے تو تکبیر کہتے اور سجدہ سے سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے جب رکعتوں سے اٹھتے تو تکبیر کہتے جب نماز ختم ہوئی تو عمران بن حصینؓ نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ اس نے مجھے رسول ﷺ کی نماز یاد دلادی۔

تعدیلِ ارکان:۔

یعنی رکوع سجود اور قومہ وجلسہ کو پورے اطمینان سے ادا کرنا۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ المَسْجِدَ، فَدَخَلَ رَجُلٌ، فَصَلَّى، ثُمَّ جَاءَ، فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صلّى الله عليه وسلم فَرَدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ السَّلاَمَ، فَقَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ، فَصَلَّى، ثُمَّ جَاءَ، فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ، فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ ثَلاَثًا، فَقَالَ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالحَقِّ، فَمَا أُحْسِنُ غَيْرَهُ، فَعَلِّمْنِي، قَالَ: إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلاَةِ، فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ القُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلاَتِكَ كُلِّهَا[249]

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مسجد تشریف لائے تو ایک آدمی مسجد میں آیا نماز پڑھی اور پھر حضور ﷺ کو سلام کیا جناب نے سلام کا جواب فرمایا اور فرمایا کہ جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی وہ گیا نماز پڑھی پھر آکر حضور ﷺ کو سلام کیا تو حضور ﷺ نے تیسری مرتبہ فرمایا

---

[247] بخاری کتاب صفۃ الصلاۃ باب إتمام التکبیر فی الرکوع

[248] بخاری کتاب صفۃ الصلاۃباب یکبر وہو ینہض من السجدتین

[249] بخاری کتاب الاذان باب أمر النبی ﷺ لایتم رکوعہ بالاعادۃ

جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی تو اس نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کیساتھ بھیجا کہ میں اس سے بہتر نماز نہیں پڑھ سکتا لہذا آپ مجھے سکھائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو تکبیر (تحریمہ) کہہ پھر جو قرآن سے یاد ہو پڑھ پھر رکوع کر یہاں تک کہ اطمینان کر لے پھر رکوع سے کھڑا ہو یہاں تک کہ پوری طرح کھڑا ہو کر اعتدال پر آجائے پھر سجدہ کر یہاں تک کہ اطمینان کرے پھر اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جا پھر دوسرا سجدہ اطمینان سے کر پھر پوری نماز اسی طرح مکمل کر۔

اس حدیث نے بالکل واضح کر دیا کہ جو حضرات نماز میں رکوع و سجود و قومہ و جلسہ پورے اطمینان و تعدیل سے نہیں کرتے ان کی نماز مکمل نہیں لہذا پوری نماز کے ہر رکن کو پوری طرح تسلی اور اطمینان سے آرام سے ادا کرنے کی عادت بنالی جائے تاکہ وہ نماز ادا ہو سکے جو رسول ﷺ کی نظر میں بھی نماز ہو۔ اگر آپ نے اپنی نماز میں ٹھہراؤ پیدا کر لیا تو سارا معاملہ تب ہی درست ہوگا۔ بھاگے بھاگے نماز پڑھنا کیا نماز ہوئی۔ حاضری رب کے حضور ہو اور آدمی تسلی سے حاضری نہ دے تو اس کے سوا اس عالم رنگ و بو میں رکھا ہی کیا ہے۔

رکوع و سجود کی تسبیحات:۔

رکوع و سجود میں تلاوت قرآن سے تو منع کر دیا گیا ہے البتہ یہ دونوں جگہیں اذکار اور دعاؤں کی ہیں یہاں حضور ﷺ سے مختلف اذکار و ادعیہ منقول ہیں مگر عام آدمی کو آسانی کے لئے سہل ترین عمل بتا دیا گیا ہے جو پڑھنے اور یاد کرنے میں آسان ہو اور اگر وہ مشاغلِ زندگی میں مصروف ہے تو مختصر بھی ہو۔ زیادہ اذکار وادعیہ کا جہاں رکوع و سجود میں تذکرہ ہے وہ حضور ﷺ کی انفرادی اور رات کی بندگی کے حوالے سے ہے ۔عام لوگوں کی سہولت کے لئے یہ تعلیم ہے۔

عن عُقبۃ بن عامرؓ لمّا نزلت فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ قال رسول اللہ ﷺ اجعلُوھا فی رکوعکم فلمّا نزلت سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الاعلٰی قال رسول اللّٰہ ﷺ اجعلوُھا فی سجود کم۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اجْعَلُوهَا فِي رُكُوعِكُمْ، فَلَمَّا نَزَلَتْ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾، قَالَ: اجْعَلُوهَا فِي سُجُودِكُم۔ [250]

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ جب "فسبّح باسم ربّک العظیم" والی آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے رکوع میں رکھ لو اور جب "سبّح اسم ربّک العلیٰ" نازل ہوئی تو فرمایا اسے سجدہ میں رکھ لو۔

گویا انہی دو آیات کی بنیاد پر رکوع میں "سبحان ربی الاعظیم" اور سجود میں 'سبحان ربی الاعلیٰ" کی تسبیحات ہی پڑھی جاتی ہیں۔

رکوع وسجدہ میں تسبیحات کی مقدار:۔

تین تسبیحات سے لیکر دس تسبیحات تک احادیث میں ملتی ہیں لہذا یہ مستحب مقدار ہے ۔زیادتی باعثِ اجر ہو گی۔روایت یہ ہے۔

عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا رَكَعَ أَحَدُكُمْ، فَقَالَ فِي رُكُوعِهِ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَقَدْ تَمَّ رُكُوعُهُ، وَذَلِكَ أَدْنَاهُ، وَإِذَا سَجَدَ، فَقَالَ فِي سُجُودِهِ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَقَدْ تَمَّ سُجُودُهُ، وَذَلِكَ أَدْنَاهُ [251]

---

[250] ابوداؤدکتاب الصلاة باب تفريع أبواب الركوع والسجود باب ما يقول الرجل فی ركوعه وسجوده،ابن ماجہ

[251] رواہ الترمذی أَبوابُ الصَّلاَةِبَابُ مَا جَاءَ فی التَّسْبِيحِ فی الرُّكُوعِ وَالسُّجُود، ابوداؤد، ابن ماجہ

حضرت عون بن عبد اللہ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو وہ رکوع میں ''سبحان ربی الاعظیم''کم از کم تین مرتبہ کہے تو اس کا رکوع مکمل ہو جائے گا اور جو سجود کرے تو اس میں کم از کم تین مرتبہ ''سبحان ربی الاعلٰی'' پڑھے تو سجود مکمل ہونگے۔

واضح رہے کہ اس حدیث میں حضور ﷺ نے رکوع و سجود کے مکمل ہونے کے لئے کم از کم تین ، تین تسبیحات پڑھنے کی تعلیم فرمائی۔ اب اگر یاد ہو تو جہاں میں نے قدوری کی عبارت سے نماز حنفی پیش کی وہاں جا کر ملاحظہ فرمائیں تو جو الفاظ ''ثلاث مرات وذالک ادناہ'' حدیث میں استعمال ہوئے فقہاء نے عین یہی الفاظ استعمال فرمائے یہی حالت باقی الفاظ کی بھی ہے پھر انصاف سے بتائیں کیا نمازِ حنفی احادیث کے عین مطابق ہے یا خلاف ؟۔

قومہ:۔

رکوع سے سیدھا کھڑا ہونے کو قومہ اور دو سجدوں کے درمیان سیدھا اطمینان سے بیٹھ جانے کو جلسہ کہتے ہیں۔ کیونکہ قومہ کا معنی کھڑا ہونا اور جلسہ کا معنی بیٹھنا ہے۔ لہٰذا جب مقتدی الگ سے نماز پڑھ رہا تو رکوع سے اٹھتے ہوئے ''سمع اللہ لمن حمدہٗ'' اور پھر ''ربنالک الحمد'' کہے اور اگر امام کیساتھ ہو تو عمومی احادیث سے یہی اخذ ہوتا ہے کہ امام صرف ''سمع اللہ لمن حمدہٗ'' کہے اور مقتدی ''ربنالک الحمد'' پڑھیں۔

منفرد کی رویت:۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، قَالَ: اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الحَمْدُ، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَكَعَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ يُكَبِّرُ، وَإِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ، قَالَ: اللهُ أَكْبَرُ[252]

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ نبی ﷺ جب ''سمع اللہ لمن حمدہٗ'' پڑھتے تو پھر ''اللّٰھمّ ربناولک الحمد'' پڑھتے اور جب رکوع جاتے آتے تو تکبیر پڑھتے اور جب سجدوں سے سر اٹھاتے تو فرماتے اللہ اکبر۔

[252] بخاری کتاب الاذان باب مایقول الامام ومن خلفہٖ اذا رفع رأسہ من الرکوع

یہ حضور ﷺ کی منفرد نماز کاذکر ہے یہاں حدیث میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے جماعت میں یوں پڑھنا ثابت ہو۔ہاں شاید امام بخاریؒ نے اسے جماعت پر محمول سمجھا اس لئے جماعت کے باب میں اس کو ذکر کر دیا جبکہ امام بخاریؒ کے اس گمان سے اتفاق نہیں اور نہ ہی ہم اس کے مقلد ہیں۔

جماعت کی روایت:۔

جب جمعت میں ہوں تو امام "سمع اللہ لمن حمدہ" اور مقتدی "ربناولک الحمد" پڑھے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انّ رسول اللہ ﷺ اذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولُوا اللّٰھمّ ربنا ولك الحمد فانّہ من وافق قولہٗ قول الملائکۃِ غفرلہ ماتقدم من ذنبہٖ۔[253]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہے تو تم اللّٰھمّ ربناولک الحمد کہو پس جس کی فرشتوں سے موافقت ہوگئی اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

یہ روایت اپنے مفہوم پر دلالت کرنے کے لئے بالکل واضح ہے اور اس میں امام کا واضح لفظ موجود ہے تو صاف صاف بتایا گیا کہ امام نے کیا کہنا ہے اور مقتدی کا کیا حصّہ ہے۔اس حوالے سے جتنی روایات بخاریؒ نے ذکر کیں یا دیگر محدثین نے ان تمام میں صرف یہی انداز و الفاظ استعمال ہوئے کہ اذاقال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولُوا ربناولک الحمد جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ اور مقتدی صرف ربنالک الحمد کہیں۔

دوسری روایت:۔

عَنْ عَلِيّ بْنِ يَحْيَى بْنِ خَلَّادٍ الزُّرَقِيّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ الزُّرَقِيّ، قَالَ: كُنَّا يَوْمًا نُصَلِّي وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، قَالَ رَجُلٌ وَرَاءَهُ: رَبَّنَا وَلَكَ الحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ، قَالَ: مَنِ المُتَكَلِّمُ قَالَ: أَنَا، قَالَ: رَأَيْتُ بِضْعَةً وَثَلاَثِينَ مَلَكًا يَبْتَدِرُونَهَا أَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا أَوَّلُ۔[254]

---

[253] بخاری کتاب الاذان باب فضل اللّٰھمّ ربناولک الحمد

[254] بخاری کتاب الاذان

حضرت رفاعہ بن رافع زُرقی سے روایت ہے کہ ہم ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے شریک نماز تھے جب آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا تو فرمایا سمع اللہ لمن حمدہ اور پیچھے سے ایک آدمی نے ربنا لک الحمد حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیہ پڑھا جب حضور نماز پڑھ کر پیچھے پھرے تو پوچھا یہ کلام کس کا تھا؟ تو اس نے کہا جناب میرا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا میں نے 30 سے زیادہ فرشتوں کو دیکھا کہ وہ جلدی کر رہے تھے کہ ان مبارک کلمات کو وہ باقی فرشتوں سے پہلے لکھ لے۔

(یہاں حضور ﷺ نے رکعت بول کر رکوع مراد لیا ہم بھی من ادرک الرکعۃ سے رکوع مراد لیتے ہیں)

تشریح:۔

یہاں ایک تو یہ واضح ہوا کہ حضور ﷺ نے صرف سمع اللہ لمن حمدہ پڑھا نہ کہ ربنا ولک الحمد بھی دوسرا یہ واضح ہوا کہ مقتدی نے ربنا ولک الحمد حمدًا کثیرًا مبارکًا فیہ پڑھا۔

جہاں اس روایت سے کلمات طیبات کی فضیلت ظاہر ہے وہاں یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ عمل صحابی نے خود کیا پہلے عام تعلیم میں نہ تھا جس سے ظاہر ہے کہ عملِ خیر کے لئے پہلے سے موجود ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی ورنہ اس صحابی نے یہ کلمات از خود کیوں پڑھے۔ من سنّ فی الاسلام سنّۃ حسنۃً کی صحیح حدیث اور ماراہُ المؤمنون حسنًا فھو عند اللہ حسنٌ بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔ ماراہُ المؤمنون حسنًا والی روایت بھی حسن ہے ملاحظہ فرمایئں مشکوٰۃ سے ۔ ہاں جاہل اور مُتعصِّب علمآء اسے اپنے نادان شاگردوں کو یہ روایت ضعیف بتاتے ہیں جبکہ ایسا نہیں۔

ہم نے مَن ادرک الرکعۃ کا معنی من ادرک الرکوع کیسے سمجھا؟۔

جب احناف رکوع میں ملنے والے کی رکعت کو رکعت قرار دیتے ہیں اور استدلال من ادرک الرکعۃ الخ سے کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ آپ لوگوں نے رکعت سے رکوع کیسے بنالیا؟ تو ان حضرات کو چیلنج ہے کہ جو روایت میں ابھی ابھی اوپر بخاری کے حوالے سے پیش کی ہے اس پر غور فرمائیں الفاظ یہ ہیں۔ "فلمّا رفع رأسہ' من الرکعۃِ۔ جب حضور ﷺ نے رکوع سے سر مبارک اٹھایا۔ یہاں صاف ظاہر ہے کہ حضور ﷺ نے رکوع کو رکعت فرمادیا۔ اگر ترجمہ اور الفاظ کچھ اور ہوں تو ناچیز حاضر ہے اور اگر بخاری کے الفاظ بھی یہی ہوں اور معنی بھی یہی تو ظاہر ہوا کہ حضور ﷺ نے رکعت بول کر رکوع مراد لیا۔ یہی بات میں پہلے کر چکا ہوں کہ رکوع اور رکعت

دونوں رکع یرکع سے ہیں اور رکوع اتنا اہم حصّہ ہے کہ اسی رکوع کی وجہ سے رکعت کو رکعت کہا جاتا ہے لہٰذا جو شاملِ رکوع ہو وہ گویا شامل رکعت ہو گیا۔ علامہ ابن قدامہ انتہائی معتبر آدمی ہے اس نے المُغنی میں ابو داؤد کے حوالہ سے روایت کیا من ادرک الرکوع فقد ادرک الرکعۃ۔ تو اس کی دو وجہ ہو سکتی ہیں ممکن ہے ابن قدامہ کے دَور میں ابو داؤد میں یہ عبارت ان لفظوں سے موجود تھی بعد میں نکال دی گئی ہو اور اب ناصر الدین البانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت مجھے ابو داؤد سے نہ مل سکی کہ اب خارج کر دی گئی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ علامہ ابن قدامہؒ یہ جانتے تھے کہ رکعۃ سے مراد رکوع ہے تو انہوں نے من ادرک الرکعۃ کو من ادرک الرکوع سے روایت کر دیا اور من ادرک الرکعۃ تو اب بھی ابو داؤد اور دیگر محدثین نے روایت کیا۔ ممکن ہے کہ اس لفظ رکعت میں بھی کسی نے ردوبدل کرنے کی کوشش کر دی ہو اور آپ جب بخاری کتاب الاذان باب بے نام نمبر 517 پر حدیث نمبر 760 پر جائیں تو وہاں لفظ رکعۃ کی بجائے رکوع نظر آئے تو پریشانی ہو لہٰذا ذکر کیے دیتا ہوں کہ میرے سامنے وہ بخاری ہے جو فرید بک سٹال اردو بازار لاہور والوں نے نشر کی جس پر ترجمہ عبد الحکیم خان کا ہے مطبع حامد اینڈ کمپنی اور سن طباعت 1982ء ہے یہ روایت ابو داؤد میں بھی اسی لفظ سے موجود ہے۔

مَسئلہ رفع الیدین:۔

احناف رکوع جاتے آتے رفع یدین نہیں کرتے کہ عام احادیث میں ان کا ذکر نہیں آرہا جبکہ اہل حدیث حضرات رکوع جاتے اور پھر واپس اٹھتے وقت ہاتھوں کو تکبیر تحریمہ کی طرح رفع یدین کر کے تکبیر تحریمہ کے امتیاز کو ختم کر دیتے ہیں۔ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو بلند کرنا سمجھ آتا ہے کہ اگر کوئی نابینا مقتدی شریک نماز جماعت ہو تو اللہ اکبر کانوں سے سن کر تکبیر کہہ کر شریک جماعت ہو اور اگر کوئی بہرہ مقتدی ہے جو تکبیر تحریمہ سن ہی نہیں سکتا تو وہ ہاتھوں کی بلندی کو دیکھ کر سمجھ جائے کہ امام نے نماز شروع کر دی جبکہ رکوع جاتے آتے تکبیر تو سمجھ آتی ہے باقی پورا جسم جھکتا اٹھتا نظر آجاتا ہے جو اندھے یا بہرے دونوں کے لئے کافی ہے مگر یہاں ہاتھوں کو بلند کرنے کا مقصد نظر نہیں آیا جبکہ حدیث نماز کو پرسکون طریقے سے ادا کرنے کی تعلیم دیتی ہے اور سکون غیر ضروری ہاتھوں کو بلند نہ کرنے میں ہے نہ کہ بلند کرنے میں۔ احناف کا عمل رفع یدین نہ کرنے کا ان روایات کی بنا پر ہے۔

1۔ عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ: أَلَا أُصَلِّي بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﷺ فَصَلَّى، فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ۔۔۔۔۔۔۔قال أبوعيسى: حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَبِهِ يَقُولُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ۔[255]

حضرت علقمہؓ سے روایت ہے کہ ہمیں عبد اللہ ابن مسعودؓ نے کہا کہ کیا میں تم کو رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ پڑھاؤں؟ پس انہوں نے نماز پڑھی مگر سوائے ایک مرتبہ تکبیر تحریمہ کے ہاتھوں کو بلند نہ کیا اور امام ترمذی نے کہا یہ روایت حسن ہے اسی کی بنیاد پر بہیت سے عالم اصحاب نبی ﷺ اور علماءِ تابعین بھی یہی بات کہتے تھے۔

تشریح:۔

یہ روایت صاف بتا رہی ہے کہ حضور ﷺ کے خدمت گار اور انتہائی قریب رہنے والے عبد اللہ ابن مسعودؓ رفع یدین نہ کرتے تھے اور بغیر رفع یدین کے صحابہ و تابعین کو جماعت کرواتے کوئی اعتراض نہ کرتا گویا پوری جماعت کا عمل ترکِ رفع یدین کا ثابت ہو گیا اور اکثر اہل علم صحابہ و تابعین کا بھی یہی عمل تھا اور یہی ہمارا ابھی عمل ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ نے رفع یدین نہ کرکے اس کو صلٰوۃِ رسول بتایا آج اگر ہم اس کی اتباع میں رفع یدین نہ کریں تو ہماری صلٰوۃ صلٰوۃِ رسول ﷺ کیوں نہ ہو۔ اس سے تو ظاہر ہے کہ صلٰوۃِ رسول بغیر رفع یدین کے ہے نہ کہ رفع یدین کرنے میں۔

2۔ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ، ثُمَّ لَا يَرْفَعُهُمَا حَتَّى يَفْرُغَ[256]

حضرت براء بن عازبؓ سے رویت ہے کہ حضور ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ آپ شروع نماز میں ہاتھ بلند فرماتے پھر ساری نماز میں ہاتھ بلند نہ فرماتے تھے۔

یہاں کان کا استعمال ظاہر کرتا ہے کہ یہ ایک دن کا عمل نہیں بلکہ معمول مبارک ہی یہی تھا اور یہی معمول ہمارا ہے کیا ہمارا معمول حضور ﷺ کے عین مطابق نہیں؟۔

---

[255] ترمذی أَبوابُ الصَّلاَةِبَابُ رَفْعُ اليَدينِ عِندَ الرُّكُوعِ و ابوداؤدکتاب الصلاة أبواب تفريع استفتاح الصلاة باب من لم يذكر الرفع عند الركوع ونسائی کتاب الافتتاح الرخصۃ فی ترک ذلک وابن ابی شیبہ

[256] ابن شیبہ کتاب الصلٰوۃ باب من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود

3۔ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ، ثُمَّ لَمْ يَرْفَعْهُمَا حَتَّى انْصَرَفَ۔ [257]

حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز کے شروع میں ہاتھ بلند کرتے دیکھا پھر بعد ازاں آپ نے ہاتھ بلند نہ فرماتے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو گئے۔

4۔ عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ، ثُمَّ لَا يَعُودُ۔ [258]

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا معمول تھا کہ آپ صرف پہلی تکبیر (تحریمہ) پر ہاتھ بلند فرماتے پھر نہ فرماتے۔

5۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تُرْفَعُ الْأَيْدِي فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ وَعِنْدَ الْبَيْتِ وَعَلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَبِعَرَفَاتٍ وَبِالْمُزْدَلِفَةِ الْبَقَرَةِ وَعِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ۔ [259]

فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات جگہوں پر ہاتھ بلند کیے جائیں نماز شروع کرتے وقت، کعبہ شریف کے سامنے آتے وقت، صفا مروہ پر دو موقف پر (منٰی و مزدلفہ) اور دو جمروں کے سامنے۔

بعض دیگر روایات میں عیدین میں بھی ہاتھ بلند کرنے کا ذکر موجود ہے۔ اس روایت کو بخاری نے کتاب المفرد میں روایت کیا پھر بزار نے عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ابن ابی شیبہ نے عبد اللہ ابن عباسؓ بیہقی نے عبد اللہ ابن عباسؓ اور طبرانی نے بھی معمولی الفاظ کے فرق سے دس روایت کو محفوظ کیا۔

6۔ امام طحاوی نے حضرت مغیرہ سے روایت کیا کہ میں نے ابراہیم نخعی سے عرض کیا کہ حضرت وائل بن حجر نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ شروع نماز میں اور رکوع جاتے آتے ہاتھ بلند فرماتے تھے تو ابراہیم نخعی سے جواباً فرمایا

إِنْ كَانَ وَائِلٌ رَآهُ مَرَّةً، فَقَدْ رَآهُ عَبْدُ اللهِ خَمْسِينَ مَرَّةً لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ۔ [260]

کہ اگر وائل نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کو رکوع کے وقت رفع یدین کرتے دیکھا تو (ہر وقت پاس رہنے والے) عبد اللہ ابن مسعودؓ نے پچاس مرتبہ رفع یدین نہ کرتے ہوئے حضور ﷺ کو دیکھا۔

---

[257] ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع

[258] طحاوی

[259] طحاوی باب رفع الیدین عند رؤیۃ البیت،مجمع الزوائد باب التکبیر،مصنف ابن ابی شیبہ

[260] طحاوی باب التکبیرللرکوع وابن ابی شیبہ عن مجاھدؒ

ظاہر ہے کہ وائل بن حجر کی صحبت رسول ﷺ عبد اللہ ابن مسعودؓ کے مقابلہ میں بہت کم ہے لہذا اس کا قول زیادہ قوی ہے جو صحابی زیادہ عرصہ حضور ﷺ کی خدمت میں رہا۔ اور زیادہ فقیہہ بھی ہیں۔

7 عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَلَمْ يَكُنْ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى مِنَ الصَّلَاةِ۔ [261]

حضرت مجاہد روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے پہلی تکبیر کے علاوہ نماز میں کوئی رفع یدین نہ کیا۔

8۔ عن عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ انّہٗ رأی رجلًا یرفع یدیہ فی الصلوٰۃ عند الرکوع و عند رفع رأسہٖ من الرکوع فقال لہٗ لا تفعل فانّہ شیءٌ فعلہٗ رسول اللہ ﷺ ثم ترکہٗ۔ [262]

علامہ عینی شارح بخاری نے عبد اللہ بن زبیرؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے رکوع جاتے آتے ایک نمازی کو رفع یدین کرتے دیکھا تو آپ نے اس کو منع کر دیا اور فرمایا یہ وہ عمل ہے جو رسول ﷺ نے کیا مگر بعد میں ایسا کرنا چھوڑ دیا۔

شاید یہی وہ روایت ہے جو رفع یدین پر فیصلہ کن ہے کہ حضور ﷺ نے یہ عمل پہلے ضرور فرمایا تبھی روایات میں اس کا ذکر ہے مگر بعد میں چھوڑ دیا تب ہی رفع یدین نہ کرنے کی روایات موجود ہیں اور اگر حضور ﷺ کی حیاتِ ظاہری کے بعد کوئی رفع یدین کرتا ہے تو اس کے عمل کو لاعلمی پر محمول کیا جائے گا کہ حضور ﷺ کے رفع یدین کو چھوڑ دینے کا اس کو علم نہ ہو سکا اور یہ اصول مسلم ہے کہ حضور ﷺ کے دو متضاد اعمال میں سے آخری عمل کو ہی لیا جاتا ہے۔ اس کی تائید میں روایت بخاری سے پیش خدمت ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ فَرَسًا، فَصُرِعَ عَنْهُ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، فَصَلَّى صَلَاةً مِنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ، فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُودًا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا صَلَّى قَائِمًا، فَصَلُّوا قِيَامًا، فَإِذَا رَكَعَ، فَارْكَعُوا وَإِذَا رَفَعَ، فَارْفَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الحَمْدُ، وَإِذَا صَلَّى قَائِمًا، فَصَلُّوا قِيَامًا، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا، فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ:

---

261 طحاوی باب التکبیر للرکوع وابن ابی شیبہ عن مجاہدؒ

262 عمدۃ القاری باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولیٰ مع الافتتاح سواء

قَالَ الحُمَيْدِيُّ: قَوْلُهُ: إِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا بهُوَفِي مَرَضِهِ القَدِيمِ، ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا، وَالنَّاسُ خَلْفَهُ قِيَامًا، لَمْ يَأْمُرْهُمْ بِالقُعُودِ، وَإِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْآخِرِ فَالْآخِرِ، مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ [263]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گرے تو جناب کا دایاں پہلو زخمی ہوگیا پھر اسی حالت میں کوئی ایک نماز پڑھائی جبکہ آپ بھی بیٹھ کر پڑھ رہے تھے اور ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر پڑھی جب آپ نماز سے فارغ ہو کر پھرے تو فرمایا امام اسی لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ بس جب وہ کھڑے ہو کر تم بھی اس کے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھو جب رکوع کرے تم بھی رکوع کرو جب وہ اٹھے تم اٹھو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربّنا لک الحمد کہو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھے حمیدی نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمایا کہ جب امام بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو یہ آپ کی کسی پہلی پرانی بیماری کا واقعہ ہے جبکہ بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر (مرض میں) نماز پڑھائی اور لوگوں نے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ہی لیا جاتا ہے۔

استدلال مسائل:۔

1۔امام بخاریؒ کی اس روایت سے خط کشیدہ الفاظ سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی معاملہ میں دو طرح سے عمل فرمائیں تو آپ کا پہلا عمل چھوڑ دیا جاتا ہے اور آخری کو لیا جاتا ہے ایسے ہی رفع یدین کا عمل اگر پہلے تھا تو بعد ازاں اس کو چھوڑ دیا گیا جس پر روایت گزر چکی لہذا اب ترکِ رفع یدین کو لیا جائے گا نہ کہ پہلے رفع یدین کے عمل کو۔ عین ممکن ہے جب نماز آہستہ آہستہ موجود حالت میں ڈھلی اور سکون کا حکم ملا تو اس وقت رفع یدین کو غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا گیا ہو۔ قرین قیاس ہے۔

2۔ جب امام معذوری یا بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی چونکہ معذور نہیں وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھیں۔

3۔ سمع اللہ لمن حمدہ امام کہے اور ربّنا لک الحمد مقتدی کا حصہ ہے۔

4۔ اس روایت میں ربّنا لک الحمد کے عین وہی الفاظ ہیں جو آج بھی عام نمازیوں کی نماز کا حصہ ہیں۔

---

[263] بخاری کتاب الاذان باب انما جعل الامام لیؤتم الخر

5۔ ہر عمل میں امام کی یوں پیروی کی جائے کہ نہ اس سے پیچھے رہیں اور نہ اس سے کسی عمل میں آگے نکلیں۔

6۔ اہل حدیث بھائی بھی توجہ رکھیں کہ اگر فاتحہ ثناء کی جگہ پر امام سے پہلے ہی پڑھ کر فارغ ہو جائیں یا فاتحہ پہلے پڑھی اور امین بھی لازماً پہلے ہو جائے گا تو مقتدی کا امین امام کی امین سے پہلے ہو جائے گا جبکہ جو فاتحہ امام پڑھ رہا ہے جماعت میں حدیث کے مطابق امام کی ولا الضآلّین پر فقولوا امین کا حکم ہے تو کیا اہل حدیث امین ایک ہی رکعت میں بار بار پڑھتے ہیں اور کیا فاتحہ اور امین امام سے پہلے پڑھ لینے سے امام کی پیروی میں فرق نہیں آئے گا اور اگر فاتحہ امام کی مکمل قراۃ کے بعد قبل از رکوع سکتہ میں پڑھیں جیسے بعض اہل حدیث کا گمان ہے تو کیا اس فاتحہ کے آخر میں مقتدی امین بھی تو پڑھے گا جبکہ یہی مقتدی حدیث کے مطابق امام کی فاتحہ پر بھی امین کہ چکا ہے۔ کیا امین دو مرتبہ نہ ہوا؟ یہ کیا معاملہ ہے جی؟ سیدھی سی بات ہے کہ امام کی فاتحہ و باقی تلاوت اگر مقتدی کی فاتحہ و تلاوت نہیں تو اس کو خاص کر جہری نمازوں میں سرًا ہی پڑھ لیا کرے۔ برادر محترم امام آپ کا نمائندہ ہے اور نمائندہ کی تلاوت آپ کی تلاوت ہے عین ایسے جیسے ایک وفد کسی سے بات چیت کرے تو لازمی نہیں کہ سب بولیں بلکہ جس کی نمائندگی پر وفد کو اعتماد ہو بات صرف وہی کرتا ہے مگر وہ بات صرف نمائندہ کی نہیں بلکہ وفد میں شامل ہر فرد کی طرف سے تصور کی جاتی ہے یہی دستور جہاں اور یہی اندازِ جماعت ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم عطا فرمائے۔

7۔ امام کی پیروی سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی مقتدی نہ امام سے پہلے رکوع میں جا سکتا ہے نہ سجدہ میں اور نہ امام سے قبل سجدہ سے سر اٹھا سکتا ہے وغیرہ اور نہ ہی اس کے برعکس امام سے پیچھے رہ سکتا ہے کہ امام تکبیر کہتا ہوا رکوع میں جانے کا اعلان کرے اور مقتدی امام کا اعلان اور اس کی پیروی کرنے کی بجائے کھڑا فاتحہ مکمل کرتا رہے اور نہ ہی جب امام سلام پھیرے تو مقتدی بیٹھا تشہد پڑھتا رہے بلکہ امام کیساتھ سلام پھیرنے کا پابند ہے۔

8۔ یہاں سے یہ مسئلہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام آخری تشہد میں ہے جبکہ آپ مسبوق یعنی آپ کی کوئی رکعت ابھی باقی ہے جو اٹھ کر آپ نے پڑھنی ہے تو آپ امام کی اتباع میں آخری تشہد ا بیٹھ گئے جبکہ آپ کا یہ آخری تشہد نہیں تو آپ کو چاہئے کہ آپ امام کی اتباع میں پورا تشہد آخر تک

پڑھیں کیونکہ عبدہ ورسولہ تک تھی بعد میں اس کی اتباع بھی کریں کہ سلام امام تک آپ اس کی اتباع میں ہیں اور مکمل اتباع کرکے پیروی امام کا حق ادا کریں کہ حضور ﷺ نے حکم فرمایا ہوا ہے۔

9۔ ترک رفع یدین پر نویں روایت:۔

أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ مِنَ الصَّلَاةِ الْبَتَرَةِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُ بَعْدُ۔[264]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ پہلی تکبیر پر نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی جگہ نماز میں رفع یدین نہ فرماتے تھے۔

دین کی سمجھ حضرت علیؓ سے زیادہ کس کو ہو سکتی ہے۔ اب ظاہر ہوا کہ نماز حنفی دراصل نماز رسول ہے یا کسی اور کی۔

10۔ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، بِإِسْنَادِهِ بِهَذَا قَالَ: فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: مَرَّةً وَاحِدَةً۔[265]

حضرت سفیان اسی سند سے روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعودؓ نے پہلی بار ہی ہاتھ بلند کیے یا بعض کے نزدیک ایک مرتبہ بلند کیے پھر نہیں بلند کیے۔

11۔ عَنِ الْبَرَاءِ الْبَتَرَةِ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَاذَى بِهِمَا أُذُنَيْهِ الْبَتَرَةِ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ إِلَى شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ حَتَّى فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ۔[266]

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کو نماز شروع کرتے ہوئے دیکھا کہ رسول ﷺ نے شروع نماز میں ہاتھ کانوں برابر بلند فرمائے پھر آپ نے پوری نماز میں کہیں ہاتھ بلند نہ فرمائے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو گئے۔

رفع یدین نہ کرنے پر کثیر روایات موجود ہیں جن میں سے صرف گیارہ پیش کر دیں۔ اگر آپ کے نزدیک ان میں سے کوئی ایک موضوع ہو تو ضرور بتائیں اور اگر آپ کی نظر میں یہ سب ضعیف بھی ہوں تو گزارش ہے کہ یہ قرآن کا اصول ہے کہ دو عورتوں کی ضعیف شہادت جبکہ ایک مرد کی قوی شہادت

---

264 طحاوی باب التکبیر للرکوع،نصب الرایہ باب صفۃ الصلٰوۃ

265 كتاب الصلاة أبواب تفريع استفتاح الصلاة باب من لم يذكر الرفع عند الركوع

266 دار قطنی باب ذکرالتکبیرورفع الیدین عند الافتتاح ،ابوداؤد،الترمذی فی الباب عن البراءِ

کے برابر ہو جاتی ہے اگر آپ اس قرآنی اصول کو مانتے ہیں کہ دو ضعیف ملکر ایک قوی شہادت بن گئی تو ہماری دس روایات آپ کی رائے سے ضعیف بھی ہوں تو دس ضعیف پانچ قوی شہادتوں کے برابر تو ہو ہی جاتی ہیں جبکہ قوی شہادت تو ایک ہی کافی ہے کیونکہ آپ کے پاس بھی رفع یدین پر کوئی قرآنی آیت تو ہرگز نہیں آپ بھی روایت ہی پیش کریں گے اگر آپ نے ہماری دس روایات پر بات کی تو کیا آپ کی روایت پر بات کرنے کے لئے ہمارے منہ میں زبان نہیں کیا آپ کا علم حدیث سے زیادہ ہے ؟ہرگز نہیں۔ حضور ﷺ کی عمومی تعلیم نماز کے حوالے سے جتنی احادیث زیرِ نظر ہیں وہاں کسی روایت میں حضور ﷺ نہ امین بالجہر کا حکم دیتے نظر آتے ہیں نہ رفع یدین کا حکم فرماتے ہیں اور نہ ہی فاتحہ کو الگ بیان فرماتے جس سے ظاہر ہے کہ یہ چیزیں یقینا نماز کا ایسا لازمی حصہ نہیں جس کے بغیر نماز نہ ہوتی ہو ورنہ آپ لازما جہاں رکوع کے اطمینان سجدہ وقومہ وجلسہ میں اطمینان کی تعلیم دیتے ہیں وہاں ان کر بھی ذکر کرتے ۔ذکر نہ کرنا ظاہر کرتا ہے کہ ان چیزوں کی وہ حیثیت نماز میں نہیں ہاں انفرادی نماز میں فاتحہ کا اور امام کے لئے فاتحہ لازما پڑھنے کی تعلیم احادیث میں موجود ہے جس کی اتباع سب کرتے ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ کا رفع یدین پر مکالمہ:۔

امام بخاری محدثؒ نے سفیان بن عینیہ سے امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ کے مابین مکہ شریف میں دارالحناطین کے مقام پر ایک دلچسپ کالمہ رفع یدین بارے نقل کیا اور خود مسند اماماعظمؒ میں بھی کتاب الصلٰوۃ میں یہ مکالمہ اسی سفیان بن عینیہ کی سند سے یوں موجود ہے کہ کسی دن امام اعظمؒ اور امام اوزاعیؒ کی آپس میں دار لحناطین مکہ شریف میں ملاقات ہوئی تو یہ مکالمہ ہوا۔

امام اوزاعیؒ:۔ اے ابو حنیفہ آپ لوگوں کو کیا ہوا کہ آپ رکوع جاتے آتے رفع یدین نہیں کرتے ؟

امام ابو حنیفہؒ:۔ اس لئے کہ اس حوالے سے رسول ﷺ سے کوئی صحیح روایت ثابت نہیں۔

امام اوزاعیؒ:۔ کیسے صحیح روایت سے ثابت نہیں جبکہ ہم کو زھری نے اس کو سالم نے اس کو اس کے باپ نے بتایا کہ رسول ﷺ تکبیر تحریمہ اور رکوع جاتے آتے رفع یدین فرماتے تھے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ:۔ ہم کو حماد نے اس کو ابراہیم اس کو علقمہ اور اسود نے ان کو عبد اللہ ابن مسعودؓ نے بیان کیا کہ رسول ﷺ صرف شروع نماز میں تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ بلند فرماتے پھر بعد میں کسی جگہ نماز میں رفع یدین نہ فرماتے۔

امام اوزاعیؒ:۔ ہم کو زہری عن سالم عن ابیہ نے بتایا تو آپ حماد کی سند بولتے ہیں اس کو ہماری سند پر آخر کیا فوقیت ہے؟۔

امام اعظمؒ:۔ حماد زھری سے ابراہیم نخعی سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حضرت علقمہ فقہ میں کم نہیں اس لئے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اگر صحبتِ رسول ﷺ حاصل ہوئی تو حضرت علقمہؓ کو بھی صحبتِ رسول ﷺ کی فضیلت حاصل ہے اور جناب اسودؓ کو تقوی اور فقاہت اور صحبتِ رسول ﷺ جیسے کثیر فضائل حاصل ہیں بلکہ جناب عبداللہ بن مسعودؓ کی فضیلت وصحبت وخدمتِ رسول ﷺ کی تو بات ہی نرالی ہے۔ یہ سن کر امام اوزاعی خاموش ہو گئے۔

تبصرہ:۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وقت کے اہم امام اوزاعیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کو بات کرنے کے لئے اس وجہ سے منتخب فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی پھت امام اوزاعیؒ نے جب رفع یدین پر اپنی سند پیش فرمائی تو اس کے جواب میں امام اعظمؒ نے قیاس پیش نہ فرمایا بلکہ اس سے افضل سند بطورِ دلیل پیش فرمائی اور ایک ایک راوی کا خوب تقابل کیا اور اپنی سند کو یوں برتر و افضل ثابت کیا کہ امام اوزاعیؒ کے پاس سوائے خاموشی کے کوئی راہ باقی نہ تھی اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ امام اعظمؒ کی نظر نہ صرف احادیث ہر تھی بلکہ ایک ذمہ دار محدث کی طرح حدیث کے راوی بھی زبانی یاد تھے اور امام اوزاعی کی سند کے رایوں سے بھی پوری طرح باخبر تھے یہی علمی وسعت جناب امام اعظمؒ کا طرۂ امتیاز ہے۔ جس کے سامنے امام اوزاعیؒ جیسے انسان کو خاموش ہونا پڑا یہاں پر امام ابن الھام کی رائے بھی سن لیجئے آپ فرماتے ہیں"فرجح الامام (اعظم)بفقہِ الرواۃ کما رجح الاوزاعی بِعُلّوِ الاسناد وھو المذھب المنصور عندنا"۔ابن ہمامؒ نے فرمایا کہ اگر امام اوزاعی علوِاسناد میں ترجیح رکھتے ہیں تو راویوں کی فقاہت بارے امام اعظمؒ زیادہ راجح ہیں۔

رفع یدین عند الرکوع کے قائل حضرات کے دلائل اور ان کا رد:۔

جو حضرات رفع یدین کے قائل ہیں وہ رکوع جاتے اور اٹھتے ہوئے رکوع سے رفع یدین کرتے ہیں اور تیسری رکعت کے لئے اٹھتے ہوئے بھی رفع یدین کرتے ہیں یہ آج تک معلوم نہیں ہوا کہ رفع یدین اگر تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت کرتے ہیں تو تیسری رکعت کی کیا خصوصیت ہر رکعت کے لئے اٹھتے وقت کرنا چاہیئے۔اب ان کے پیش کردہ دلائل حسب ذیل ہیں۔

1۔حضرت مالک بن حویرث سے روایت ہے کہ میں نے رسول ﷺ کو دیکھا وہ رکوع جاتے آتے رفع یدین کرتے تھے ہم مانتے ہیں کہ حضور ﷺ نے رفع یدین فرمایا پھر چھوڑ دیا تو یہ روایت ٹھیک ہی بتا رہی ہے کہ مالک بن حویرث نے حضور ﷺ کو رفع یدین کرتے دیکھا مگر یہ کہاں کہ ہمیشہ دیکھا اور وصال شریف تک دیکھا۔جب ہم مالک بن حویرث سے زیادہ فقیہ صحابی اور خدمت گار صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے صحیح روایت پیش کرتے ہیں کہ:

أَلَا أُصَلِّي بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَصَلَّى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا مَرَّةً۔ [267]

فرمایا کہ میں تم کو رسول ﷺ کی نماز نہ پڑھاؤں تو آپ نے صحابہ و تابعین کو نماز پڑھائی اور رفع یدین نہ کیا۔

یہ حدیث بالکل صحیح ہے صحیح ابو داود کتاب الصلوۃ باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع، ترمذی، رحمہ ،نسائی، شرح معانی الاثار نے اس کو روایت کیا۔التعلیق علی الترمذی میں شیخ احمد شاکر نے اس روایت کو صحیح کہا اس روایت کی صحت میں کوئی شک نہیں۔ تو اب کہاں ہیں صحیح حدیث پہ عمل کرنے والے وہ اپنی رائے اس کے مطابق کیوں نہیں کر لیتے۔ابن حزم نے بھی اس کو صحیح بتایا اور صاحب ابی داود نے تو اس حدیث کے لئے ایک مستقل باب قائم فرمایا جس سے ان کی نظر میں حدیث کی اہمیت واضح ہے اور یہی حدیث اختلافِ رفع یدین ہر فیصلہ کن بھی ہے اس کو امام ابو حنیفہؒ نے اپنی رائے کی بنیاد بنایا مسند امام اعظم میں آج بھی یہ روایت کتاب الصلوۃ کے آخر میں موجود ہے یہی وہ روایت ہے جیسے پیش کرکے امام اعظمؒ نے امام اوزاعیؒ کو خاموش کر دیا تھا۔

---

267 ابو داود كتاب الصلوة باب سن لم يذكر الرفع عندالركوع

2۔ حضرت نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رکوع جاتے آتے رفع یدین کرتے تھے ۔بخاری اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک صحابی کا اپنا عمل ہے جبکہ اس کے مقابلہ میں ان سے فقہ کے لحاظ سے بہتر صحابی اور صحبت رسول ﷺ میں زیادہ رہنے والا صحابی عبداللہ بن مسعود رفع یدین نہیں کر رہا اور اس کو صرف اپنا عمل نہیں حضور ﷺ کی نماز فرمارہاہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما زیادہ فقیہ ہیں یا عبداللہ بن مسعود یہ بات تو آپ امام اعظمؒ اور امام اوزاعی کے مکالمہ میں سمجھ چکے ہیں۔

3۔ امام بخاریؒ کا یہ فرمانا کہ رفع یدین عندالرکوع کی حدیث کو70 سے زیادہ صحابہ نے روایت کیا۔ اس بارے عرض ہے کہ امام بخاریؒ نے دعوی بلا دلیل کیا آپ لوگ تسلیم کرلو ہم ان کے قعلہ نہیں کہ بلا دلیل کیا مانوگے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے شروع میں رفع یدین کیا اس کو70 سے زائد صحابی بھی روایت کرسکتے مگر ان کی روایت یہ تو نہیں کہتی کہ بعد میں رفع یدین کو حضور ﷺ نے ترک نہیں فرمایا۔

4۔ امام بخاریؒ نے ایک مستقل رسالہ جزء رفع یدین لکھا وہاں دعویٰ کیا کہ تمام صحابہ رفع یدین کرتے تھے اس سے ایک کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا، اگر یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول اللہ رفع یدین کیا کرتے تھے تو بالکل تمام صحابہ ہی رفع یدین کرتے ہونگے کہ اتباع رسول لازم ہے اور اگر اس بات کو حضور ﷺ کے رفع یدین کے ترک کے بعد پھر محمول کیا جائے تو امام بخاری کا دعوی اور روایت انتہائی کمزور ہے اس لئے اگر تمام صحابہ رفع یدین کرتے تھے تو جو صحیح حدیث ہم نے عبداللہ بن مسعودؓ سے پیش کی کیا عبداللہ بن مسعودؓ صحابی نہیں اور جن کو عبداللہ بن مسعودؓ نے جماعت کروائی اور رفع یدین نہ کیا وہ جماعت میں شریک ہزاروں نمازی کون تھے؟ لہٰذا امام بخاری کی بخاری کے علاوہ جزء رفع یدین یا جزء قراۃ خلف الامام کی کوئی حیثیت نہیں اس لئے کہ علماء نے صرف اس کی صحیح بخاری کو بالعموم تسلیم کیا ہے تمام تصانیف کو نہیں۔ یہ جزء رفع یدین اور جزء قراۃ خلف الامام جیسی کتابیں بخاری کے علاوہ ہیں جو تسلیم نہیں احناف علماء و عوام اس نکتہ پر نگاہ رکھیں کہ اہل حدیث صحیح بخاری سے پیش کر رہا ہے یا صرف امام بخاری سے نہ کہ صحیح بخاری سے جو روایات ہم نے ترکِ رفع یدین میں پیش کیں ان میں کتنے جلیل القدر صحابہ کے نام گزرے جو رفع یدین خود بھی نہ کرتے اور منع بھی کرتے تھے تو امام بخاری جزء رفع یدین میں کیسے دعوی کرسکتا ہے کہ صحابہ رفع یدین کرتے تھے حضرت علیؓ جلیل القدر صحابی بلکہ خلیفہ المسلمین ہیں کوفہ میں ہیں نماز روزانہ کا کام اور مسجد کا لوگوں کے سامنے دن میں پانچ مرتبہ پھر ہر نماز کی ہر رکعت میں یہ عمل کیا جاتا ہے

اگر حضرت علیؓ رفع یدین کرتے تھے تو پورے کوفہ میں ترکِ رفع یدین کو رواج کب کس نے کیسے دیا۔لہٰذا امام بخاری کا دعوی حقیقت پر مبنی نہیں۔

5۔ جب دلائل امام بخاری کی ایک دو بے بنیاد حوالوں اور دعوؤں کے سوا نہ رہے تو صاحب نے لکھا کہ جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک رکوع جاتے آتے وقت رفع یدین شروع ہے۔ جب امام بخاری نے تمام صحابہ کا دعوی کیا تو جمہور کہاں سے آگیا پھر کل صحابہ کا دعوی کرو ہم رد ثابت کریں گے۔

احناف کے پیش کردہ دلائل کا غیر حقیقت پسندانہ رد۔

نماز کی کتاب کے مؤلف نے اپنی تالیف کے صفحہ 144 پر غیر حقیقت پسندانہ جواب دیئے جو پیش خدمت ہیں۔

احناف کی دلیل:۔ حضرت جابر بن سمرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ ہمارے پاس آئے اور فرمایا ''ما لی اراکم رافعی ایکدیکم کا نّھا اذناب خیل شمس اسکنو فی الصلٰوۃ'' کیا ہے مجھے کہ میں تمھیں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھتا ہوں گویا تمھارے ہاتھ سرکش گھوڑوں کی دمیں ہیں نماز کے اندر سکون سے رہا کرو۔[268]

اہل حدیث کا رد:۔ اس حدیث میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ یہ ممانعت رکوع والے رفع الیدین کے بارے میں ہے۔

الرد علی الرد:۔ جناب رکوع والے رفع یدین کے بارے میں اگر یہ حدیث نہیں تو اس کے علاوہ کونسا رفع یدین ہے جس کو حضور ﷺ نے منع فرمایا کیا نعوذباللہ صحابہ نماز میں ڈانس کرتے تھے جس کو منع فرمایا؟ یہی رفع الیدین عند الرکوع یہ تھا جس کو منع کر دیا گیا۔

---

[268] مسلم کتاب الصلٰوۃ باب الامر بالسکون فی الصلوۃ

اہل حدیث کا دوسرا رد:۔ اس حدیث کے ورود کا ایک خاص سبب ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی یہ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جابرؓ مروی ہے کہ جب ہم سلام پھیرتے اپنے ہاتھوں کے ساتھ دونوں جانب اشارہ کرتے لہذا اس کو حضور نے منع فرمایا۔

الرد علی الرد:۔ یہ روایت اور پہلی روایت دونوں الگ الگ ہیں ایک بنانے کی کوشش کی گئی ہے اس لئے کہ پہلی روایت کے آخر میں "اسکنو فی الصلٰوۃ" کے الفاظ واضح کرتے ہیں کہ نماز کے اندر ہاتھ کی حرکت تھی جس کو حضور ﷺ نے منع فرمایا اور آپ جس شاذ روایت سے جواب دے رہے ہیں یہ نماز کے اندر نہیں بلکہ سلام پھیرنے کی بات کر رہے ہیں جب سلام پھر گیا تو نماز کا اندر کہاں رہا اور ہاتھوں سے اشارے سلام کے وقت جب حضور ﷺ نے کبھی تعلیم نہ فرمایا تو کوئی ایک دو اشارہ کرتے جس کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی سب نے یہ عمل کیسے شروع کر دیا تھا پھر اس روایت سے آپ نے اتنا تو تسلیم کیا کہ نماز میں سکون کا حکم ہے اور ہاتھوں کو حرکت دینا سکون کے خلاف ہے ہم بھی یہی بتا رہے ہیں کہ رفع یدین نہ کرو سکون سے نماز پڑھو پر سکون کیسے نصیب ہو کہ خود امام بن گئے امام شریعت کا انکار کر دیا اب آخر تک نماز میں بے سکونی ہے۔ شروع میں یہ بے سکونی کہ فاتحہ کو فیٹ بھی کرنا ہے امام نے قرات بھی شروع کر دی اب کیا کریں پھر رفع یدین عند الرکوع بعد الرکوع کی بے سکونی پھر تیسری رکعت کے لئے اٹھتے ہوئے بھی رفع یدین کو ذہن میں رکھنا ہو گا کہ رکن نماز رہ نہ جائے وہ بے سکونی اور آخری تشہد میں جو بیٹھے تو کسی نے ایک شاذ سے روایت بتا دیا کہ برابر انگلی کر حرکت دیتے رہیں کہ نماز میں کہیں سکون نہ ہو اور دھیان رب کی طرف جم نہ سکے تو یوں اول تا آخر بے سکون رہے جبکہ نماز میں سکون کا حکم ہے۔

وتر میں احناف کے رفع یدین پر اعتراض اور اس کا جواب:۔

شاہد دوست نے احناف کو اپنی طرح نے بنیاد تصور کر لیا اور ہمارے وتروں کی تیسری رکعت میں رفع الیدین پر اعتراض کر دیا جبکہ ہمارے رفع یدین میں بہت فرق ہے۔ ایک تو اس طرح کہ وہ پر نماز کی پر رکعت کے رکوع میں دو مرتبہ اور پھر تیسری رکعت کے لئے بھی یعنی صرف چار فرضوں میں 9

مرتبہ اور پوری نماز اور پھر پانچوں نمازوں میں کتنی مرتبہ کرتے ہیں تو کیا ہماری بے سکونی آپ کی ہمہ وقت بے سکونی کے برابر ہے؟

دوسری گزارش یہ ہے کہ آپ کے رفع یدین کی معقولیت کبھی تھے جو ختم ہوئی تو حضور ﷺ نے اس بے مقصد عمل ہی کو ختم کر دیا کہ آپ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت صحیح ہے جو ترکِ رفع یدین پر ہے جبکہ ہمارے وتروں کے رفع یدین میں آج بھی وہی معقولیت ہے جو تکبیر تحریمہ کے رفع یدین میں ہے وہ اس طرح کہ تکبیر تحریمہ میں اب بھی رفع یدین کو باقی رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر امام ہاتھ نہ اٹھائے صرف اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کر دے تو بہرے مقتدی کو کیسے معلوم ہو کہ امام نے نماز شروع کر دی اب مجھے بھی شروع کرنا چاہیئے۔ عین اسی طرح وتر کا رفع یدین بھی ہے کہ رمضان میں وتروں کو با لجماعت پڑھتے ہیں اگر امام تیسری رکعت میں ہاتھ بلند نہ کرے صرف اللہ اکبر کہہ دے تو بہرے مقتدی کو یا جو دور کھڑا ہے جہاں تک امام کی آواز نہیں جا رہی اس کو کیسے معلوم ہو کہ اب امام دعائے قنوت پڑھ رہا ہے لہذا میں بھی پڑھوں تو ثابت ہوا کہ آپ کے سارا دن تمام نمازوں کی تمام رکعتوں میں کوئی معقولیت نہیں جبکہ ہم صرف ایک مرتبہ وتر میں رفع یدین کرتے ہیں اس میں بھی معقولیت برقرار ہے۔ جی جناب آپ سمجھ گئے کہ احناف پر آپ کا رفع یدین کا اعتراض فضول ثابت ہوا۔

اہل حدیث کا تیسرا رد:۔ حضرت علقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کے ساتھ پڑھی تو انہوں نے رفع یدین کبھی نہ کیا۔ اس روایت کو آپ نے موضوع اور کبھی مرسل اور کبھی ضعیف اور کبھی موقوف کہا۔

الرد علی الرد:۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے اپنی تالیف (نماز کی کتاب) کے صفحہ 145 پر عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے جس میں الفاظ ہیں کہ "الا اُصلّی بکم صلوۃ رسول اللہ" کہ میں آپ کو نبی جیسی نماز یا رسول اللہ ﷺ والی نماز نہ پڑھاؤں پھر نماز پڑھائی اور رفع یدین نہ کے جب حدیث صحیح مان لی تو اس سے ثابت ہوا کہ رسول والی نماز بغیر رفع یدین کے تھی جب رسول کی نماز بغیر رفع یدین کے تھی تو حضرت ابو بکر و عمرؓ کی نمازیں رسول کے خلاف کیسے ہو سکتی ہیں لہذا حضرت علقمہ نے اسی عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ بات ٹھیک روایت کی اس میں کیا قباحت ہے کہ کبھی موضوع کبھی ضعیف کبھی مرسل اور کبھی موقوف بتا رہے ہو۔ بیان کا تضاد کمزوری کو ظاہر کرتا ہے جو حدیث موضوع ہو وہ حدیث ہوتی ہی نہیں من گھڑت

بات ہوتی ہے پھر اسی کو مرسل ضعیف موقوف کیسے بتا رہے ہو اور یاد رہے کہ جب آپ نے ایک قول سے اس روایت کو مرسل ہمارے نزدیک قابلِ حجت ہے آپ کے نزدیک اگر معتبر نہیں تو آپ آزاد ہیں۔ مگر یہ روایت مفہوماً مذکورہ صحیح حدیث کے مطابق ہے لہٰذا خیال رکھنا حدیث کی بے حرمتی نہ ہو کہ حدیث کی بے حرمتی رسول کی بے حرمتی کے مترادف ہے۔

عمران ایوب لاہوری صاحب پر تعجب:۔

خود ہی اپنی تالیف کے صفحہ نمبر 145 پر جس حدیثِ عبد اللہ ابن مسعودؓ کو صحیح بتا رہے ہیں اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر کے خلاف ہے اور پھر لکھا کہ یہ عمل صحابی ہے۔ دونوں باتیں حیران کن ہیں کہ یہ تو حدیث فہمی نہیں بلکہ حدیث دشمنی ہے۔ اس لئے کہ وہ کونسی متعدد صحیح و متواتر احادیث ہیں جن کے یہ خلاف ہے جو روایات آپ نے یہاں پیش کیں ان کا تو ایک ایک کر کے جواب دے دیا ہے باقی متواتر و متعدد کہاں چھپا رکھی ہیں سامنے لے آئیں۔ پھر آپ کا یہ کہنا کہ یہ صحابی کا عمل ہے جبکہ یہ غلط بات ہے۔ صحابی کو عمل تب ہو تا جب عبد اللہ ابن مسعودؓ صرف اپنی نماز پڑھتے اور اس میں رفع یدین کرتے تو آپ کی بات ٹھیک تھی کہ چاہیں تو صحابی کے عمل کو نظر انداز کر دیں اور چاہیں تو امام بخاریؒ کے بے بنیاد بے سند قول کو دلیل بنا کر پیش کر دیں۔

الرّد علی الرّد۔ جناب یہ صحابی کو اپنا عمل نہیں بلکہ وہ تو فرما رہے ہیں ''لا اُصلّی بکم صلٰوۃ رسول اﷲ'' کہ میں تم کو رسول اللہ کی نماز پڑھاؤں یعنی رسول کا عملِ نماز اپنے عمل نماز سے پیش کیا پھر صحابی کا عمل کیسے ہوا صحابی کا عمل تو آپ نے پیش کیا تھا کہ جب ایک صحابی نے نماز پڑھائی تو لوگوں نے پیچھے سے اونچے اٰمین کہ کر پوری مسجد کو سر پر اٹھا لیا تھا اس روایت میں سوائے عمل صحابی کے صلٰوۃَ رسولُ اللہ جیسا کوئی لفظ نہیں وہاں آپ نے صحابی کے عمل کو حدیث بنا کر پیش کیا جبکہ صحابی کا عمل حدیث کی تعریف میں شامل نہیں ہو تا وہ صرف اثر ہی کہلاتا ہے حدیث تو قول رسول فعلِ رسول اور تقریرِ رسول کا نام ہے اور جس حدیث کو آپ عملِ صحابی بتا رہے ہیں اس میں فعل رسول کو صحابی اپنے فعل سے بھی ظاہر کر رہا ہے اور زبان سے بھی بول رہا ہے کہ میں تم کو رسول کے عمل والی نماز پڑھا رہا ہوں ۔

امام اعظمؒ کی عظمت:۔

امام اعظمؒ نے جو روایت امام اوزاعیؒ کے سامنے پیش کی تھی قیامت تک رفع یدین کے مسئلہ پر اس کا جواب کسی سے نہیں بن سکتا کیونکہ یہ حدیث صحیح ہے اور ایسے افضل صحابی سے ہے کہ اس کے مقابلہ میں ان سے عظیم کسی صحابی سے اس کو رد منقول ہی نہیں۔لہذا امام اعظمؒ کی پیش کردہ حدیث نے نہ صرف امام اوزاعیؒ کو چپ کروادیا تھا بلکہ قیامت تک امام اوزاعیؒ جیسی رائے رکھنے والوں کے لئے بھی امام اعظمؒ کی پیش کردہ صحیح حدیث کافی ہے۔

سجدہ:۔

جو احادیث پہلے پیش کر چکا ہوں وہ رکوع سے قومہ تک مکمل رہنمائی دے رہی ہیں اس لئے اب سجدہ کے بارے میں قرآن وحدیث پیشِ خدمت ہیں۔

ویسے تو نماز کی ہر ہر حرکت اور ہر رکن بڑی اہمیت کا حامل ہے مگر پوری نماز کی حرکات میں رکوع و سجود زیادہ اہمیت اور توجہ کے مستحق ہیں یہی وجہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے سب سے بُرا چور نماز کے چور کو بتلایا تو آپ نے فرمایا کہ جو نماز کے رکوع و سجود کو مکمل نہ کرے اور اللہ تعالیٰ نے بھی رکوع بول کر پوری نماز مراد لیا جیسے ''وارکعوا مع الرکعین''اور سجدہ کے بارے فرمایا''واسجُد واقترب''پھر فرمایا''یا ایّھا الذین اٰمنوا ارْکَعُوا و اسجُدوا واعبُدُوا ربّکم۔اے ایمان والو!رکوع کرو اور سجدہ کرو اور (یوں) اپنے رب کی بندگی کرو۔

پھر فرمایا:

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ[269]

ترجمہ:۔ جس روز پردہ اُٹھائے جائے گے ایک ساق سے تو ان (نابکاروں) کو سجدہ کی دعوت دی جائے گی تو اُس وقت وہ سجدہ نہیں کر سکیں گے۔

ان اٰیات سے سجدہ کی اہمیت واضح ہوئی اب احادیث پیش خدمت ہیں جن سے سجدہ کا پورا طریقہ سامنے آجاتا ہے۔

---

[269] القلم 42.

1۔ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْبَدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُجْزِءُ صَلَاةُ الرَّجُلِ حَتَّى يُقِيمَ ظَهْرَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ۔[270]
حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کی نماز اُس وقت تک کافی نہیں ہوتی جب تک وہ رکوع اور سجدہ میں اپنی پیٹھ کو سیدھا برابر نہ کرے۔

2۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ، وَلَا يَبْسُطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ[271]
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ سجدہ اعتدال کے ساتھ کرو اور کوئی اپنی باہیں سجدے میں اس طرح نہ بچھائے جیسے کتّا زمین پر باہیں بچھا دیتا ہے۔ یعنی باہوں کو زمین سے الگ اُٹھا کر رکھے۔

3۔ عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا سَجَدْتَ، فَضَعْ كَفَّيْكَ وَارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ۔[272]
حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب سجدہ کرو تو ہتھیلیاں زمین پر رکھو اور کہنیاں اُوپر اُٹھاؤ۔

4۔ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا صَلَّى فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ۔[273]
حضرت عبد اللہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سجدہ میں جاتے تو ہاتھوں کو کھول کر پہلوؤں سے یوں الگ فرمالیتے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آتی تھی۔

5۔ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ، وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ۔[274]
حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ نے سجدہ کیا تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنے زمین پر رکھے اور جب سجدہ سے اُٹھے تو ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے اُٹھایا۔

---

[270] ابوداؤدکتاب الصلاة أبواب تفريع استفتاح الصلاةباب صلاة من لا يقيم صلبه في الركوع والسجود

[271] بخاری كتاب صفة الصلاة باب لا يفترش ذراعيه في السجود،مسلم كتاب الصلاة باب الاعتدال في السجود، ووضع الكفين على الأرض، ورفع المرفقين عن الجنبين، ورفع البطن عن الفخذين في السجود

[272] مسلم كتاب الصلاة باب الاعتدال في السجود، ووضع الكفين على الأرض، ورفع المرفقين عن الجنبين، ورفع البطن عن الفخذين في السجود

[273] بخاری أبواب الصلاة في الثيابباب يبدي ضبعيه ويجافي في السجود،مسلم

[274] ابو داؤد كتاب الصلاة أبواب تفريع استفتاح الصلاة باب كيف يضع ركبتيه قبل يديه؟

سجدہ سات اعضاء پر کیا جائے:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ عَلَى الجَبْهَةِ، وَأَشَارَ بِيَدِهِ عَلَى أَنْفِهِ وَاليَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ، وَأَطْرَافِ القَدَمَيْنِ وَلاَ نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَالشَّعَرَ۔ [275]

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ مجھے سات اعضار پر سجدہ کرنے کا حکم ملا ہے 1۔ پیشانی 3۔ دونوں ہاتھ 5۔ دونوں گھٹنے 7۔ اور دونوں پاؤں کے کنارے اور یہ بھی حکم ملا کہ (دوران نماز) اپنے کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹوں۔

اِستخراجِ مسائل:۔

1۔ دورانِ سجدہ ان مذکورہ سات اعضاء کو زمین پر رکھنے کو یقینی بنائے ہاں اگر عذر ہو تو وہ الگ معاملہ ہے۔

2۔ دوران سجدہ پاؤں کو زمین پر ٹکائے رکھے نہ کہ ہوا میں بلند کر دے۔

3۔ چونکہ حدیث میں پیشانی کا لفظ ہے لہذا اگر ناک زمین سے اٹھ بھی جائے تو سجدہ ہو جائے گا مگر کوشش رہے کہ ناک بھی سجدہ کی سعادت حاصل کرے جبکہ صرف ناک سجدہ میں زمین پر رکھنا اور ماتھے کو اٹھا کر رکھنا یہ سجدہ کافی نہیں کہ حدیث میں پیشانی کا ذکر موجود ہے۔

4۔ دوران نماز اپنے کپڑوں اور بالوں کو نہ درست کرتا رہے۔

عام لوگوں کا غلط عمل:۔

جب حضور ﷺ نے مذکورہ بالا حدیث میں واضح فرمادیا کہ مجھے حکم ربّانی ہے کہ نماز میں بالوں اور کپڑوں کو نہ سمیٹوں تو اس کے بعد کسی کو کیا حق ہے کہ وہ کبھی داڑھی پر بار بار ہاتھ پھیر کر اس کو نماز کے اندر درست کرے یا سجدہ کو جاتے آتے اپنے کپڑوں کو درست کرتا رہے۔ جب آپ بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہیں تو اپنے کپڑوں اور بالوں کی بناوٹ سے بالکل بے نیاز ہو جائیں کیونکہ نماز اور تکبّر یہ دونوں کام نہیں ہو سکتے۔

---

[275] بخاری کتاب صفة الصلاة باب: السجود على الأنف ،مسلم

کپڑے کو جانے دو جہاں جاتا ہے۔ہاں اگر شدید سردی یا شدید گرمی سے بچاؤ کے لئے سر پر کپڑے کے پہلو کو پیشانی کے نیچے کرلیا تو حرج نہیں کہ حدیث میں یہ بات ملتی ہے۔

زندہ بزرگوں یا کسی کی قبر پر سجدہ کرنا:۔

چونکہ سجدہ عبادت ہی کا ایک اہم رکن ہے اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کرنا جائز ہے لہٰذا سجدہ کسی زندہ یا مُردہ کو بلکہ سوائے ذاتِ باری تعالیٰ کے کسی کو جائز نہیں۔ سجدہ تعظیمی پچھلی شریعتوں میں جائز رہا مگر ہماری شریعتِ محمدی میں اس کو بھی منع کر دیا گیا ہے لہٰذا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو سجدہ کرنے کی گنجائش ہر گز نہیں۔ہاں اگر پھر بھی کوئی سجدہ غیر کو کرنے پر بضد ہو تو اگر وہ صرف تعظیم کے لئے سجدہ کرتا ہے اور مسجود کو الٰہ تصور نہیں کرتا تو یہ سجدہ حرام ہے کہ منع کیا گیا ہے اور اگر مسجود کو الٰہ اور معبود سمجھ کر سجدہ کرتا ہے تو یہ عبادت غیر ہے جو شرک ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے ہی سامنے جھکنے کی سعادت دے۔

مولانا الیاس صاحب قادری اور مولانا احمد یار خان مرحوم دونوں نے لکھا کہ کسی زندہ بزرگ کو حدّ رکوع تک جھک کر ملنا حرام اور حدِّ رکوع سے کم جُھکنا مکروہ ہے۔بزرگانِ دین کی کبھی خواہش نہیں رہی کہ لوگ ہم کو جھک کر ملیں بلکہ وہ تو ہمیشہ لوگوں کو اللہ کریم کے سامنے جھکنے کی تعلیم دیتے ہیں اور جو بزرگ یہ خواہش رکھے کہ مجھے ہر ملنے والا جُھک کر ہی ملے وہ بزرگ نہیں بزرگ کے لباس میں کچھ اور ہے اُس سے دُور رہو۔

تشہد:۔

درمیانی تشہد میں عبدہ ورسولہٗ تک اور آخری تشہد میں درود شریف اور آخر میں دعا پڑھی جاتی ہے ان میں ایک ایک چیز کا ذکر کیے دیتے ہیں۔

قعدہ کا مسنون طریقہ:۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ، وَرَفَعَ إِصْبَعَهُ الْيُمْنَى الَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ، فَدَعَا بِهَا وَيَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتِهِ بَاسِطَهَا عَلَيْهَا۔[276]

[276] مسلم كتاب المساجد ومواضع الصلاة باب صفة الجلوس فى الصلاة، وكيفية وضع اليدين على الفخذين

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لیتے تھے اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے برابر والی انگلی کو اٹھا کر اشارہ فرماتے اور اس وقت بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر دراز ہوتا تھا۔

تشریح:۔

یہاں حضور ﷺ کے ہاتھ رکھنے اور اشارہ کی بات کی گئی ہے یہاں ہے کہ دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے جبکہ ایک روایت میں رانوں پر رکھنے کے الفاظ ہیں لہٰذا دونوں ہاتھوں کو رانوں پر اسطرح رکھے کہ ہاتھوں کی انگلیاں عین گھٹنوں کے اوپر ہوں مگر سیدھی قبلہ رخ بھی ہوں اسطرح رانوں اور گھٹنوں والی دونوں روایات پر عمل بھی ہو جائے گا اور انگلیاں قبلہ رخ بھی ہو جائیں گی۔

انگلی سے اشارہ کرنا:۔

جو بات اس حدیث سے ہم کو سمجھ آئی وہ یہ ہے کہ اشارہ بلا شبہ حضور ﷺ سے دیگر روایات سے بھی ثابت ہے مگر ہمہ وقت پورے تشہد میں برابر حرکت دیتے رہنا اور اپنی توجہ کو نماز پر مرکوز کرنے کی بجائے ادھر مرکوز رکھنا جبکہ ہمہ وقت مسلسل حرکت دینے کی کوئی بظاہر حکمت بھی نظر نہیں آ رہی اور حدیث کے الفاظ بھی اس کے متحمل نہیں کیونکہ یہاں صرف اتنا ہے "ورفع اصبعہ ۔۔۔فدعابھا۔ اس سے ایک مرتبہ اشارہ تو ثابت ہے تسلسل ظاہر نہیں ہو رہا اس لئے ہمارے علماء نے اس کو اللہ کی وحدانیت کی شہادت کیساتھ خاص بتایا ہے یعنی جب نمازی منہ سے بولے "اشھد ان لا الہ الّا اللہ "کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں تو یہاں لفظِ لا پر انگلی کے اشارے سے بھی اس کی تائید یعنی غیر خدا کی نفی کر دے اور یہ بات سمجھ بھی آتی ہے۔

اِسی اشارے کی اہمیت ایک روایت میں یوں بیان کی گئی ہے۔لَھِیَ اَشَدُّ علٰی الشیطان من الحدید ۔(مشکوٰۃ بحوالہ مسند احمد) یہ اشارہ شیطان پر لوہے سے بھی زیادہ بھاری ہے کلمہ شہادت پر اشارے کی دوسری روایت جو اس کی تائید کرتی ہے وہ شہادتِ۔۔"ان لا الہ الّااللہ و عقد بیدہٖ ھکذا بخاری ج1 کتاب الزکوۃ باب وجوب الزکوۃ۔ اس سلسلہ میں حضور ﷺ کا حکم نظر سے نہیں گزرا ہاں ایسی روایت لائے جس میں آخری تشہد میں مسلسل انگلی کو حرکت دیتے رہنے کی بات ہو تو وہ شاذ ہو گی کہ عام نماز سے

متعلق احادیث میں یہ عمل نہیں اور عمل ثابت بھی ہو تو جب تک امر رسول نہ ہو لازم ثابت نہیں ہوتا۔

قعدہ بیٹھنے کا طریقہ اور قدموں کی حالت:۔

فَقَالَ أَبُوحُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ: أَنَا كُنْتُ أَحْفَظَكُمْ لِصَلاَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُهُ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ القِبْلَةَ، فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلَى رِجْلِهِ اليُسْرَى، وَنَصَبَ اليُمْنَى۔ [277]

ابو حمید ساعدی سے روایت ہے کہ میں تم سے زیادہ نمازِ رسول اللہ ﷺ کو یاد رکھنے والا ہوں میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا کہ آپ نے سجدہ میں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ کیا ہوا تھا اور جب آپ دو رکعت پڑھ کر (درمیانی قعدہ) بیٹھے تو آپ بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھا۔

تشہد کی عبارت:۔

عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قُلْنَا: السَّلاَمُ عَلَى جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ السَّلاَمُ عَلَى فُلاَنٍ وَفُلاَنٍ، فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلاَمُ، فَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ، فَلْيَقُلْ: التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلاَمُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلاَمُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ، فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمُوهَا أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلَّهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالأَرْضِ، أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔ [278]

شقیق بن سلمہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ نے کہا کہ ہم نے جب رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو ہم نے سلام ہو جبریل و میکائیل پر سلام ہو فلاں اور فلاں پر کہا تو جب حضور ﷺ نماز کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے تو فرمایا اللہ ہی سلام ہے جب تم سے کوئی نماز پڑھے تو یوں کہے۔ ساری قولی، بدنی اور مالی عبادات صرف اللہ کے لئے ہیں اے نبی آپ ﷺ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر (پھر جب تم یہ کہتے ہو تو یہ سلام آسمان وزمین میں ہر نیک بندے کو پہنچ جاتا ہے) میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

---

[277] بخاری کتاب الصلٰوۃ باب سُنّۃالجلوس فی التشھد۔

[278] بخاری کتاب الصلوۃ باب التشہد فی الاٰخِرۃِ

تشریح طلب نکات:۔

یہاں حدیثِ بخاری میں بعینہٖ وہی تشہد کے الفاظ موجود ہیں جو ہماری روز مرہ نمازوں کا حصہ ہے۔ البتہ اس حدیث میں درمیانِ بیان حضور ﷺ ایک تشریح فرمادی جو تشہد کا حصہ نہیں وہ یہ کہ حضور ﷺ نے بطورِ وضاحت فرمایا کہ جب تم مجھ پر پھر تمام صالحین پر سلام پیش کرتے ہو تو وہ سلام تمام نیک بندوں کو پہنچ جاتا ہے۔

سلام حضور ﷺ کو پہنچتا ہے:۔

امام بخاریؒ کی اس روایت نے یہ بھی واضح کر دیا کہ جب ہم حضور ﷺ کو نماز میں السلام علیک ایھا النبی سے سلام پیش کرتے ہیں تو حضور ﷺ کو بھی پہنچتا ہے اور جب سب صالحین کو سلام پیش کرتے ہیں تو آسمان و زمین کے کونے میں جہاں کوئی نیک بندہ فرشتہ ہو یا انسان، دور ہو یا نزدیک اس کو یہ سلام پہنچ جاتا ہے۔ ایک تو یہ واضح ہوا کہ اس یقین سے نمازی سلام پیش کرے کہ میرا اسلام بارگاہ رسالت مآب میں پہنچ رہا ہے اور ساتھ یہ بھی واضح ہوا کہ انشآء و حکایت کی کہانی یہاں بے سود ہے کہ سلام ابھی ابھی تازہ تازہ پہنچ رہا ہے جب نماز کے اندر سلام جس نیٹ ورک سے پہنچ جاتا ہے نماز کے باہر بھی اسی نیٹ ورک سے سلام پہنچتا ہے۔ لوگوں کو یہ فکر تھی کہ ہمارا اسلام فخر المرسلین کو بھی پہنچتا ہے کہ نہیں حدیث نے واضح کیا کہ یہ سلام عام نیک بندوں کو بھی آسمان و زمین کے کونے کونے میں پہنچ جاتا ہے۔ جب عام بندوں کو سلام پہنچتا ہے وہاں فخر انسانیت کے لئے تو مسئلہ ہی نہیں۔

علمآء دیوبند کی رائے:۔

مذکورہ بالا حدیث کے باوجود علمآءِ دیوبند کی رائے یہ ہے کہ دور سے سلام حضور ﷺ کو نہیں پہنچتا ہاں فرشتے پہنچاتے ہیں اور اگر حضور ﷺ کی قبرِ انور پر سلام پیش کیا جائے تو نہ صرف آپ سنتے ہیں بلکہ جواب بھی ارشاد فرماتے ہیں اور کچھ خوش نصیبوں نے حضور ﷺ کا جوابی سلام سنا بھی ہے ملاحظہ فرمائیں مولانا ذکریا صاحب کی تالیفِ فضائلِ درود شریف۔ قبر کے پاس سلام حضور ﷺ آخر کیسے سنتے ہیں جبکہ قبر حائل ہے سماعت ممکن نہیں کہ آواز ہوا کے دوش پر جاتی ہے اور وہاں ہوا کا گزر نہیں تو جناب فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ سنا رہا ہے تو گزارش ہے کہ جو اللہ قبر کے پاس والی آواز کو سنانے پر قادر ہے وہ قبر

سے دور والی آواز کو سنانے پر قادر نہیں؟ اگر آپ کہیں کہ شرک لازم آتا ہے تو جناب مذکورہ حدیث میں نیک بندے آسمان و زمین میں ہر جگہ ہر نمازی کا سلام سنتے ہیں کیا یہ شرک ہے؟ محترم آپ کو شرک کا شائبہ اس لئے ہوا کہ آپ نے رب کی سماعت کو بھی آسمان و زمین یعنی حدودِ کائنات تک محدود تصور کیا ہے جبکہ رب کی تمام صفات کائنات یا کسی بھی حدود سے آشنا نہیں۔ رب کے سامنے یہ پورا جہاں بہت محدود اور چھوٹی چیز ہے اور رب کی سماعت کی حد نہیں حضور ﷺ کی سماعت کائنات تک محدود پھر رب کی جملہ صفات کمالیہ ذاتی حض ﷺ کی عطائی ہیں یہ واضح فرق ہے جو شرک کو مانع ہے رب کی صفات قدیمی و ابدی جبکہ مخلوق کی صفات حادث ہیں۔

حضور ﷺ کی بشریت:۔

حضور ﷺ کی بشریت پر کوئی دورائے نہیں ہیں سب کو تسلیم ہے کہ حضور ﷺ باقی انبیآء کی طرح نسلِ انسانی میں سے انسان ہیں اور آپ فخرِ انسانیت ہیں یعنی انسانوں کو بجا طور پر یہ فخر ہے کہ ہم میں سے ایک ایسا عظیم الشان انسان بھی ہے جس کے سامنے معزز ملائکہ بھی دم بخود ہیں اور حضور ﷺ کا جسد عنصری صریح اٰیات و احادیث کی روشنی میں صرف مٹی سے ڈھالا گیا جو مکہ شریف کی مبارک سرزمین سے لی گئی ہے سیرتِ رسول عربی میں نور بخش توکلیؒ نے یہی بات واضح فرمائی۔ علامہ امجد علی صاحب قادریؒ نے بہار شریعت میں اسی حقیقت کا اقرار کیا اور نور انیت کا کہیں دعوی نہ کیا مولانا احمد رضاخان بریلویؒ نے بہار شریعت پر تقریظ لکھ کر مہرِ تصدیق ثبت کی اور پیر مہر علی شاہ صاحبؒ نے فتاوٰی مہریہ میں اسی عقیدہ کا اظہار و اعتراف فرمایا، مولانا غلام رسول سعیدیؒ نے شرح صحیح مسلم میں حضور ﷺ کی شریعت کو خوب واضح فرمایا اور جہاں سے لوگوں کو غلط فہمی ہو سکتی تھی اس کا جواب بھی تحریر کر دیا۔ یہ کہنا کہ حضور ﷺ صرف دیکھنے میں انسان ہیں جیسے جبرائیلؑ نور ہو کر انسانی میں بار بار تشریف لایا یہ نادان لوگوں کا گمان ہے اور نادانوں کا گمان تو نعوذ باللہ یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نہ صرف نور ہیں بلکہ نُورٌ من نورِ اللہ یعنی اللہ کے نور کا جز ہیں۔ جو تجزّی اور حصّے بکھرے ہونے کو قبول بھی نہیں کرتا اور اگر بالفرض و المحال نُورِ خدا سے ایک جُز نکال کر کسی مخلوق کو پیدا کیا جائے تو وہ مخلوق بھی تو پھر خدا ہی ہو گی کہ اس کا اصل نور خدا ہے۔ ایسی باتیں اور تصورات انتہائی خطرناک ہیں ایمان کی سلامتی کے لئے لازم ہے کہ ایسی باتوں سے محتاط رہیں اور حضور ﷺ کو افضل البشر اور سیّد البشر ہونے کا یقین کر لیں ۔ جہاں تک مختلف

احادیث کا تعلق ہے جہاں حضور ﷺ کے لئے نور کا لفظ استعمال ہوا تو وہ سب اعزاز و اعجاز رسول ﷺ ہے جیسے حضرت موسیٰؑ ہاتھ مبارک کو بغل میں دبا کر نکالتے تو نور ظاہر ہوتا۔ نور کی جملہ احادیث اسی مفہوم پر ہیں۔

حضرت علامہ جلال الدین رومیؒ کا عقیدہ پیشِ خدمت ہے۔

مُحمّدٌ بشرٌ لا کالبشر   کالیاقوت حجرٌ لا کالحجر

حضور ﷺ بشر ہیں مگر کمالاتِ وفضائل میں بشر جیسے نہیں، جیسے یاقوت پتھر ہی ہے مگر عام پتھر جیسا نہیں۔

اللہ پاک حضور ﷺ کا ادب واحترام نصیف فرمائے اور آپ کی حقیقی محبت نصیب فرمائے جو جانِ ایمان ہے اور جملہ مخلوقاتِ خداوندی پر آپ ﷺ کی عظمت وفضیلت یقین کرنے کی توفیق بخشے۔

سبحانک اللّھمّ و بحمدک اشھد ان لاالہ الّا انت استغفرک و اتوب الیک ، اللّھمّ صلّ علی محمد وعلی آل محمدٍ و بارک و سلم علیہ۔

نماز اور تعلیمِ توحیدِ باری تعالیٰ:۔

بالعموم اگر دیکھا جائے تو نماز "اللہ اکبر" تکبیر تحریمہ سے شروع ہوتی ہے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ پر ختم ہوتی ہے جس طرح میں نے اذان کے باب میں ذکر کیا کہ لفظ اللہ سے شروع ہو کر اذان لفظ اللہ اسم جلالہ پر ختم ہوتی ہے اسی طرح نماز کا بھی لفظ اللہ اور سب سے آخری لفظ بھی اللہ ہے اور نماز کا لفظ لفظ توحید باری تعالیٰ پر دلالت کرتا ہے جبکہ نماز کی ایک ترتیب یہ بھی ہے کہ نماز توحید، رسالت اور دعا سے عبارت ہے ویسے تو توحید باری تعالیٰ کے ثبوت کے لئے لفظ اللہ ہی کافی ہے مگر نادانوں کو کیا سمجھ اللہ تعالیٰ نے کلماتِ تشھد میں پوری وضاحت سے بیان کر دیا وہ یوں کہ انسان جو بھی عمل کرتا ہے نیکی کرتا ہے یا عبادت کرتا ہے تو اس کے صرف تین ذرائع ہیں۔ (1) زبان وقول (2) جسم کا استعمال (3) مال کا استعمال۔ اس کے علاوہ چوتھی کوئی صورت عبادت وعمل کی نہیں تو تشہد میں التحیات للہ والصلوٰات و الطیبات کی تعلیم دیکر واضح کر دیا کہ عبادت کی تینوں صورتیں صرف اللہ کے لئے ہیں جب قولی بدنی اور مالی عبادتیں صرف اللہ کو زیبا ہیں تو اس کے علاوہ کوئی عبادت باقی نہیں رہ جاتی جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے ہو اور شرک لازم آئے۔ یہاں سے نمازی کو پختہ یقین بنا لینا چاہیئے کہ میرا ہر عمل جو نیکی اور عبادت کی صورت میں ہو اسے صرف اور صرف اللہ کریم کی ذات کے پیش نظر ہی ہونا چاہیئے اور یہی حق ہے۔

نماز میں حضور ﷺ اور پھر ابراہیم علیہ السلام کی تخصیص کیوں:۔

اس کی ایک وجہ تو وہی آیت ہے جس میں حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی پر صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کا حکم ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ روایات گواہ ہیں کہ جب حضور ﷺ کا وقتِ وصال قریب آیا تو آپ نے پاس بیٹھنے والوں کو قیامت تک آنے والے اُمتیوں کے لئے سلام پہنچانے کا حکم دیا گویا حضور ﷺ نے ہم کو سلام کہا جس کے جواب میں ہم بھی سلام پیش کرتے ہیں۔

اب رہی بات سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی کہ تشہد میں باقی انبیآء میں سے ان کو کیوں خاص کیا گیا تو اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حضور ﷺ اولادِ اسماعیل و ابراہیم علیہ السلام ہیں پھر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ تعمیر کیا اور آپ کے لئے دعا کی آپ ﷺ فرماتے تھے "ان دعوۃ ابی ابراہیم" میں اپنے جدّ امجد ابراہیم کی دعا ہوں پھر شریعتِ محمدیہ میں سیدنا ابراہیمؑ کا اتنا زیادہ عمل دخل ہے کہ پورا حج اور اعمال حج ان کے اور ان کی فیملی کے گرد گھومتا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیت باقی انبیآء سے اس ایت سے بھی ظاہر ہے۔

قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم۔ [279]

یعنی جس طرح حضور ﷺ کی ذات ستُودہ صفات کو ہمارے لئے نمونہ قرار دیا گیا ابراہیم علیہ السلام کی ذات کو بھی نمونہ قرار دیا گیا۔

مزید یہ کہ جب آپ ﷺ نے کعبہ کی تعمیر مکمل کی تو یہ فرمایا۔ کہ تمام اہلِ خانہ کو جمع فرمایا تاکہ تکملِ کعبہ پر اجتماعی دعا میں سب کو شریک کیا جاسکے تو آپ نے جمع فرمایا اور روتے گڑگڑاتے ہوئے۔

یوں دعا فرمائی:۔

اللّھمّ مَن حج البیتَ ھذا مِن شیوخِ اُمّتِ مُحمدٍ ﷺ فَھبْہُ منّی السلام۔ فقال اَھلَہٗ اٰمین ثمّ قال اسحق علیہ السلام اللّھمّ مَن حجّ ھذا البیت من کُھولِ اُمّۃ، محمدٍ فَھِبْہُ مِنّی السلام فقالُوا اٰمین ثمّ قال اسمٰعیل علیہ السلام اللّھمّ مَن حجّ ھذا البیت من نِسوانِ اُمّۃِ محمدٍ ﷺ

---

[279] الممتحنہ پارہ 28

فَھبھا منّی السّلام فقالُوا اٰمین ثمّ دعتْ ھاجِرَۃُ رضی اللہ عنہا فقالت اللّھمّ من حجّ ھذا البیت من موالی الموالات مِن اُمّۃ محمّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فَھبْہُ منّی السّلام فقالُوا اٰمین[280]

ترجمہ:۔ ابراہیم علیہ السلام نے گھر والوں کو جمع کر کے دعا فرمائی اے اللہ امت محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم سے بوڑھا اس گھر کا حج کرے اس کو میرا اسلام پہنچا تو گھر والوں نے اٰمین کہا، پھر اسماعیلؑ نے دعا کی اے امتِ محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو جوان اس گھر کا حج کرے اس کو میرا اسلام عطا فرما، پھر اسحٰقؑ نے شادی شدہ کے لئے دعا فرمائی اور سلام بھیجا، پھر جناب سائرہؓ نے عورتوں کے لئے دعا کی اور سلام بھیجا، پھر جناب ھاجرہؓ نے لونڈیوں کے لئے دعا کی اور سلام بھیجا جس پر سب نے اٰمین کہی تو التحیات میں ان کی دعاؤں کے جواب میں احسان کا بدلہ احسان سے چکانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم علیہ السلام پر سلام کا حکم فرمایا اور ایک وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ شب معراج سب انبیآء سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام و دعا ہوا مگر ابراہیم علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے نام بھی سلام ارسال فرمایا لہذا اب بطور جزاءِ احسان امت قیامت تک نمازوں میں ان پر سلام پیش کرتی رہے گی۔

توحید ورسالت کی شہادت:۔

نمازی تشہد کے پیش کردہ الفاظ میں ایک طرف اللہ تعالٰی کی وحدانیت اور دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت ورسالت کی گواہی دیتا ہے۔ عبدیت کی گواہی اس لئے لازم کردی کہ یہود ونصاری کی طرح اُمت محمدیہ عقیدت واحترام اور محبت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام عبدیت سے نکال کر مقامِ اُلوہیت میں نہ لے جاسکیں جیسا کہ یہود و نصاری گمراہ ہوئے اب جو عبد ہے وہ تمام تر فضائل وکمالات کے باوجود معبود نہیں بلکہ مخلوق اور سید البشر ہے جس کے الہٰ ہونے کا کوئی شبہ باقی نہیں رہا اور ایک طرف آپ کی عبدیت کا اقرار کرواکر الوہیت کا راستہ روک دیا تو دوسری طرف رسالت کا اقرار کرواکر بحیثیتِ رسول آپ کے جملہ فضائل وکمالات کا اعتراف کروادیا۔ یہ دونوں باتیں انتہائی اہم ہیں کہ ایک طرف حدِّ اُلوہیت میں نہ جائیں تو دوسری طرف جناب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ رسالت سے نیچے گراکر عام لوگوں کی سطح پر تصوّر نہ کرلیا جائے۔ اسی میں ہماری نجات ہے۔

---

[280] قدوری حاشیہ علی باب شروط الصلوٰۃ

قعدہ اولیٰ کہاں تک پڑھا جائے:۔

جیسا کہ معروف ہے کہ قعدہ اُولیٰ عبدہ ورسولہ تک پڑھا جاتا ہے۔ احادیث سے یہی ظاہر ہے کہ حضور ﷺ قعدہ اُولیٰ کو قعدہ اخیرہ جتنا لمبا نہ فرماتے بلکہ جلد ہی کھڑے ہوجاتے تو ظاہر ہے کہ عبدۃ ورسولہ، کے بعد درود شریف اور دعا کو کسی نے نماز کا فرضی اور لازمی حصہ قرار نہ دیا تو حضور ﷺ درمیانی قعدہ میں درود اور آخری دعا نہ پڑھتے بلکہ عبدہ ورسولہ تک پڑھ کر فوری کھڑے ہوجاتے تھے روایت ہے۔

عن عبد اللہ بن مسعود ؓ قال كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الأُولَيَيْنِ كَأَنَّهُ عَلَى الرَّضْفِ، قَالَ شُعْبَةُ: ثُمَّ حَرَّكَ سَعْدٌ شَفَتَيْهِ بِشَيْءٍ، فَأَقُولُ: حَتَّى يَقُومَ ، فَيَقُولُ: حَتَّى يَقُومَ۔ [281]

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھتے (تو اتنی جلدی فرماتے) جیسے آپ گرم پتھروں پر بیٹھے ہوں اور (جلدی) کھڑے ہوجاتے۔

یہاں سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ درمیانی تشہد آخر تک نہ پڑھتے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ آپ ہر دو رکعتوں پر تشہد ضرور بیٹھتے تھے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے مجھے تشہد کے یہ معروف الفاظ میرا ہاتھ پکڑ یوں تعلیم فرمائے جیسے آپ قرآن کی کوئی سورت تعلیم فرماتے اور مجھے پوری طرح تعلیم فرمانے کے بعد حکم بھی فرمایا کہ میں باقی لوگوں کو یہی تعلیم دوں۔

تشہد کی مذکورہ عبارت پر شارحین حدیث کی رائے:۔

بعض شارحین کی رائے یہ ہے کہ شب معراج بارگاہ صمدیت میں جو مکالمہ ہوا وہ یہی الفاظ تھے اور اس طرح مکالمہ ہوا کہ بارگاہ قدوسیت میں حضور ﷺ کو شرفِ حضوری نصیب ہوا تو آپ ﷺ نے نذرانہ عقیدت وعبودیت اس طرح پیش کیا گویا ان الفاظ سے سلامی دی۔ التحیات اللہ و الصّلٰوات و الطیّباتُ۔

---

281 الترمذی أَبوابُ الصَّلاَۃِبَابُ مَا جَاءَ فی مِقْدَارِ القُعودِ فی الركعَتينِ الأُولَيَيْنِ و النسائی

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا۔ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

آپ ﷺ نے اس فیضانِ ربی کو عام کرنے کیلئے عرض کیا۔ السلام علینا و علی عباداللہ الصالحین۔

تو بعد ازاں تجدید عہد کے طور پر یوں عرض کیا۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد انّ محمدًا عبدہ و رسولہ ۔

اگر شارحین کی رائے درست ہو تو گویا وہ مخصوص ملاقات اور اس میں انتہائی اہم جملوں کو نمازی کے نماز کا حصہ بنا کر اس کو بھی اس میں ایک گونہ شامل کر لیا گیا۔ سبحان اللہ کیا بخت ہے نمازی کا۔ اب بھی بدبخت کہتے ہیں کہ نماز میں کیا ملتا ہے اور نماز میں کیا رکھا ہے۔ معراج کے کلام کو شامل کر کے معراج تو کروادی اور فرمادیا کہ "الصلٰوۃ معراج الالمؤمنین" نماز اہل ایمان کے لئے معراج سے کم نہیں۔

کیا اب وصال شریف کے بعد بھی السلام عیلک ایھا النبی" ہی پڑھا جائے:۔

بہت کم عوامی حیثیت کے لوگوں کا خیال ہے کہ جب تک حضور ﷺ حیات تھے تو السلام عیلک ایھا النبی" کہنا درست تھا کہ اس میں حضور ﷺ کو براہ راست مخاطب کیا جارہا ہے لہٰذا مخاطب کا زندہ ہونا ضروری ہے اور جب حضور ﷺ نے وصال فرمایا تو اس کے بعد خطاب نہ کیا جائے بلکہ السلام علی النبی" پڑھ دیا جائے جبکہ یہ خیال ایک صحابی کا ہے مگر یہ صحابی کی ذاتی رائے ہے جس کو نہ تو صحابہ نے قبول کیا اور نہ ہی یہ قابلِ قبول ہے جس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ جب حضور ﷺ ظاہری زندگی سے حیات تھے تو کیا تمام صحابہ ساری زندگی ساری نمازیں آپ کی موجودگی میں آپ کے پاس ہی پڑھتے تھے جس کی وجہ سے خطاب ٹھیک تھا؟ ہرگز ایسا نہیں صحابہ کرام بھی سفر جاتے حضور ﷺ بھی تشریف لے جاتے مدینہ میں عورتوں اور کچھ مردوں کو چھوڑ جاتے اور کچھ مکہ تشریف حج کی سعادت پاتے حضور ﷺ مدینہ میں تشریف فرماتے تو کیا جب حضور ﷺ مدینہ میں ہوتے اور صحابی مکہ میں نماز پڑھتے تو کیا صیغۂ خطاب ترک کرتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ صحابہ دور دراز اور گھروں کے

اندر نماز پڑھتے تو اور التحیات تو پڑھا ہی خفیہ جاتا ہے نہ کہ جہراً کہ پاس بیٹھے آدمی کو سنائی نہیں دیتا مگر ساری زندگی کسی ضعیف حدیث سے بھی ثابت نہیں کہ کسی ایک صحابی کو اس بارے کوئی سوال پیدا ہو ورنہ وہ حضور ﷺ سے ضرور پوچھتے اور حضور ﷺ نے بھی یہ نہ فرمایا کہ یہ الفاظ خطاب میرے وصال کے بعد بدل لینا لہٰذا اس قسم کی رائے سے کوئی اتفاق نہیں باقی رہی بات خطاب کی تو حضور ﷺ کی سماعت اور روحانی طور پر آپ کی موجودگی اور جناب کا کشف یہ وہ مسائل ہیں جس کو عام آدمی نہیں سمجھ سکتا لہٰذا ان کے بارے میں کوئی قطعی رائے سے اجتناب کریں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام مکہ کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر اعلانِ حج کریں اور اللہ انسانیت کو ان کی پیدائش سے بھی قبل آباء واجداد کے پشتوں اور رحموں میں سنا دے تو یہاں کیا مشکل کہ اُمتی کا سلام جناب تک پہنچ جائے جبکہ میں بخاری کے حوالے سے حدیث پیش کر چکا ہوں لہٰذا بلا شک و شبہ وہی الفاظ اُمت نے اجتماعی عمل سے آج تک برقرار رکھے جو حضور ﷺ نے تعلیم فرمائے تھے۔

قعدہ اخیرہ میں درود شریف کی تعلیم:۔

پوری قوم اپنے نبی کی احسان مند ہوتی ہے کہ نبی کی وجہ سے ان کو خدا ملتا ہے دولتِ ایمان اور نعمتِ دین نصیب ہوتی ہے تو پوری اُمت اللہ تعالیٰ کے بعد اپنے انبیاء کے ان بے شمار احسانات کا بدلہ یوں چکاتی ہے کہ جہاں رب کے احسانات کا بدلہ بندگی سے دینے کی کوشش کرتی ہے وہاں انبیاء کا ممنونِ احسان ہونے کے لئے ان پر درود وسلام پیش کرتی ہے جو درحقیقت ایک بندے کی بارگاہِ الٰہی میں دوسرے بندے یعنی نبی کے حق میں دعا ہوتی ہے تو نمازی حضور ﷺ کے بے شمار احسانات کا ممنونِ احسان ہونے کے لئے نماز کے آخری تشہد میں درود وسلام کی صورت میں دعا گو ہوتا ہے حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں درود وسلام پیش کرنا اللہ کریم کا حکم بھی ہے اور نمازی اس کی بجا آوری نماز میں کرتا ہے کہ یہ قبولیت کے خاص لمحات ہیں اور دوسری طرف درود وسلام کی برکات بھی اس قدر ہیں کہ نمازی اپنی پوری نماز کی قبولیت کے لئے بھی درود شریف کا سہارا لیتا ہے کہ درود وسلام کا عمل کبھی رد نہیں ہوتا اور اللہ کریم کے کرم سے یہ بعید ہے کہ اس کی بارگاہ میں نماز کا عمل پہنچے تو اس سے درود کو قبول کرے اور باقی کو رد کر دے۔ خالص اللہ کی بندگی کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ درود وسلام کے حوالے سے نماز کے اندر آنا یہ حضور ﷺ کے مقام رفیع اور اللہ کریم کے ہاں آپ ﷺ کے مقامِ محبوبیت کا بھی پتہ دیتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب اظہارِ خیال فرمایا:۔

خدا کا ذکر کرے ذکرِ مصطفیٰ نہ کرے ہمارے منہ میں ہو ایسی زباں خدا نہ کرے

عن كعب بن عُجرة ﷺ قال سَأَلْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ، كَيْفَ الصَّلاَةُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ البَيْتِ، فَإِنَّ اللهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكُمْ قَالَ قُولُوا: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ، وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ، وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ [282]

حضرت کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ ہم آپ پر اور آپ کے اہل بیت عظام پر صلوٰۃ کیسے پڑھیں جبکہ یہ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھادیا کہ آپ پر ہم نے سلام کیسے پیش کرنا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہو! اے اللہ اپنی خاص عنایت ورحمت نازل فرمائی سیدنا ابراہیمؑ اور ان کے تمام گھر والوں پر، بے شک تو حمد وستایش کا سزاوار اور عظمت وبندگی والا ہے۔ اے اللہ! خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمد ﷺ اور آپ کے گھر والوں پر جیسے آپ نے خاص برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے گھر والوں پر ،بے شک تو ہی حمد وستائش کے لائق ہے اور عظمت وبزرگی والا ہے۔

اس حدیث میں گو یہ ذکر الفاظ میں تو نہیں کہ یہ نماز کے اندر صلوٰۃ بارے پوچھا گیا مگر انداز کلام اور قرائن سے یہی ظاہر ہے کہ نماز کے درود کے بارے ہی سوال ہورہاہے ورنہ سوال کی حالت نہ تھی اور ایک دوسری روایت میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ اس روایت کا تعلق نماز کے درود سے ہے ،اور محدثین نے بھی اس کو کتاب الصلوٰۃ میں اسی وجہ سے ذکر کیا۔ دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

كيف نصلّى عليك اذا نحن صلّينا عليك فى صلوتنا۔ [283]

حضرت !ہم جب نماز میں آپ پر صلوٰۃ پڑھیں تو جناب پر کن لفظوں سے صلوٰۃ پڑھیں۔

آخری تشہد میں درود اور بعد ازاں اپنے لئے دعا کا ثبوت:۔

عن عبد الله بن مسعود ﷺ يتشهّدُ الرجُلُ ثمّ يصلّى على النبّى ثُمّ يدعُوا لِنَفسه۔ [284]

---

[282] بخاری کتاب الانبیآء

[283] خزیمہ،ابن حبان،حاکم

[284] مستدرک کتاب الصلاۃباب التأمین

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب آدمی تشہد پڑھے تو پھر نبی ﷺ پر درود پڑھے اور پھر اپنے لئے دعا کرے۔

اٰل محمد ﷺ و اٰلِ ابراہیم علیہ السلام:۔

گو لفظِ اٰل میں لغوی اعتبار سے کافی وسعت وعمومیت موجود ہے اور قرآن و حدیث کے عمومی محاورے میں کسی شخص کے اٰل ان تمام کو کہا جاتا ہے جو اس کے ساتھ کسی بھی لحاظ سے خاص نسبت و تعلق خونی ہو نسلی ہو نظریاتی ہو یا قومی وغیرہ مگر یہاں نماز چونکہ عام موقع نہیں تو یہاں عام وابسگان کی گنجائش بھی نہیں یہاں صرف حضور ﷺ اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا خاص گھرانہ اور افرادِ خانہ ہی مراد ہیں اور اس میں بھی کوئی شک باقی نہیں کہ جو مقام واحترام اور عزت و ناموس حضور ﷺ کے اہل بیت اور ابراہیم علیہ السلام کے اہل بیت کرام کا ہے وہ انہی کا خاص حصہ ہے جس پر قرآن واحادیث گواہ ہے۔ان حضرات کا خاص خونی، گھریلو، محبت، صحبت اور خدمت کا تعلق ہے جو ان کا طرۂ امتیاز ہے۔حدیث میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ یہاں اٰل سے مراد خاص افرادِ خانہ ہیں نہ کہ عام پیروکار۔حدیث یہ ہے۔

عن ابی حُمیدٍ الساعدی ﷺ قال قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قُولُوا: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ۔ [285]

حضرت ابو حمید الساعدیؓ سے روایت ہے کہ صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ ہم آپ پر درود کیسے پڑھیں تو جناب ﷺ نے فرمایا: اے اللہ حضرت محمد ﷺ اور آپ کی بیویوں اور آپ کی اولاد پر رحمت وعنایت فرما جیسے آپ نے ابراہیم علیہ السلام واٰلِ ابراہیمؑ پر عنایت و رحمت فرمائی اور اے اللہ حضرت محمد ﷺ اور آپ کی گھر والیوں اور آپ کی نسل پر برکتیں نازل فرما جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر برکتیں نازل فرمائیں بے شک تو حمد وستائش کے لائق ہے اور عظمت وبزرگی والا ہے۔

[285] مسلم كتاب الصلاة باب الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم بعد التشهد وبخارى كتاب الأنبياء

حضور ﷺ کے اہل بیتِ عظام کامقام حضرات صحابہ کرام سے بلند ہے اس لئے کہ صحابہ کو صحبت کی وجہ سے مقام ملااوراہل بیت صحبت کے ساتھ ساتھ گھریلو اور خونی تعلق بھی رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ تمام علماءیوں کہتے ہیں "وعلی آلہٖ واصحابہٖ "یعنی اہل بیت کاذکر صحابہسے پہلے کرتے ہیں۔

صرف نماز میں درود کے لئے مخصوص الفاظ:۔

سابقہ احادیث سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ درودِ ابراہیمی کے مخصوص الفاظ صرف نماز کے اندر کے لئے تعلیم فرمائے گئے اور اسی کی اتباع میں نماز کے اندر ہر کوئی صرف درود ابراہیمی ہی پڑھتا ہے کوئی دوسرا درود پڑھنے کا حق نہیں رکھتا اور نہ وہ سنت سے ہٹ جائے گا مگر یہ گمان کرنا کہ نماز سے باہر بھی یہی افضل ہے تو جناب نماز کے باہر افضل تو کیا یہ درود ابراہیمی سورہ احزاب کی آیت درود وسلام پھر پوراہی نہیں اترتا اور یہ نماز کے باہر نامکمل درود ہے وہ اس طرح کہ یہ درود نماز کے اندر کے لئے تعلیم ہوا وہاں حدیث میں صاف الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم کوالسلام علیک ایھا النبی سے سلام کو طریقہ تومعلوم ہو چکا اب درود کا طریقہ بھی فرمادیں تو آپ نے درود ابراہیمی تعلیم فرمایا۔ لہٰذا نمازی جب نماز کے اندر ہو تا ہے تو "سلام السلام علیک ایھاالنبی" کے الفاظ میں پیش کرچکا ہو تاہے اور بعد ازاں درود ابراہیمی سے صلٰوۃ بھی پیش کرکے سورہ احزاب میں موجود حکم ربانی کے صلٰوۃ وسلام پیش کرنے پر عمل مکمل کرلیتاہے نماز کے باہر اگر درود ابراہیمی کوپڑھ لیاجائے تواس سے صلٰوۃ تواداہوجائے گامگر سلام اس میں نہیں ہے لہٰذا آیت احزاب میں حکم خداوندی پر عمل ہی نہیں ہوگا۔ غور فرمائیں'' یا ایھا الذین اٰمنُو صلّو علیہ و سلّمُوا تسلیمًا"یہاں صلٰوۃ اور سلام دو چیزوں کا حکم دیا گیاہے اور درودِ ابراہیمی صرف صلٰوۃ ہے سلام نہیں لہٰذا نماز کے اندر تو یہ درست ہے کہ پہلے السلام علیک ایھاالنبی سے سلام پیش کیاجاچکاہے مگر نماز کے باہر صلٰوۃ کے لئے تو درود ابراہیمی کافی ہے مگر سلام کے لئے کافی نہیں کہ اس میں سلام کالفظ پایاہی نہیں جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ نماز سے باہر بے شمار صیغوں اور الفاظ سے درود ملتاہے اور ہر کتاب کامصنف شروع میں اپنے الفاظ سے درود وسلام پیش کرتاہے۔ بس ثابت ہوا کہ نماز کے باہر درود ابراہیمی کی پابندی بھی ضروری نہیں اور نماز سے الگ یہ نامکمل بھی ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی إِبْرَاهِیمَ، وَعَلٰی آلِ إِبْرَاهِیمَ، إِنَّكَ حَمِیدٌ مَجِیدٌ، اللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی إِبْرَاهِیمَ، وَعَلٰی آلِ إِبْرَاهِیمَ إِنَّكَ حَمِیدٌ مَجِیدٌ۔[286]

آخری تشہد میں بعد از درود دعا کرنا:۔

جب نمازی نے دوران نماز خوب اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش، تعریف و توصیف اور ذکر و تسبیح کر لی تو پورے دھیان اور محبت و شوق سے بارگاہِ رسالت میں صلٰوۃ و سلام کا نذرانہ بھی پیش کر دیتا ہے تو سوالی کا حق ہے کہ اپنے لئے بارگاہِ ایزدی میں جھولی پھیلائے اور اللہ کے فضل و کرم کو لوٹ لے کہ دنیا مصائب کا گھر اور انسانی زندگی مسلسل آزمائش ہے اور مصائب و آرام اور اندوہ و غم نت نئے انداز سے وارد ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بات "وَنَبلُوکم بالشّرِ والخیر فِتنۃٌ" کا عمل جاری ہے اورالقدرِ خیرہٖ و شرّہٖ من اللہ تعالیٰ کونگاہ میں رکھے اور یہ یقین کرے کہ میری زندگی اور اس کے جملہ مسائل و معملات خاص اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں اگر وہ مجھے کسی مُصیبت میں مبتلا کرے تو دنیا کی کوئی طاقت جبرًا مجھے مصیبت سے چھٹکارہ نہیں دے سکتی۔ اور اگر اللہ کسی معاملہ میں احسان فرمائے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کے احسان کو روک نہیں سکتی پھر یہ بھی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ بے انتہا کریم ہے اور سخی ہے اور میری حاجت کو سننے اور پوری کرنے والی سب سے بڑی ذات خود اللہ کریم کی ہے جس کے خزانوں کا یہ عالم ہے ۔کہ فرماتا ہے اگر آسمان وزمین کی تمام مخلوقات مجھ سے اپنی اپنی ضاحبات بارے سوال کریں اور میں سب کو ان کی ضروریات کے مطابق دے دوں تو میرے خزانوں میں صرف اتنا فرق پڑھے جتنا سُوئی کو سمندر میں ڈبو کر نکال لیا جائے تو سمندر کے پانی میں سوئی پر لگنے والے پانی سے فرق پڑتا ہے۔ دعا مؤمن کا سب سے بڑا ہتھیار ہے لہذا پورے یقین توجہ الی اللہ اور آرام سے لمبی دعا کرنے کی کوشش کریں جبکہ آپ الگ سے دعا مانگ رہے ہوں اور ائمہ حضرات دعاؤں میں جھومنے اور طرزیں لگانے کی ڈرامہ بازی نہ کریں دعا انتہائی خلوص سے اور عموماً مخفی دعا کا انداز اختیار کریں کہ ریاکاری سے پاک اور قبول ہو سکے۔

[286] مسلم کتاب الصلاۃ باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد التشہد وبخاری کتاب الأنبیاء

بعد از درود دعاء کا ثبوت:۔

اسی سلسلہ میں ایک روایت پہلے بھی گزر چکی ہے۔اب دوسری روایت دعا کے ثبوت میں پیش خدمت ہے

ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ أَحَدُكُمْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَيَدْعُو بِهِ۔ [287]

یعنی بعد از درود پھر جو دعا اس کو اچھی معلوم ہو اس کا انتخاب کرے اور اللہ تعالیٰ سے وہی دعا مانگے۔

اس جگہ پر دعا حضور ﷺ نے تعلیم بھی فرمائی اور عمل سے بھی ثابت کیا اور یہاں چونکہ موقعِ دعا ہے تو یہاں حضور ﷺ سے کئی دعائیں منقول ہیں جو پسند ہو کوئی ایک پڑھ لیں۔

1۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْآخِرِ، فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللهِ مِنْ أَرْبَعٍ: مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ، وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ۔ [288]

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم تشہدِ اخیرہ سے فارغ ہو جاؤ تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگو۔عذاب جہنّم سے،عذاب قبر سے،موت وحیات کی آزمائشوں سے اور دجال کے فتنہ کے شر سے۔

یہی دعا ایک اہل حدیث عالم جنازہ میں بھی جہراً پڑھ رہا تھا جب وہ من شرّ المسیح الدجال پر پہنچا تو فوراً میرے ذہن میں خیال آیا کہ استاد کے بغیر تعلیم اور امامِ فقہ کی تقلید کے بغیر حال یقیناً یہی ہو گا کہ جب میت دنیا سے ہی فارغ ہو گیا اب کیا قبر کے اندر اس کو دجال سے واسطہ پڑے گا جس کے

---

287 ابوداؤدکتاب الصلاة تفريع أبواب التشهدباب التشهد

288 مسلم كتاب المساجد ومواضع الصلاة باب ما يستعاذ منه فى صلاة.ابن ماجه كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها باب ما يقال فى التشهد والصلاة على النَّبِى صَلَى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ

لئے وہ میت پر دجال کے فتنہ سے بچنے کی دعا کر رہا ہے۔ یہ تو حضور ﷺ نے نماز کے آخر میں تعلیم فرمائی کہ زندوں کو دجال سے واسطہ پڑ سکتا ہے نہ کہ یہ جنازہ میں پڑھنے کی دعا ہے اور اگر آپ کہیں کہ اپنے لئے پڑھی ہے تو جناب جس کا جنازہ پڑھ رہے ہیں زیادہ مناسب ہے کہ اس کے حق میں جانے والی دعا کو ترجیح دیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هَذَا الدُّعَاءَ كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ يَقُولُ قُولُوا: اللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ۔[289]

حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ یہ دعا یوں کوشش سے تعلیم فرماتے جیسے کوئی قرآن کی سورت پوری اہمیت سے تعلیم فرماتے اور فرماتے کہ کہو: اے اللہ میں تجھ سے عذاب جہنم کی پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے عذاب قبر کی پناہ چاہتا ہوں اور تیری پناہ چاہتا ہوں میں دجال سے اور پناہ چاہتا ہوں زندگی اور موت کی آزمائشوں سے۔

یہاں عذاب قبر کا ثبوت بھی آگیا جس سے بچنے کے لئے بار بار اللہ کی پناہ کی تعلیم دی جا رہی ہے۔

عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلِّمْنِي دُعَاءً أَدْعُو بِهِ فِي صَلاَتِي، قَالَ قُلِ اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا، وَلاَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ، وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الغَفُورُ الرَّحِيمُ۔[290]

حضرت ابو بکر صدیق ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا جناب مجھے ایسی دعا تعلیم فرمائیں جسے میں نماز میں پڑھا کروں تو آپ نے فرمایا کہو: اے اللہ میں نے اپنے اوپر بہت ہی ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی نہیں جو میرے گناہوں کو بخشے پس مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما تو ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

نماز میں خاص دعاؤں کا محل یہی ہے جبکہ پہلے بھی مواقع گزر چکے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد پھر فاتحہ خود دعا ہے پھر رکوع و سجود وغیرہ مگر یہاں دعا کا خاص موقع ایک حدیث سے ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے صحابی نے دعا مانگی تو براہِ راست فوراً مانگنا شروع کرے پھر درود شریف پڑھے

[289] مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ باب ما یستعاذ منہ فی صلاۃ

[290] بخاری کتاب صفۃ الصلاۃباب الدعاء قبل السلام و مسلم کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفارباب استحباب خفض الصوت بالذکر

اور پھر جو مانگنا ہو مانگے اب چونکہ نمازی حمد و ثناء بھی کر چکا اور درود شریف بھی پڑھ چکا لہذا اب خاص موقع دعاء ہے۔

دونوں طرف سلام سے خاتمہءِ نماز:۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ، وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ۔ [291]

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز کی کنجی طہارت (وُضُو وغیرہ) ہے اور اس کی تحریمہ اللہ اکبر کہنا ہے اور نماز کی بندش کو کھولنے کا ذریعہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ ہے۔

یہ حدیث نماز سے قبل طہارت اور پھر تکبیرِ تحریمہ اور آخر نماز میں سلام پھیرنے کا واضح ثبوت ہے۔

2۔ عن سعد بن ابی وقاص ﷺ قال كُنْتُ أَرَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ، وَعَنْ يَسَارِهِ، حَتَّى أَرَى بَيَاضَ خَدِّهِ۔ [292]

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ دائیں بائیں سلام پھیرتے ہوئے اتنا رُخ مبارک پھیرتے کہ مَیں رخسار مبارک کی سفیدی دیکھ لیتا تھا۔

نماز کے اختتام پر سلام پھیرنے کے بعد دعاء:۔

انسان جس قدر مجبور اور مسائلِ زندگی میں گھرا رہتا ہے اُسی قدر اللہ کریم نے اس کو بار بار دعاء کا موقع فراہم کیا۔ جیسا کہ آپ نے پوری نماز میں ملاحظہ فرمایا کہ ہر حصّے میں دعا کی صورت موجود ہے اسی طرح نماز مکمل کر لینے اور سلام پھیرنے کے بعد بھی خاص دعا کا موقع بتایا گیا ہے اور دعا سے محروم بدبخت ہی رہ سکتا ہے۔ جس طرح گو نماز خود سراپا ذکرِ الٰہی ہے مگر بعد از نماز حضور ﷺ سے کئی اذکار منقول ہیں اسی طرح دعا بھی ہے۔

---

[291] الترمذی و ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب فرض الوضوء و ابن ماجہ کتاب الطہارۃ وسننہا بَاب مفتاح الصلاۃ الطہور

[292] مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ باب السلام للتحلیل من الصلاۃ عند فراغہا، وکیفیتہ

1۔ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، أَنَّ رَسُولَ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ بِيَدِهِ، وَقَالَ: يَا مُعَاذُ، وَاللهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ، وَاللهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ، فَقَالَ: سُوَرَةٌ أُوصِيكَ يَا مُعَاذُ لَا تَدَعَنَّ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ تَقُولُ: اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ، وَشُكْرِكَ، وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ[293]

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا معاذ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں تو میں نے بھی کہا یا رسول اللہ ﷺ میں بھی آپ سے محبت کرتا ہوں تو جناب نے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد اس دُعاء کو ہر گز نہ چھوڑنا۔ اے میرے رب اپنے ذکر کرنے، اپنا شکر بجالانے اور اچھی طرح عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔

2۔ عن ابی أُمامۃ ﷺ قال قِیل یا رسول اللہ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّم أَيُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ ۔ قَالَ: جَوْفَ اللَّيْلِ الآخِرِ، وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ المَكْتُوبَاتِ۔[294]

حضرت ابو امامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسی دُعاء زیادہ سنی (قبول)جاتی ہے ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا آخری رات کے درمیان اور فرضی نمازوں کے آخر میں۔ یعنی بعد میں۔

یہاں دُبر کا لفظ استعمال ہوا عربی محاورہ میں جب ایک کام مکمل اور ختم ہو جائے تو وہاں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جو ظاہر کرتا ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد حضور ﷺ نے خاص موقع دُعاء فرمایا۔

3۔ عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهِ اسْتَغْفَرَ ثَلَاثًا وَقَالَ: اللهمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔[295]

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہو کر مڑتے تو تین مرتبہ استغفر اللہ فرماتے اور پھر فرماتے اے اللہ تو ہی سلام (سالم و محفوظ از ہر بلا و مصیبت و عیب و نقص) ہے اور تیری ہی طرف سے ہر کسی کی سلامتی ہے تو برکت والا ہے اے بزرگی اور تعظیم و اکرام والے۔

اس روایت نے بالکل واضح کیا کہ نماز کے سلام کے بعد دُعا کرنا موقع دُعاء اور سنتِ نبوی ﷺ ہے۔

---

293 ابو داؤد باب فی الاستغفار و النسائی کتاب السہونوع آخر من الدعاء

294 الترمذی أبواب الدعوات عَن رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّم

295 مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلاة باب استحباب الذكر بعد الصلاة، وبیان صفة

4۔ عن مُغيرةِ ابن شُعبۃ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلاَةٍ إِذَا سَلَّمَ: لاَ إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ المُلْكُ، وَلَهُ الحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللَّهُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلاَ مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلاَ يَنْفَعُ ذَا الجَدِّ مِنْكَ الجَدُّ۔ [296]

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد پڑھتے تھے "سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں وہ اکیلا (رب) ہے اس کا (اقتدار میں) کوئی شریک نہیں اسی کے قبضہ میں حکومتِ کائنات ہے وہی حمد و ستائش کا مستحق ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ تو جس کو کچھ دے تو کوئی روکنے والا نہیں، اور اگر تو کسی کو کچھ نہ دے تو کوئی اس کو دے نہیں سکتا، اور کسی سرمایہ دار کو اس کا سرمایہ تیرے کرم کے بغیر کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ یعنی بڑے سے بڑا اصاحبِ جاہ و عظمت تیرے ہی کرم کا محتاج ہے۔

نماز کے بعد تسبیح پڑھنا:۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّحَ اللهَ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَحَمِدَ اللهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَكَبَّرَ اللهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، فَتْلِكَ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ، وَقَالَ: تَمَامَ الْمِائَةِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ [297]

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ تنتیس مرتبہ الحمد للہ اور تنتیس مرتبہ اللہ اکبر کی تسبیح کرے تو ننانوے 99 ہوئے اور فرمایا پھر اس کو سو پورا کر دے اس کلمہ سے لا الہ الّا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہٗ الملک ولہٗ الحمد وھو علی کلّ شیءٍ قدیرٌ تو اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اگرچہ سمندر کی جھاگ برابر ہی ہوں۔

---

296 البخاری تاب صفة الصلاة باب من لم یر رد السلام علی الإمام، واکتفی بتسلیم الصلاة و مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلاة باب استحباب الذکر بعد الصلاة، وبیان صفة

297 مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلاة باب استحباب الذکر بعد الصلاة، وبیان صفة

سلام پھیرنے کے بعد امام لوگوں کی طرف رخ کرے:۔

حضور ﷺ کا معمول پچھلی کئی احادیث سے ظاہر ہوا کہ آپ سلام پھیرنے کے بعد لوگوں کی طرف رخ فرمالیتے، لہذا امام قبلہ رُخ سلام کے بعد نہ بیٹھے بلکہ لوگوں کی طرف رخ کرلے۔ ایک صریح حدیث پیش خدمت ہے۔

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى صَلاَةً أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ[298]

حضرت سمرہ بن جندب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو ہماری طرف چہرہ مبارک پھیر لیتے تھے۔

سلام کے بعد امام دائیں یا بائیں دونوں طرف سے پھر سکتا ہے:۔

لاعلمی کی وجہ سے کچھ لوگوں کا یہ خیال کہ صرف دائیں طرف سے ہی پھرنا اور یہی سنت ہے یہ بات مطالعہ کی کمی کی وجہ سے ہے دائیں یا بائیں دونوں طرف سے پھرنا جائز اور سنت ہے کسی ایک طرف کو خاص کرنا مناسب نہیں۔ اس حوالے سے ایک روایت پیش خدمت ہے۔

عَنِ الأَسْوَدِ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: لاَ يَجْعَلْ أَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِنْ صَلاَتِهِ يَرَى أَنَّ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ لاَ يَنْصَرِفَ إِلَّا عَنْ يَمِينِهِ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيرًا يَنْصَرِفُ عَنْ يَسَارِهِ[299]

حضرت اسودؓ نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ بنائے کہ وہ یہ گمان کرے کہ مجھ پر صرف دائیں سے مڑ کر بیٹھنا ہی لازم ہے۔ میں نے بہت دفعہ نبی ﷺ کو بائیں سے مڑتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور بخاری نے حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت کیا کہ وہ دونوں طرف سے مڑتے تھے اور جو صرف دائیں طرف سے مڑنے پر اعتماد کرتا اس کو معیوب جانتے۔

---

298 بخاری کتاب الصلوۃ باب یستقبلُ الامامُ النّاسَ اذا سلّمَ

299 بخاری کتاب الصلوۃ باب الانتقال والانصراف عن الیمین والشمال وکام انس بن مالک یَنتَقل عن یمینہٖ وعن یسارہٖ ویُعِیبُ علی من یتوخّیی او مَن تعمّدَ الانتقالُ عن یمینِہٖ

سلام پھیرنے کے بعد صحابہ کرام کب کھڑے ہوتے:۔

أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَخْبَرَتْهَا: أَنَّ النِّسَاءَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ إِذَا سَلَّمْنَ مِنَ المَكْتُوبَةِ، قُمْنَ وَثَبَتَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ صَلَّى مِنَ الرِّجَالِ مَا شَاءَ اللهُ، فَإِذَا قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَامَ الرِّجَالُ۔[300]

ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کیساتھ شریک نماز سارے مرد بعد از نماز کے رہتے جتنی دیر اللہ چاہتا اور جب رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوتے تو تب تمام مرد بھی اٹھ جاتے۔

سلام کے فوراً بعد حضور ﷺ کا اٹھنا مگر پھر واپس آنا:۔

عَنْ عُقْبَةَ، قَالَ: صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ العَصْرَ، فَسَلَّمَ، ثُمَّ قَامَ مُسْرِعًا، فَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ إِلَى بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهِ، فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهِ، فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ، فَرَأَى أَنَّهُمْ عَجِبُوا مِنْ سُرْعَتِهِ، فَقَالَ: ذَكَرْتُ شَيْئًا مِنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا، فَكَرِهْتُ أَنْ يَحْبِسَنِي، فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهِ۔[301]

حضرت عقبہؓ سے روایت ہے کہ میں نے مدینہ شریف میں عصر کی نماز حضور ﷺ کے پیچھے پڑھی تو حضور ﷺ سلام پھیرتے ہی فوراً اٹھے اور تیزی سے لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتے ہوئے کسی بیوی کے حجرے میں تشریف لے گئے جبکہ لوگ آپ کی تیزی سے گھبرا گئے تو حضور ﷺ لوگوں کے پاس جب واپس تشریف لائے اور لوگوں کو متعجب پایا تو فرمایا کہ مجھ کو کچھ سونا پڑا یاد آیا آگیا تھے جو ہمارے پاس تھا تو میں نے نا پسند جانا کہ وہ مجھے یادِ خدا سے روکے تو میں نے جا کر اسے تقسیم کر دیا۔

اس روایت سے بالکل عیاں ہوا کہ سلام پھیرتے ہی اٹھ کر چلے جانا حضور ﷺ کا معمول مبارک ہرگز نہ تھا اور نہ صحابہ کی گھبراہٹ اور تعجب کی کوئی وجہ نہ تھی اور پھر حضور ﷺ واپس انہی صحابہ میں فوراً پلٹ آنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ سلام کے فوراً بعد نہ چلے جاتے اور جب مجبوری سے گئے تو فوراً واپس بھی آ گئے آخر کیوں؟ یہ ابھی ذکر کرتا ہوں۔ میں نے گزشتہ احادیث کو اس ترتیب سے جمع کیا

---

[300] بخاری کتاب صفۃ الصلاۃ انتظار الناس قیام الإمام العالم،نسائی کتاب السھوباب جلسۃ الإمام بین التسلیم والانصراف

[301] بخاری کتاب صفۃ الصلاۃ باب: من صلی بالناس، فذکر حاجۃ فتخطاہم،نسائی کتاب السھوباب الرخصۃ للامام فی تخطی رقاب الناس

جس سے سلام کے بعد کا پورا نقشہ ذہن میں آجائے اور آپ کے لئے یہ سمجھنا آسان ہوجائے کہ فرضوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا سنت سے ثابت ہے۔

فرضوں کے بعد اجتماعی دعا کا مسئلہ:۔

شاید کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ احناف فرضوں کا سلام پھیرنے کے بعد اجتماعی دعا کرتے ہیں یہ احادیث سے ثابت نہیں تو ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ پچھلی پیش کردہ احادیث سے حضور ﷺ کا سلام کے بعد لوگوں کی طرف منہ کرنا، ٹھہرنا، دعا کرنا، جب ثابت ہو گیا تو باقی کیا ثبوت چاہیئے۔ حضور ﷺ فوراً سلام کے بعد دائیں یا بائیں سے مڑ کر لوگوں کی طرف رخ کرتے ہیں اور پھر اس موقع پر آپ سے کئی چھوٹی بڑی دعائیں منقول ہیں اور یہ بھی روایت میں پیش کر چکا کہ جب تک حضور ﷺ بعد از نماز اٹھ کر چلے نہ جاتے صحابہ نہ اٹھتے تھے بلکہ آپ کے ساتھ ہی اٹھتے تھے اب یہ تصور کرنا کہ وہ صحابہ جو حضور ﷺ کی اتباع اور دعاؤں میں شرکت کی شدید خواہش رکھتے تھے ان سے کیسے ممکن ہے کہ حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک دعا کے لئے اٹھیں اور صحابہ شریکِ دعا نہ ہوں۔ ہاتھ اٹھانے کی روایت لانا چاہتا ہوں:۔

عن أَنَس بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: أَتَى رَجُلٌ أَعْرَابِيٌّ مِنْ أَهْلِ البَدْوِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الجُمُعَةِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، هَلَكَتِ المَاشِيَةُ، هَلَكَ العِيَالُ هَلَكَ النَّاسُ، فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ، يَدْعُو، وَرَفَعَ النَّاسُ أَيْدِيَهُمْ مَعَهُ يَدْعُونَ۔[302]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عین جمعہ کے وقت مسجدِ نبوی میں ایک شخص آیا اور بارش کے لئے دعاء کی التجا کی تو رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اور تمام لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔

اب یہ اصول واضح ہے کہ جو چیز ایک مرتبہ سنت سے ثابت ہو جائے اور اس کا کوئی مانع اور مُخصّص بھی موجود نہ ہو تو اس سے عام استدلال کرنا جائز ہے جب بارش کی دعا اجتماعی ہاتھ اٹھا کر مانگنا ثابت ہوئی تو بعد از نمازِ فرائض ممانعت کی کوئی ضعیف روایت ہی پیش کریں جس سے اجتماعی دعا یا ہاتھ اٹھانے کی ممانعت ثابت ہو سکے ورنہ یہ کہنا آپ کا غلط ہے کہ صرف نمازِ استسقاء کے بعد ہی

---

[302] بخاری کتاب الاستسقاء باب رفع الناس أيديهم مع الإمام فی الاستسقاء ،السنن الکبریٰ للبیہقی ایضا

اجتماعی دعا ہاتھ اٹھا کر مانگنا ثابت ہے کیونکہ جو روایت میں نے پیش کی یہ جمعہ کا موقع ہے، مسجدِ نبوی ہے نماز استسقاء نہیں ہے صرف بغیر نماز استسقاء کے صرف دعا اجتماعی ہاتھ اٹھا کر مانگی گئی۔ مزید احادیث پیش کرتا ہوں۔

مسلم شریف میں ایک طویل حدیث ہے جسے عبد اللہ بن عمرو بن عاص روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے امت کے بارے میں دعا فرمائی تو پہلے ابراہیم علیہ السلام، پھر عیسیٰ علیہ السلام کے دعائیہ کلمات پڑھے پھر رونے لگے اور اُمّتی اُمّتی فرمانے لگے۔ جبرائیلؑ نے پیغامِ خداوندی ان لفظوں میں بیان کیا۔

إِنَّا سَنُرْضِيكَ فِي أُمَّتِكَ، وَلَا نَسُوءُكَ۔[303]

کہ اے حبیب ہم آپ کو امت کے بارے میں عنقریب راضی کریں گے اس بارے پریشان نہیں ہونے دیں گے یہاں حضور ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی ہے۔

اہل حدیث کی غلط فہمی:۔

اہل حدیث بھائیوں کو ہاتھ اٹھانے کے بارے میں جس حدیث سے غلط فہمی ہوئی وہ بخاری (جلد 1) ابواب الاستسقاء باب رفع الامام یدہ فی الاستسقاء کی حدیث ہے جس کا مطلب وہ یہ سمجھے کہ شاید سوائے استسقاء کے کسی دعا کے لئے حضور ﷺ ہاتھ بلند نہ کرتے تھے جبکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنا زیادہ استسقاء کے لئے ہاتھ اوپر لے جاتے اتنا باقی دعاؤں میں ہاتھوں کو زیادہ اوپر نہ لے جاتے تھے۔

وہ روایت جو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے:۔

عَنْ سَلْمَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ رَبَّكُمْ تَبَارَكَ وَتَعَالَى حَيِيٌّ كَرِيمٌ، يَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهِ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ، أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا۔[304]

---

[303] مسلم كتاب الإيمان باب دعاء النبى صلى الله عليه وسلم لأمته وبكاۂ شفقة عليهم

[304] ابوداؤد كتاب سجود القرآن أبواب فضائل القرآن باب الدعاء،ترمذی أبواب الدعوات عَن رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسَلَّم

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے "بے شک تمہارا رب بہت حیا والا اور کرم فرما ہے جب کوئی اس کا بندہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے تو اس کو حیا آتا ہے کہ وہ اٹھے ہاتھوں کو خالی واپس کرے۔

اب ظاہر ہوا کہ ہاتھ اٹھانا دعا کی قبولیت کا ذریعہ ہے اب بھی اگر ہاتھ اٹھانے سے آپ شرماتے ہیں تو میں کیا سوچوں کہ اس لئے ہاتھ نہیں اٹھاتے کہ خدا کو شرمندہ نہ ہونا پڑے یا اس لئے کہ شرما کر کچھ عطاء کرنہ دے۔

دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے پر دوسری روایت:۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ سُمِعَ عِنْدَ وَجْهِهِ كَدَوِيِّ النَّحْلِ فَأُنْزِلَ عَلَيْهِ يَوْمًا فَمَكَثْنَا سَاعَةً فَسُرِّيَ عَنْهُ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ: اللَّهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا۔۔۔۔ الخ۔[305]

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ پر جب بھی وحی نازل ہوتی تو شہد کی مکھیوں جیسی بھنبھناہٹ آپ کے چہرہ کے پاس سنائی دیتی ایسے عالم میں حضور ﷺ قبلہ رخ ہوئے اور دونوں ہاتھ بلند کرکے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کو ہمارے لئے اور زیادہ فرما کم نہ فرما۔

تیسری روایت:۔

عَنْ مَالِكِ بْنِ يَسَارٍ السَّكُونِيِّ ثُمَّ الْعَوْفِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا سَأَلْتُمُ اللهَ فَاسْأَلُوهُ بِبُطُونِ أَكُفِّكُمْ، وَلَا تَسْأَلُوهُ بِظُهُورِهَا۔[306]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تم سیدھے ہاتھوں سے یعنی ہتھیلیوں کا اندرون سامنے کرکے دعا کیا کرو ہاتھوں کی پشتوں سے الٹے ہاتھ دعا نہ کیا کرو جب دعا کر چکو تو دونوں ہاتھوں کو اپنے چہروں پر پھیر لیا کرو۔

---

[305] ترمذی(تابع: أبواب تفسير القرآن، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ،مصنف عبد الرزاق،المستدرک،الدعوات الكبير،مسند البزار،مسند احمد

[306] ابوداؤد كتاب سجود القرآن أبواب فضائل القرآن باب الدعاء

چوتھی روایت:۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا دَعَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ، مَسَحَ وَجْهَهُ بِيَدَيْهِ۔ [307]

حضرت سائب بن یزیدؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ جب بھی دعا فرماتے تو ہاتھ بلند فرماتے اور پھر آخر میں دونوں ہاتھ چہرہ پر پھیر لیتے۔

چونکہ حدیث میں لفظ کان استعمال ہوا جو استمرارِ عمل کا تقاضا کرتے ہے اس لئے ترجمہ معمول مبارک سے کیا۔ اب تو کوئی شک نہیں ہونا چاہیئے کہ حضور ﷺ نماز کے بعد دعا ہاتھ اٹھا کر کرتے تھے آپ کو اگر اب بھی شک ہے تو ہاتھ نہ اٹھانے پر ضعیف روایت ہی پیش کر دیں۔

نوٹ:۔ یعنی حضور ﷺ کی کئی احادیث سے ثابت ہے کہ آپ دعا کے لئے ہاتھ بلند فرماتے مگر جب بارش کے لئے دعا کرتے تو ہاتھوں کو عام معمول سے زیادہ اتنا بلند کرتے کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی۔اب مختلف روایات میں تعارض نہ رہا۔

دعا کا باقاعدہ طریقہ سنت سے:۔

اکثر آئمہ مساجد کو دیکھا گیا وہ درود شریف سے دعا مانگنا شروع کرتے ہیں وہ اس حدیث سے سبق لیں۔

عن فُضالةَ بن عُبيدٍ قال سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَدْعُو فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَجِلَ هَذَا، ثُمَّ دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ: إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَحْمِيدِ اللهِ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ، ثُمَّ لْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ لْيَدْعُ بَعْدُ بِمَا شَاءَ۔ [308]

حضرت فضالہ بن عبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو سنا کہ وہ نماز کے موقع پر دعا مانگ رہا ہے مگر نہ اس نے دعا سے قبل حمد کی اور نہ نبی ﷺ پر درود پڑھا تو رسول اللہ ﷺ نے

---

[307] ابوداؤد کتاب سجود القرآن أبواب فضائل القرآن باب الدعاء

[308] الترمذی أبواب الدعوات عَن رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسَلَّم

فرمایا کہ اس نے جلدی کی ہے پھر اسی کو بلایا یا کسی دوسرے کو بلا کر تعلیم دی کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ لے تو دعا کرنا چاہے تو پہلے اللہ کی حمد بیان کرے پھر نبی ﷺ پر درود پڑھے اور پھر جو چاہے دعا مانگے۔

دعا کو اٰمین پر ختم کرے:۔

لا علمی کی وجہ سے کچھ آئمہ مساجد دعا کو اجمعین پر ختم کر دیتے ہیں جبکہ دعا کے آخر میں لفظِ اٰمین ضرور کہنا چاہیئے جس کا مطلب ہے اے اللہ میں نے جو دعا مانگی اس کو قبول فرمالے حدیث کی تعلیم بھی ہے۔

عن أبی زُهیرالنّمیری قال خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَأَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ قَدْ أَلَحَّ فِي الْمَسْأَلَةِ، فَوَقَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَسْتَمِعُ مِنْهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوْجَبَ إِنْ خَتَمَ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: بِأَيِّ شَيْءٍ يَخْتِمُ؟ قَالَ: بِآمِينَ، فَإِنَّهُ إِنْ خَتَمَ بِآمِينَ فَقَدْ أَوْجَبَ۔ [309]

ابو زُہیر نمیریؓ سے روایت ہے کہ ہم کسی رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تو ایک آدمی اِلحاح سے دعا کر رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ سن کر رک گئے اور فرمایا اس نے قبولیت لازم کروالی اگر یہ ختم ٹھیک کر دے۔قوم کے کسی فرد نے پوچھا جناب کیسے ختم کرے تو آپ ﷺ نے فرمایا اٰمین پر ختم کرے تو قبولیت لازم ہو گی۔

فرضوں کے بعد دعا سے بھاگ کر غضبِ خداوندی کو دعوت نہ دیں:۔

1۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّهُ مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ۔ [310]

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔

2۔ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ۔ [311]

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ دعا عبادت ہے۔

---

[309] سنن ابی داود كتاب الصلاة تفريع أبواب العمل فی الصلاة باب التأمين وراء الإمام

[310] الترمذی أبواب الدعوات عَن رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّم

[311] ابو داؤد كتاب سجود القرآن جماع أبواب فضائل القرآن باب الدعاء

تو عبادت سے بھاگ کر اللہ تعالیٰ کے غیض و غضب کو دعوت کیوں دی جائے۔ جن علماء نے لکھا کہ نماز کے بعد دعا کا ثبوت نہیں یا بدعت ہے اس سے فرضوں کے سلام پھیرنے کے فوراً بعد والی دعا نہیں بلکہ اس سے مراد پوری نماز یعنی سنن و نوافل وغیرہ پڑھنے کے بعد والی اختتامی دعا ہے جس کا ثبوت سنت میں اس لئے نہیں کہ حضور ﷺ فرائض کے بعد گھر تشریف لے جاتے اور باقی سنن وہاں پڑھتے تو اجتماعی اختتامی دعا کو کیسے سنت سے ثابت کیا جائے۔ ہاں یہ لوگوں کا رواج ضرور ہے مگر علماء اس سے با خبر ہیں۔ حضور ضیاء الامت پیر کرم شاہ صاحب الازھریؒ کے معمول میں آخری اجتماعی دعا نہ تھی آپ اکثر فرائض کے بعد اجتماعی دعا کے بعد تشریف لے جاتے اور بقیہ سنن و نوافل کمرے ہی میں ادا فرماتے اور یہی سنتِ نبوی ہے۔ جہاں پوری نماز کے بعد اجتماعی دعا کرنا سنت نہیں وہاں پوری نماز لازماً مسجد ہی میں ادا کرنا بھی سنت نہیں۔ ہاں آج رواج ضرور ہے کہ پوری نماز مسجد ہی میں ادا کی جاتی ہے بہتر اور موافقِ سنت سے تو یہ معلوم ہوا کہ کبھی کبھی اگر پوری نماز مسجد میں ہو تو کوئی حرج نہیں لیکن زیادہ معمول فرضوں کے بعد باقی نماز کا گھر میں پڑھنے کا بنایا جائے۔

دعا پر اختتامی کلمات:۔

جب احادیث سے فرضوں کے بعد دعا ثابت ہے، حضور ﷺ کا صحابہ کی طرف رخ کر کے دعا ثابت ہے، ٹھہرنا بھی ثابت ہے، اسی موقع پر دعا کو مستجاب بھی حدیث میں کہا گیا اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کو باعثِ قبولیت بھی بتایا گیا ہاتھ اٹھانے کی روایات بھی پیش کیں جبکہ آپ کے پاس کوئی ایک روایت بھی نہیں جس سے دعا نہ کرنا ثابت ہو تو پھر آپ اپنی رائے پر رہ کر ہی چلیں۔ ہم تو گمان بھی نہیں کر سکتے کہ صحابہ بھی دعائے رسول ﷺ کے طالب ہوں اور رسول ﷺ بھی دعائیں دینے کے لئے بے تاب ہوں۔ نماز پڑھ کر بیٹھے بھی دعا کے لئے ہوں پھر دعا نہ کرنے اور عمل کر نہ کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ قرآن مجید سے اپنے احناف بھائیوں کی تسلی کے لئے آیات پیش ہیں۔

1۔ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ۔[312]

وہ مال اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب و خوشنودی اور رسول اللہ ﷺ کی دعائیں لیں۔

[312] التوبہ ۔99

گویا صحابہ دعائے رسول ﷺ کے شدید طالب تھے۔

2۔ دوسری آیت یوں ہے۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ [313]

اے حبیب ان صحابہ کے لئے دعا کریں اس لئے کہ آپ کی دعا بے شک ان کے لئے باعثِ تسکینِ جان ہے۔

جب صحابہ بھی دعا کے طالب، حضور ﷺ کو بھی دعائیں دینے کا حکمِ ربانی، تو اب نماز کے بعد صحابہ و رسول ﷺ اگر یہ کام مل کر یعنی اجتماعی دعا کرتے ہیں تو رکاوٹ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم و ادراک دے تو افسوس ہے ان لوگوں کے فکر و تدبر اور حدیث فہمی پر جنہوں نے اجتماعی دعا کو بدعت ہی کہہ دیا اس لئے کہ صلوٰۃ استسقاء کے بعد تو آپ بھی اجتماعی دعا بارش کے لئے حدیث سے تسلیم کرتے ہیں تو جو عمل ایک موقع پر حدیث سے ثابت ہو گیا عین وہی عمل بدعت بلا دلیل کیسے بن گیا۔ ہاں بات سمجھ آتی ہے کہ امام کی تقلید کی شاگردی تسلیم کرنے سے تکبر کرتے ہوں تو متکبرین کو اتنی پریشانی ضرور ہونی چاہیئے اور دعاؤں کی سعادت سے محرومی بھی ہونی چاہیئے۔ دعا سے محرومی در حقیقت فضلِ خداوندی کے حصول سے محرومی ہے۔

حضور ﷺ کے خادمِ خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ انقطہ نظر:۔

یہاں ایک ایسی روایت پیش کر رہا ہوں جس سے کئی معاملات و مسائل پر رہنمائی لی جا سکتی ہے۔ حضور ﷺ کے خادمِ خاص جناب انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مغرب کی نماز سے پہلے دو نوافل پڑھتے تھے جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا حضور ﷺ نے ان کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ تو فرمایا کہ حضور ﷺ نے نہ تو اِن کے پڑھنے کا حکم دیا ہے اور نہ ہی ہمیں پڑھتے دیکھ کر منع فرمایا ہے۔ اسے روایت کیا مسلم نے کتاب الصلوٰۃ میں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ جب تک حضور ﷺ کسی بات کا حکم نہ فرمائیں تو از خود وہ لازم نہیں ہو جاتی اور جب تک آقائے دو عالم ﷺ منع نہ فرمائیں۔ تو علامہ ابن تیمیہ کے بدعت کہنے سے منع بھی نہیں ہو جاتی۔ علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی طرف یہ بات منسوب کرنا خیانت

---

[313] التوبۃ - 103

ہے۔ حافظ عمران ایوب لاہوری نے اپنی تالیف "نماز کی کتاب "ص نمبر 171 پر یہ دعویٰ کیا جو بے بنیاد ہے اس لئے کہ وہ بات کر رہے ہیں فرضوں کے فوراًبعد اجتماعی دعا کی اور انور شاہ صاحب جو بات کر رہے ہیں وہ پوری نماز کے اختتام پر اجتماعی دعا کی بات کر رہے ہیں لہذا کشمیری شاہ صاحب مرحوم کا غلط حوالہ دیا گیا۔ عین ممکن ہے کہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیمؒ کی مراد بھی اسی آخری اجتماعی دعا سے ہو کیونکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ فرضوں کے بعد مطلق دعا حضور ﷺ سے تواتر سے ثابت ہے تو اس پر علامہ ابن تیمیہ یا علامہ ابن قیمؒ جرح کیسے کریں۔ انور شاہ صاحب تو ساری زندگی فرضوں کے فوراًبعد اجتماعی دعا کرتے تھے۔

کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکا کر نماز پڑھنا:۔

کپڑا لٹکانے کی جملہ روایات کو ریاض الصالحین حصہ اول میں جمع کر دیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کپڑا لٹکانے میں تکبر کی شرط ہے اگر تکبر کی نیت نہ ہو تو حرج نہیں کہ اسی جگہ ریاض الصالحین میں روایت ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے گزارش کی جناب کپڑا تو میرا بھی لٹک جاتا ہے تو حضور ﷺ نے ان کو فرمایا کہ تیرا کپڑا لٹکانا مراد نہیں کیونکہ تو تکبر کے ارادے سے نہیں لٹکاتا۔ عورتوں کو بھی کپڑا لٹکانے کی پردہ داری کی غرض سے اجازت ہے نہ کہ تکبر کے لئے۔ کپڑا ٹخنوں اور نصف پنڈلی کے درمیان کسی جگہ بھی ہو ٹھیک ہے یہ صرف نماز کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ ہمہ وقت تکبر سے لٹکانا ممنوع ہے البتہ نماز میں خاص خیال رکھا جائے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں اس کی نماز قبول نہیں ہوتی جو تکبر سے کپڑا لٹکائے اور جس حدیث میں مطلق کپڑا لٹکانے کی بات ہے وہاں بھی تکبر ہی وجہ ممانعت ہے کہ دیگر روایات میں تکبر کا ذکر موجود ہے اور پھر صرف تکبر سے کپڑا یعنی شلوار لٹکانا ہی ممنوع نہیں بلکہ قمیض، عمامہ، آستین اور کوئی اوپر کی ہوئی چادر یا تکبر سے لمبے بال چھوڑنا ان تمام کا ایک ہی حکم ہے کہ علت تکبر ہے جو سب میں مشترک ہے اور ریاض الصالحین حصہ اول میں باب بھی انہی الفاظ سے ہے کہ اِسبال القمیص والازارِ والعمامہ۔

نماز میں جلسۂ استراحت:۔

جلسۂ استراحت سے مراد یہ ہے کہ سجود سے رکعت کی طرف اٹھتے ہوئے کچھ معمولی دیر بیٹھے اور پھر اٹھے۔ اہل حدیث بھائیوں کا مسئلہ دراصل یہ ہے کہ ایک چیز کو ایک حدیث میں دیکھتے ہیں اور پھر بغیر سوچے اس کو عام کر دیتے ہیں حالانکہ وہ چیز عام نہیں ہوتی۔ اگر احادیث سے ایسی کوئی چیز واضح طور پر ثابت ہوتی تو کیا وجہ ہے کہ صرف حنفی ہی نہیں بلکہ مالکی اور حنبلی بھی جلسۂ استراحت کو سنت قرار نہیں دیتے۔

جہاں تک احباب کے دلائل کا تعلق ہے انتہائی کمزور ہیں۔ ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ حضرت مالک بن حویرث سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

﴿فَإِذَا كَانَ فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا﴾[314]

یعنی وتروں میں پہلے بیٹھے اور پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔

توجناب یہاں ٹھہرے رہنے کی کوئی بات نہیں ایک تو یہ وتروں کی بات ہے، رات کی نماز کی بات ہے جب انسان پر نیند کا اثر ہوتا ہے اور عمومی طور پر بدن سست پڑ جاتا ہے، پھر حضور ﷺ کو بڑھاپا بھی ہے اور یہ حضور ﷺ کے اٹھنے کا سلیقہ تو ہو سکتا ہے مگر باقاعدہ سنت اس لئے نہیں کہ نہ اس کو آپ نے بیان کیا اور نہ کبھی صحابہ نے اس کو بیان کیا جو مالک بن حویرث اس عمل کی بات کرتے ہیں بخاری نے انہی کے بارے میں روایت دی۔ کتاب الاذان میں "وَكَانَ شَيْخًا، يَجْلِسُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ، قَبْلَ أَنْ يَنْهَضَ فِي الرَّكْعَةِ الأُولَى -

کہ بوڑھا جب اٹھتا تو اٹھنے سے پہلے بیٹھتا اور پھر اٹھتا تو بوڑھا آدمی بڑھاپے کی وجہ سے ظاہر ہے جوانوں کی طرح نہیں اٹھ سکتا۔ مگر مالک بن حویرث نے یہاں اپنا عمل تو دکھایا مگر قول نہ دیا۔ اگر صرف عمل کو دیکھ کر ہی فیصلہ کرنا ہے تو حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ تشہد میں بیٹھتے ہوئے دایاں پاؤں کھڑا رکھتے اور بائیں پاؤں پر بیٹھ جاتے، مگر جب گھوڑے سے گرے تو ان دنوں عذر کی وجہ سے بیٹھ کر بھی نماز پڑھائی اور دونوں قدم مبارک ایک طرف نکال کر چوتڑوں کے سہارے بیٹھے اب "صلّوا کما رأیتمونی

---

[314] بخاری کتاب صفۃ الصلاۃباب من استوی قاعدا فی وتر من صلاتہ، ثم نہض

اُصلّی" پر اگر عمل کریں کہ جو دیکھا وہی کرنا ہے تو نماز کیا ہمیشہ بیٹھ کر ہی پڑھیں اور کیا ہمیشہ پاؤں کو ایک طرف نکال کر ہی بیٹھیں کہ حکم ہے کہ میری طرح نماز پڑھو۔ ایک خاص عمل ایک خاص وجہ اور خاص موقع پر جو ہوتا ہے وہ عام نہیں ہوتا۔

لہٰذا جلسۂ استراحت کوئی باقاعدہ سنت نہیں ہاں اگر کوئی بوڑھا سیدھا کھڑا نہیں ہو سکتا تو وہ آج بھی جیسے آسانی سے اٹھ سکے، اٹھے کہ دین نے آسانیاں دے رکھی ہیں اور معذور کو ہر طرح رخصت ہے۔ جس مالک بن حویرث سے جلسۂ استراحت ثابت ہے خود اُس کی نماز پر اعتراض ہے کہ وہ نماز میں ایک ایسا عمل کرتے تھے جو باقی کوئی نمازی نہ کرتا تھا وہ خود تفرد کا شکار تھے نہ کہ باقی سب غلط نماز پڑھتے تھے ملاحظہ فرمائیں بخاری ج 1 کتاب الصلوٰۃ باب المکث بین مسجدتین (قال ایوب کان یَفعل شیئًا لم اَرَهم یَفعلُونہ) ایوب نے کہا کہ مالک بن حویرث نماز میں وہ کام کرتے تھے جو ہم نے کسی اور کو کرتے نہیں دیکھا۔

مقتدی امام سے پیچھے رہے آگے نہ جائے:۔

عن براء بن عازب ﷺ قال كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ، حَتَّى يَقَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا، ثُمَّ نَقَعُ سُجُودًا بَعْدَهُ۔ [315]

حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سمع اللہ لمن حمدہ فرمالیتے اور بعد ازاں آپ سجدہ میں تشریف لے جاتے تو ہم میں سے کوئی اپنی پیٹھ سجدہ جانے کے لئے نہ جھکاتا جب تک آپ ﷺ سجدہ میں نہ چلے جاتے پھر بعد میں ہم سجدہ میں جاتے۔

مقتدی امام سے پہلے سر سجدہ سے نہ اٹھائے:۔

عن ابی ہریرۃ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَمَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ أَوْ لاَ يَخْشَى أَحَدُكُمْ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الإِمَامِ، أَنْ يَجْعَلَ اللهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ، أَوْ يَجْعَلَ اللهُ صُورَتَهُ صُورَةَ حِمَارٍ۔ [316]

---

[315] بخاری کتاب الاذان باب متی یسجد من خلف الامام

[316] بخاری کتاب الاذان باب اِثم ِمَن رفع رأسہٗ قبل الامام

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم میں کوئی ایک اس بات سے نہیں ڈرتا کہ وہ امام سے پہلے سر اٹھائے تو اللہ اس کے سر کو گدھے جیسا بنادے یا اس کی صورت گدھے کی سی بنادے۔

امام بخاریؒ کا بلا حوالہ قول:۔

امام بخاریؒ کبھی کبھی باب کے شروع میں اپنی طرف سے رائے دے جاتے ہیں جس کی کوئی سند ذکر نہیں کرتے اور اس کا کوئی موقع و محل بھی ذکر نہیں کرتے اور اسی باب کے تحت ایسی کوئی روایت بھی نہیں لاتے جو ان کے ترجمۃُ الباب کی تائید کرے۔ جب تک وہ سند ذکر نہ کریں تو یہ ان کا ذاتی قول اور رائے ہے ہم ان کی ذاتی رائے اور اقوال کے ہر گز پابند نہیں ہاں اہل حدیث بھائیوں کو یہیں سے مُغالطہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی بے وقوف بناتے ہوئے کہتے ہیں جی بخاری میں یوں لکھا ہوا ہے۔ کیا کتاب بخاری سب قرآن کی طرح ہے کہ اس کے اندر لکھا ہوا ہر حرف ہی تسلیم کر لیا جائے؟ ہر گز نہیں ملاحظہ ہو ایسی ہی ایک عبارت۔

''اِمامةُ العبدِ والمولٰی وَكَانَتْ عَائِشَةُ: يَؤُمُّهَا عَبْدُهَا ذَكْوَانُ مِنَ الْمُصْحَفِ وَوَلَدِ الْبَغِيِّ وَالأَعْرَابِيِّ، وَالغُلاَمِ الَّذِی لَمْ يَحْتَلِمْ سُوْرَةٌ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَؤُمُّهُمْ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ ولا يمنع العبدُ من الجماعة بغيرِ علّةٍ''۔

یہ پوری عبارت بغیر کسی سند کے انھوں نے کتاب الاذان میں ترجمۃ الباب کے طور پر ذکر دی اور اس سے مندرجہ ذیل مسائل ظاہر کیے۔ غلام امامت کرواسکتا ہے اگر چہ ابھی نابالغ ہی کیوں نہ ہو۔ سیدہ عائشہؓ کو ایک غلام ہاتھ میں قرآن لیکر امامت کرواتا تھا اور ولد الزنا بھی اور دیہاتی گنوار بھی امامت کرا سکتا ہے وغیرہ وغیرہ شکر ہے امام بخاریؒ نے یہ نہیں لکھ دیا کہ مسجد میں پیشاب کرنا جائز ہے کیونکہ ایک صحابی دیہاتی گنوار نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا اور شکر ہے یہ نہیں کہا کہ ننگے نماز پڑھنا پڑھانا جائز ہے کہ ایک بچہ نماز پڑھاتا تھا اور جب سجدے میں جاتا تو اس کے چوتڑے ننگے ہو جاتے تھے ۔ یہ سب باتیں احادیث میں ہی تو موجود ہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ اس عمل کا محل کیا ہے وجہ کیا ہے اور کب ایسا ہوا۔ ایک خاص وجہ اور خاص موقع و محل کی بات کو عام لینا کونسی دانش مندی ہے۔ عذر کی وجہ سے دوران جنگ نماز کھڑے کھڑے یا سواری پر چلتے پھرتے یا بغیر قبلہ منہ کیے پڑھی جاتی ہے کیا اس کو عام حکم تسلیم کر لیا جائے۔

امام بخاریؒ بھی یہی کررہے ہیں۔ سیدہ عائشہؓ عام طور پر مسجد میں شریکِ جماعت ہوتیں۔ کسی وقت مجبوری سے اگر کوئی غلام قرآن ہاتھ میں لیکر امامت کروا بھی دے تو اس کو مجبوری اور عذر پر ہی محمول کیا جائے گا۔ اور اگر اس کو عام کر دیا کہ نادان بچےؒ بلاوجہ نماز کی امامت کر سکتے ہیں تو نماز بچوں کا کھیل بن کر رہ جائے گا۔ جبکہ حضور ﷺ نے اِجعلوا ائمکم خیرکم" اپنے میں بہترین آدمی کو امام بناؤ۔ تو جناب اگر آپ کے بچے آپ سے زیادہ دانا اور اچھے ہیں اور آپ بالکل بے وقوف ہیں تو ضرور بچوں کو امام بنالیں۔

امام بخاریؒ کی دوسری غلط فہمی:۔

امام بخاریؒ کو ایک روایت ملی کہ حضرت معاذ بن جبلؓ حضور ﷺ کے ساتھ نمازِ عشاء پڑھ لیتے پھر جا کر اپنی قوم کی اسی نماز میں امامت بھی کرتے لہٰذا ثابت ہوا کہ نفل پڑھنے والے امام کے پیچھے فرض پڑھے جا سکتے ہیں۔ اس روایت کے ہمارے علماء نے کئی جواب دیئے اور اس روایت کو امام بخاریؒ بار بار لاتے ہیں۔ حالانکہ نہ یہ ذکر ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو ایسا کرنے کے لئے فرمایا تھا اور نہ یہ ذکر ہے کہ جو نماز حضور ﷺ کے ساتھ پڑھتے تھے کیا وہ نفل کی نیت سے یا فرض کی نیت سے پڑھتے تھے۔ جو بھی ہو یہ حضور ﷺ کا کوئی قول فعل اور تقریر نہیں بلکہ صحابی کی اپنی ذاتی غلطی ہے جس کو امام بخاریؒ لے اُڑے۔ اب سنئے اسی معاذؓ کے اس عمل کی شکایت حضور ﷺ سے جب کی گئی تو حضور ﷺ نے کیا فرمایا ملاحظہ ہو۔

عن سلیم سلمی ﷺ انّه أَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ يَأْتِينَا بَعْدَ مَا نَنَامُ، وَنَكُونُ فِي أَعْمَالِنَا بِالنَّهَارِ، فَيُنَادِي بِالصَّلَاةِ، فَنَخْرُجُ إِلَيْهِ فَيُطَوِّلُ عَلَيْنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ، لَا تَكُنْ فَتَّانًا، إِمَّا أَنْ تُصَلِّيَ مَعِي، وَإِمَّا أَنْ تُخَفِّفَ عَلَى قَوْمِكَ۔ [317]

حضرت سلیم سلمیؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی جناب معاذ بن جبلؓ ہمارے پاس اس وقت آتے ہیں جب ہم سو چکے ہوتے ہیں کیونکہ دن بھر کام میں لگے رہتے ہیں تو جلدی سوتے ہیں یہ آکر اذان دیتے ہیں پھر بہت لمبی نماز پڑھاتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا اے معاذؓ فتنہ باز نہ بنو یا صرف میرے ساتھ نماز پڑھو یا پھر صرف قوم کو نماز پڑھاؤ مگر ہلکی نماز پڑھاؤ۔

---

[317] مسند احمد بن حنبل ؒ ،صحیح ابن خزیمہ،شرح معانی الآثار

اب امام احمد بن حنبلؒ کی اس روایت نے امام بخاریؒ کی روایت کی حقیقت دو طرح سے کھول دی ایک تو اس طرح کہ یہ معاذ کا اپنا عمل تھا جس کو حضور ﷺ نے صاف لفظوں میں غلط قرار دیا اور معاذ کو فتنہ باز بننے سے روک دیا لیکن ہمارے آج کے اسی فتنہ باز کو کون روکے کہ پھر بھی نفل والے کے پیچھے فرضوں کی جماعت کو جائز قرار دیتا ہے۔ جب معاذ بن جبل کو حضور ﷺ نے صاف صاف بتادیا کہ یا صرف میرے ساتھ نماز پڑھ یا پھر قوم کو ہلکی نماز پڑھا یعنی دو مرتبہ پڑھانے سے صاف منع فرمایا۔ اور معاذ کے عمل کو غلط قرار دیا اسی غلط عمل سے امام بخاری استدلال کرتا ہے پھر بخاری کا استدلال غلط نہیں تو اور کیا ہے؟۔

اس روایت نے بخاریؒ کی آنکھ یوں بھی کھول دی کہ معاذ نماز عشاء کے بعد قوم کو فرض نماز پڑھاتے ہی نہ تھے نفل پڑھاتے تھے کیونکہ روایت پر غور کریں یہ صراحت موجود ہے کہ ہم دن بھر کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے تھکے ہارے ہوتے ہیں ہم سوجاتے ہیں تو یہ آکر اذان دیتا ہے تو جناب جو قوم سو گئی تھی یہ فرض نماز پڑھے بغیر سوتی تھی؟ ایسا نہیں بلکہ وہ قوم اوّل وقتِ عشاء میں نماز پڑھ کر سوجاتے معاذؓ بعد میں جا کر اذان دیتے اور نفل نماز پڑھاتے تھے جس سے حضور ﷺ نے واضح منع کر دیا مگر حیرت ہے امام بخاریؒ پر کہ اس روایت سے لاعلمی کی وجہ سے معاذؓ کی روایت کو بار بار بخاری میں پیش کرتے ہیں اور امام کی تقلید سے محروم لوگوں کو پریشان کر رہے ہیں۔ یہ زیادتی امام بخاریؒ کی نہیں دراصل یہ کمزوری انہی لوگوں کی ہے جن کے ہاتھ میں کسی مُعتبر امام کا دامن نہیں۔

نماز اور مسائلِ نماز میں اختلافات کی نوعیت:۔

شروع نماز سے آخرِ نماز تک جن اختلافات سے آپ گزرے یقین کر لیں کہ ان تمام مسائل میں کوئی ایسا اختلاف ہر گز نہیں کہ جس کی بنیاد پر کسی کو بے دین یا کافر جیسے غلیظ الفاظ کا استعمال تو کیا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ میں نے نمازِ حنفی اور اہلِ حدیث کی نماز کا بغور جائزہ لیا دونوں کا فرائض و واجبات پر نقطہ نظر ایک ہے ہاں اتنا فرق ہو سکتا ہے کہ ایک واجب کہے اور دوسرا اس کو سنت کہہ دے یا ایک فرض بتائے اور دوسرا واجب کا لفظ استعمال کرے دونوں کی نماز میں کوئی خاص ایسا اختلاف نہیں کہ ایک دوسرے کی نماز کو فاسد قرار دیتے ہوں مثلاً ایک رفع یدین نہیں کرتا دوسرا کرتا ہے تو دونوں اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جیسے رفع یدین کرنے سے نماز پر فرق نہیں پڑتا ایسے ہی رفع یدین نہ

کرنے سے بھی فرق نہیں پڑتا ان کا زیادہ تر اختلاف افضل وغیرافضل، اَولیٰ اور خلاف اَولیٰ کا ہے لہٰذا اختلاف کی شدت کو کم کرنے کی پالیسی اختیار کی جائے اور باہم ایک دوسرے کے بارے میں حسنِ ظن سے کام لیں تا کہ اختلافِ رائے صرف اختلافِ رائے ہی رہے، مخالفت وفساد تک بات نہ جائے اور اُمت کے تصورِ وحدت کو نقصان نہ پہنچے۔ ہمارے مسائل میں ہزاروں اختلافات سہی مگر ہمیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ ہمارا رب ایک، قرآن ایک، دین اسلام ایک، قبلہ وکعبہ ایک اور احادیث کی کتب ایک، کلمہ ایک، وطن اور قوم ایک ہے ہمیں ان باہم مشترکات کو ہمیشہ نظر میں رکھنا چاہیئے اور امت کے ہر فرد کو اس سے بھی بخوبی آگاہ اور ہوشیار رہنا چاہیئے کہ اسلام دشمن قوتیں ہم کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے لہٰذا ہمیں اپنی صفوں میں اختلافات کو ہوا دیکر دشمن کا کام آسان نہیں کرنا چاہیئے اور پوری ہمت، قوت اور وحدت سے اسلام کا پرچم سب مل کر سربلند رکھیں اسی میں سب کا بھلا ہے۔ اختلاف رائے روز اول سے رہا ہے اور قیامت تک رہے گا ہمیں اسی میں سے راہِ وحدت و اخوت کو تلاش کرنا ہے اور وہ یہی ہے کہ آپ اپنی اپنی رائے پر قائم رہیں اور دوسروں کی رائے کا احترام کرنا سیکھیں اور ممکن حد تک اختلافات پر بحث کرنے اور ان کو طول دینے سے اجتناب فرمائیں۔ ہم میں سے ہر ایک گروہ اتنا ہی دین کے لئے مخلص ہے جتنا کوئی دوسرہ گروہ۔ مسلمانوں کی باہمی کشیدگی کا حل مسلمانوں کو خود ہی تلاش کرنا ہے۔ باہم اعتماد واحترام کی فضا پیدا کریں ایک دوسرے کی آراء کو پورے خلوص سے سنیں اور باہم راہِ اعتدال تلاش کریں تاکہ ملتِ اسلامیہ دشمنانِ اسلام کے سامنے تماشائے عالم بن کر نہ رہ جائے۔ اللہ پاک سب کو شرحِ صدر اور اخلاق فاضلہ کی توفیق بخشے جہاں تک اختلافِ امت کے بارے میں احناف کی رائے ہے اس میں بہت وسعت ہے خود امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ ''لا نُکفِّرُ احَدً من اَھلِ القِبلَۃِ ''، ہم اہل قبلہ میں سے کسی ایک کو بھی کافر نہیں کہتے۔ ہاں دورِ حاضر میں مرزائیوں کا معاملہ الگ ہے اِس سلسلہ میں دور حاضر کی فقہ حنفی کی معتبر کتاب دُر مختار سے دو عبارات پیشِ خدمت ہیں:۔

1۔ وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا يُفْتَى بِكُفْرِ مُسْلِمٍ أَمْكَنَ حَمْلُ كَلَامِهِ عَلَى مَحْمَلٍ حَسَنٍ۔[318]

جان لے کہ کسی مسلمان کے کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا اگر اُس کے کلام کو کسی اچھے اور قابلِ قبول محمل ومُراد پر محمول کیا جاسکتا ہو۔ دوسری عبارت:

---

[318] در مختار باب المرتد

''إِذَا كَانَ فِي الْمَسْأَلَةِ وُجُوهٌ تُوجِبُ الْكُفْرَ وَوَاحِدٌ يَمْنَعُهُ فَعَلَى الْمُفْتِي الْمَيْلُ لِمَا يَمْنَعُهُ''[319]

اگر کسی مسئلہ میں متعدد وجوہ مُوجبِ کفر ہوں اور ایک وجہ کفر کو مانع ہو تو مُفتی پر لازم ہے کہ وہ وجہِ مانعِ کفر کا اعتبار کرے یعنی کفر کا فتویٰ صادر نہ کرے۔

نمازوں میں فرض رکعتوں کی تعداد اور ان کی حکمت

اللہ تعالیٰ جب نماز کا حکم دیتا ہے تو اُس سے مراد تمام نمازوں کی فرض رکعتیں ہی ہیں باقی سنن و نوافل تمام کو فقہاء نوافل کے باب میں ذکر کرتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہے نوافل (زائد از حکم) اصل نماز کا حکمی حصہ نہیں بلکہ اجر و ثواب کے لئے حضور ﷺ نے ادا فرمائے اور ہم حصول اجر و ثواب اور فرائض میں کمی کو تاہی کو پورا کرنے اور اتباعِ رسول ﷺ میں ادا کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی آدمی کسی نماز کے فرض ہی ادا کرے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ اُس نے نماز نہیں پڑھی اور فرائض کی رکعتوں پر بات کرتا ہوں ایک رکعت قیام اور رکوع سے ہوتے ہوئے دو سجدوں پر مکمل ہوجاتی ہے اس مرتب صورت کا نام رکعت ہے۔

اور ہمارے ہاں ایک رکعت کوئی نماز نہیں بلکہ کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ فرائض میں چار رکعتیں ہیں۔ دو صبح، چار ظہر، چار عصر، تین مغرب، اور چار نماز عشاء کی فرض رکعتیں ہیں۔ دو رکعت سے کوئی فرض نماز کم نہ رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ ایک رکعت اتنی مختصر ہوتی ہے کہ پوری توجہ، دھیان اور رابطہ قلب و ذہن کا اللہ کریم سے جُڑہی نہیں پاتا۔ اور چار سے زیادہ اس لئے نہیں رکھی کہ مصروفیات و مشاغلِ زندگی کو پیشِ نظر رکھا گیا بھی بھاگ دوڑ میں ان کے لئے وقت بھی مشکل سے بھی نکلتا ہے۔ دوسری وجہ بھی ہے کہ مکی دور نبوت میں چونکہ حالات مناسب نہ تھے چھپ چھپا کر بھی نماز ادا کرنی پڑتی تھی مناسب تھا کہ مختصر نماز ہو جو کم وقت میں ادا ہوجائے لہٰذا شروع میں مکی دور میں جب نماز فرض ہوئی تو تمام پانچوں نمازیں دو دو رکعت تھی کوئی بھی چار رکعت فرض نہ تھے مگر جب مدنی دور شروع ہوا اب کافی اطمینان تھا تو ظہر، عصر اور عشاء کو چار چار رکعتیں کردیا گیا اور فجر میں وہی سابقہ یادگار کو باقی رکھا گیا اور مغرب کی تین رکعتیں رکھی گئیں جس کی وجہ آگے آرہی ہے۔ لیکن مسافر کے لئے مدنی دور میں بھی وہی دو دو رکعتیں اس لئے باقی رکھی گئیں کہ جس حکمت کے تحت مکہ

[319] در مختار باب المرتد

میں دو دو رکعتیں تھیں وہی علّت و حکمت دورانِ سفر پیش آتی ہے۔ سفر کی مشکلات اور وقت کی قلّت تقاضا کرتی تھی کہ مسافر کے لئے دو دو رکعتیں ہی فرض رہیں تو یہی ہوا اس گفتگو سے ظاہر ہوا کہ اطمینان اور عدم اطمینان کی وجہ سے رکعتوں میں کمی بیشی ہوئی ہے۔ جب کہ مغرب و فجر کی رکعتیں سفر میں بھی وہی باقی رکھیں جو حضر یعنی حالت اقامت میں تھیں اس لئے کہ ان کی تخفیف مسافر کے لئے ممکن اس لئے نہ تھی کہ فجر کی دو کو اگر ایک رکعت کریں تو یہ کوئی نماز ہی نہیں جب کہ مغرب کی تین کو اگر نصف کریں تو ڈیڑھ رکعت ہوتی ہے اور یہ بھی کوئی مکمل نماز نہیں مکمل تو کم از کم دو رکعتیں ہیں۔

اب سوال یہ باقی رہا کہ جب حالت اقامت میں ہیں سفر میں نہیں تو فجر کی دو کس لئے چار کیوں نہیں اور مغرب کی تین کو چار کیوں نہ کیا گیا اس سوال کو جواب امّ المؤمنین سیدہ عائشہؓ نے یہ دیا کہ مغرب کی تین اس لئے ہیں کہ یہ دن کے وتر ہیں اور وتر تین ہی ہو سکتے ہیں کہ ایک رکعت نماز نہیں اور اگر دو ہوں تو وہ وتر نہیں لہذا وتر کا قریب ترین عدد تین ہے اور یہ دن کے وتر ہیں اور صبح کو دو رکعت اس لئے رہنے دیا کہ ان میں قرأت کو لمبا کرکے کمی کو پورا کر دیا گیا اور نماز کا اصل مقصد قرأتِ قرآن کروانا ہے لہذا فجر کی دو ہی برقرار رکھی ہیں یہ روایت سیدہ عائشہؓ سے مسند احمد بن حنبل میں ملے گی۔

مغرب میں تین رکعت رکھنے کی ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مسلم میں حدیث سے ظاہر ہے کہ حضور ﷺ نے تین اوقات میں نماز سے منع فرمایا اور ان میں سے طلوع و غروب کے وقت ممانعت کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ مشرکین اس قوت میں آفتاب پرستی کرتے ہیں لہذا ان کے امتیاز دینے کے لئے عین غروب سے بچتے ہوئے فوراً بعد یہ نماز رکھی اور اس میں رکعتوں کی تعداد بھی ایسی رکھ دی جو سورج پرستوں کا رد اور توحید باری کو ظاہر کرتی ہے کہ اللہ کی ذات وتر ہے اور اس کے اظہار کے لئے ایک رکعت تو ناکافی نماز ہے اور دو کا عدد وتر نہیں اور تین کا عدد قریب ترین وتر عدد ہے اسی کو مغرب کی رکعتوں کی تعداد قرار دیکر وحدانیتِ ربانی کی تعلیم دی گئی او یہی حکمت عشاء کے بعد وتروں میں بھی ہے اور جمعہ و عیدین میں دو دو رکعتیں اس لئے ہیں کہ وہاں خطبہ کو لازم کر دیا گیا لہذا چار کی بجائے رکعتیں دو دو رکھی گئیں۔ نماز مغرب کی رکعتیں وتر اور عشاء کے بعد وتروں پر یہ حدیث بھی پڑھتے جائیں۔

''يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ، أَوْتِرُوا، فَإِنَّ اللهَ وِتْرٌ، يُحِبُّ الْوِتْرَ ۔[320]

اے اہل قرآن بے شک وتر پڑھا کرو کہ اللہ بھی وتر (طاق) ہے اور وہ وتر (طاق) کو پسند فرماتا ہے۔

اس روایت میں مسلمانوں کو اہل قرآن کہہ کر تو مخاطب کیا گیا، کیا کسی روایت میں اہل حدیث کہہ کر بھی پکارا گیا یا یہ خود ساختہ لفظ ہے؟ قرآن نے ہمیں مسلمان کہا ہمیں صرف مسلمان ہونے پر فخر کرنا چاہیئے باقی سب نسبتیں عارضی و تعارف کے لئے ہیں اور علماء نے اپنی اپنی تنظیموں اور پارٹیوں کے نام رکھے ہیں جبکہ وہی نام مسلمان کہلانے بھی بہتر ہے جو اللہ رسول نے ہمارا رکھا ہے۔ اور صبح کو دو رکعتوں کی بات ہو چکی کہ صبح کا وقت انتہائی پر کیف وقت ہے ابھی سو کر دل و دماغ کو تازہ کر کے اٹھے اور انّ قرآن الفجر کان مشھودًا سے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ یہ فرشتوں کی حاضری کا بھی وقت ہے لہذا یہاں خوب قرأت کرو اس لئے صبح میں رکعتوں کی تعداد کم رکھ کر تلاوتِ قرآن کو زیادہ وقت دیا گیا کہ یہ وقتِ مشہودہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ عموماً فجر کی نماز میں زیادہ لمبی تلاوت یعنی ساٹھ سے سو آیات تلاوت فرماتے اور رکوع و سجود کی کیفیت بھی ایسے ہی نرالی ہوتی تھی۔[321]

نماز سنن و نوافل کا بیان:۔

پانچ نمازوں کی فرض رکعتوں کے اول یا آخر میں بھی ہم کچھ رکعتیں ادا کرتے ہیں اب جو فرائض ہیں وہ تو گویا اسلام کا رکنِ رکین اور لازمہ ایمان ہیں جبکہ فرض کے علاوہ جو ہم پڑھتے ہیں وہ وہی نوافل ہیں جن کو حضور ﷺ نے از خود پڑھا حکمِ ربّانی نہ تھا اب جن رکعتوں کی حضور ﷺ نے قول و عمل سے زیادہ تاکید فرمائی ان کو سنتِ موکدہ نام دیا گیا اور جن کی کم تاکید فرمائی انکو سنتِ غیر موکدہ کہا گیا اور خود پڑھیں اور حکم نہ دیا یا بہت کم پڑھیں ان کو نوافل کہہ دیا جاتا ہے جبکہ حقیقت میں سب نوافل ہی ہیں۔

احادیث میں فرض رکعتوں کو فرض یا صلوٰۃِ مکتوبہ (لازمی نماز) کہا جاتا ہے اور باقی سب کو تطوع اور نوافل کے نام سے بولا جاتا ہے.

---

[320] ابو داؤد باب تفریع أبواب الوتر کتاب الوتر باب استحباب الوتر

[321] دیکھیں مسلم کتاب الصلوۃ باب القرأۃ

فرائض کے اول یا آخر کچھ رکعتیں نوافل پڑھنے میں کیا حکمت ہو سکتی ہے:۔

جو سنن و نوافل فرائض سے پہلے ادا کیے جاتے ہیں ان میں ظاہری حکمت یہ ہے کہ انسان مشاغلِ دنیوی میں مُنہمک ہو چکا تھا اب فوری طور پر اگر بارگاہِ ربانی میں فرائض کی ادائیگی کی صورت میں حاضری دے تو عین ممکن ہے کہ پورا دھیان بارگاہِ ربی میں نہ دے سکے لہذا کچھ رکعتیں پہلے پڑھ کر توجّہ کو مرکوز کرے اور دل ع دماغ کع مانوس بندگی کرے تاکہ فرضوں کی اہم حاضری سے پورا فائدہ حاصل کر سکے اور پوری طرح تبتّل، خشوع اور قنوت سے حاضر ہو اور اخلاص و ذوق سے اُس نماز کے پڑھنے کے قابل ہو جائے جس بارے حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ نماز سے فراغت کے بعد گناہوں سے یوں صاف ہو جاتا ہے گویا اس کی ماں نے اُس کو ابھی جنا ہے۔

اور جو رکعتیں فرائض کے بعد ادا کی جاتی ہیں ان میں ظاہری حکمت یہ نظر آتی ہے کہ فرضوں کی صورت میں بارگاہِ خداوندی میں حاضری کے اداب میں جو کمی باقی رہ گئی ان کا تدارک کیا جا سکے۔ اگر بروز قیامت فرائض حساب میں کم پڑ گئے تو اللہ کریم انہی نوافل سے ہی حساب پورا فرمائے گا اور پھر یہ بھی کہ جب وقت نکالا وضو کیا اب مکمل تیاری ہو گئی تو اس تیاری سے کچھ مزید فائدہ اٹھایا جائے اور حق تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کو فرضوں کی ادائیگی سے بارگاہِ ربانی میں حاضری سے اتنا سرور و سکون آجاتا کہ اُسی کی طلب میں کچھ رکعتیں مزید پڑھتے تھے۔ اور ان سنن و نوافل کو اکثر آپ گھر میں ادا فرماتے اور اسی کی ترغیب بھی فرماتے کہ گھر ذکرِ خداوندی سے منوّر و بابرکت بھی ہو اور گھر کے تمام افراد کو نماز کی عملی تعلیم بھی ہو سکے۔ افسوس کہ آج ہم نے ان نوافل کو مساجد ہی میں ادا کرنا افضل گمان کر لیا ہے جبکہ یہ افضل تو کیا مطابق سنتِ عمومی بھی نہیں کوشش کریں کہ مسجد میں صرف فرائض ادا ہوں کہ فرائض کی اہمیت بھی واضح رہے اور آپ کا عمل بھی سنت کے مطابق ہو اور گھر کو بھی بندگی سے کچھ حصہ ملے ہاں اگر کبھی عذر ہو تو مسجد میں پڑھ لینے کی ممانعت ہرگز نہیں مگر یہ معمولِ رسول ﷺ بھی نہیں احادیث آرہی ہیں۔

دن رات کی پانچوں نمازوں میں موکدہ سنّتیں:۔

عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي الجَنَّةِ: أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ المَغْرِبِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ العِشَاءِ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ ۔ [322]

حضرت امّ حبیبہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے رات دن میں بارہ رکعتیں پڑھیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا یعنی چار ظہر کے فرائض سے پہلے دو بعد اور دو مغرب اور دو عشاء کے بعد اور دو رکعت فجر کے فرضوں سے پہلے۔

سنن نسائی اور صحیح دونوں میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی یہی تھا کہ آپ ظہر سے پہلے گھر میں چار رکعت سنت پڑھتے تھے اس کے بعد جاکر مسجد میں ظہر ادا کرتے پھر گھر تشریف لاکر 2 رکعتیں پڑھتے تھے۔ عشاء کی فرض نماز پڑھانے کے بعد بھی گھر تشریف لاتے اور دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ اور جب صبح صادق ہو جاتی تو فجر کی جماعت سے قبل دو رکعتیں گھر میں ادا فرماتے تھے۔

ظہر سے پہلے دو رکعت سنت یا چار رکعت:۔

فرضِ ظہر سے قبل دو رکعت سنت بھی روایت ہے اور چار رکعت سنت کی بھی۔ چونکہ حضور علیہ اسلام سنّتیں گھر میں ادا فرماتے لہذا کسی صحابی کی روایت کے مقابلہ میں امّ المؤمنین عائشہؓ کی شہادت و روایت زیادہ معتبر ہے اور دوسری وجہ یہ کہ اگر دونوں معمول بھی رہے ہوں تو چار والا عمل اس لئے افضل ہے کہ اس میں عبادت زیادہ اور ظاہر ہے اجر بھی زیادہ ہوگا یہ بھی عین ممکن ہے کہ آپ کا آخری عمل چار رکعت پڑھنے کا ہوا اور آخری عمل ہی لیا جاتا ہے اس پر امام بخاری کی رائے میں پہلے دے چکا ہوں۔ یہ ظاہر ہے کہ دو رکعت پڑھنے کا عمل پہلے ہوگا کہ جوں جوں اطمینان بڑھا عمر بڑھی اور ذوق بندگی بھی ساتھ ساتھ پروان چڑھا اس کے برعکس ناممکن ہیکہ آپ پہلے تو چار رکعت پڑھتے ہوں اور بعد میں آخری عمر میں عبادت بڑھانے کی بجائے کم کر دی ہو۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ اگر دو رکعتیں پڑھیں تو چار کا عمل رہ جائے گا۔ جبکہ چار پڑھیں تو دو رکعت اس کے اندر آجاتی ہیں۔ لہذا دونوں روایات پر عمل ہو

---

[322] الترمذی أبواب الصَّلَاة بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ صَلَّى فِي يَوْمٍ وَلَيلَةٍ ثِنْتَيْ عشرة رَكعَة من السُّنَّةِ مَا لَهُ مِنَ الفَضْل

جاتا ہے اور ہماری یہی رائے اور یہی دلائل اس وقت بھی ہیں جب وتر کی ایک رکعت اور تین رکعت کی روایات آتی ہیں یا جمعہ کے بعد جب دو رکعت اور چار رکعت کی روایات برابر آتی ہیں تو ہم زیادہ کی طرف جاتے ہیں کہ اجر بھی زیادہ ہو اور کم والی روایات پر عمل اس کے اندر آجائے۔ مثلاً مجھے کوئی کہے کہ مجھے پچاس روپیہ دو پھر کہے کہ سو روپیہ دو۔ جب میں سو روپیہ دے دوں گا تو اس کا پچاس والا مطالبہ بھی پورا ہو جائے گا کہ وہ سو کے اندر ہی تو ہے۔

فجر کی سنتوں کی فضیلت:۔

عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔ [323]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فجر کی دو رکعتیں دنیا و ما فیھا سے بہتر ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَدَعُوهُمَا، وَإِنْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ ۔ [324]

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو رکعتیں صبح کی نہ چھوڑو اگرچہ تمہیں گھوڑے ہی کچل دیں۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَت لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ مِنْهُ تَعَاهُدًا عَلَى رَكْعَتَيِ الفَجْرِ۔ [325]

---

[323] مسلم کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا باب استحباب رکعتی سنۃ الفجر، والحث علیھا وتخفیفھما والمحافظۃ علیھا. وبیان ما یستحب أن یقرأ فیھما

[324] کتاب الصلاۃ باب صلاۃ الخوف

[325] بخاری أبواب التطوع باب: تعاھد رکعتی الفجر، ومن سماھا تطوعا

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نوافل میں سے کسی کا بھی اتنا اہتمام نہ فرماتے جتنا شدید صبح کی دو سنتوں کا اہتمام فرماتے تھے۔

اگر فجر کی سنتیں رہ جائیں تو طلوعِ آفتاب کے بعد پڑھے:۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ[326]۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو فجر کی دو سنتیں نہ پڑھ سکے وہ پھر طلوعِ آفتاب کے بعد پڑھے۔

مسلم میں اسی حوالے سے روایت ہے کہ میں حضور ﷺ کو صبح کی جماعت کے لئے بلانے گیا تو سیدہ عائشہؓ نے مجھ سے کوئی بات شروع کر دی اور حضور ﷺ کو اطلاع کرنے میں کچھ دیر ہوئی جس سے صبح بہت ہی روشن ہو گئی

جب حضور ﷺ مسجد تشریف لائے تو صحابہؓ نے عرض کیا جناب صبح تو بہت روشن ہو گئی تو حضوو ﷺ نے فرمایا اگر اس سے بھی زیادہ روشن ہو جاتی تو میں صبح کی دو سنت تو ضرور پڑھتا۔[327]

فجر کی سنتوں کی انہی تاکیدات کی بنیاد پر احناف صبح کی سنتوں کو بہر صورت پڑھنے پر زور دیتے ہیں۔ مگر سنتیں مسجد کے اُس کمرے میں ہر گز نہ پڑھیں جہاں جماعت ہو رہی ہے بہتر ہے آپ سنت کے مطابق گھر سے پڑھ کر آئیں کہ اختلاف ہی نہ پڑھے باقی رہی بات جماعت کی وہ ہمارے نزدیک سنت ہے واجب نہیں۔ بخاری میں

---

[326] الترمذی أبواب الصَّلَاة باب ماجاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس

[327] مسلم

ایک روایت اس طرح کہ ایک صحابی لمبی قراءت کی وجہ سے جماعت سے نماز توڑ کر چلا گیا اور ایک دوسری روایت ہے کہ صحابی امام کی لمبی قراءت کی وجہ سے شریک ہی نہ ہوتا تھا مگر حضور صرف امام کو ناراض ہوئے کہ لوگوں کو دین سے نفرت دلانے والے نہ بنو جماعت چھوڑنے والوں پر گرفت نہ فرمائی۔ اور ہم یہ روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ جو جماعت سے ایک رکعت بھی سنتیں ادا کرنے کے بعد پالے تو اس نے گویا پوری نماز پالی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلَاةِ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ۔[328]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو ایک رکعت بھی نماز سے پالے تو اس نے گویا پوری نماز پالی۔

نوٹ:۔ صبح کی سنتوں پر شاید زیادہ زور اس لئے دیا گیا کہ یہاں فرض رکعتیں صرف دو ہیں۔ جو پانچوں نمازوں میں سب سے کم ترین تعداد ہے لہذا سنتوں پر زور دیا گیا کہ کمی کا تدارک ہو سکے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جماعت سے پہلے نماز کا انتظار بھی نماز ہی کا اجر رکھتا ہے:۔

قال النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّكُمْ لَمْ تَزَالُوا فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلَاةَ۔[329]

حضور ﷺ نے فرمایا کہ بے شک جب تک تم نماز کا انتظار کرتے رہے وہ بھی گویا (اجر کے لحاظ سے) تم نماز میں رہے ہو۔

---

[328] ترمذی تتمۃ أَبوَابِ الجُمُعَۃِ بابٌ فِيمَنْ يُدرِكُ مِنَ الجُمُعَۃِ رکعۃ

[329] کتاب مواقیت الصلاۃ باب: السمر فی الفقہ والخیر بعد العشاء

نماز کے بعد جائے نماز پر رکنا اور فرشتوں کی دعائیں لینا:۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ المَلاَئِكَةُ تُصَلِّي عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ، مَا لَمْ يُحْدِثْ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ، لاَ يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلاَةٍ مَا دَامَتِ الصَّلاَةُ تَحْبِسُه، لاَ يَمْنَعُهُ أَنْ يَنْقَلِبَ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا الصَّلاَةُ۔[330]

حضور ﷺ نے فرمایا تم پر فرشتے اس وقت تک درود رحمت کی (دعا کرنا) پڑھتے ہیں جب تک اپنی جائے نماز پر رہتے ہو، جب تک کہ وضو نہ ٹوٹے فرشتے یوں دعا کرتے رہتے ہیں اے اللہ اس کی مغفرت فرما اس پر رحم فرما جب تک نماز تمہیں مصروف رکھتی ہے اور صرف نماز ہی تمہارا مقصد رکھنے کا ہوتا ہے جب کہ گھر واپس نہ آجاؤ۔

اس روایت سے ظاہر ہے۔اور امام بخاریؒ کے ترجمۃ الباب سے بھی یہی مُترشح ہو رہا ہے کہ جب نمازی صرف خالص نماز کی غرض سے گھر سے نکلتا ہے واپس گھر آنے تک وہ فرشتوں کی دعاؤں کا مُوجب بنتا رہتا ہے اگرچہ جماعت سے پہلے انتظار کرے یا بعد جماعت نماز ہی کی وجہ سے رُکا ہوا ہو۔ سبحان اللہ۔

ظہر سے قبل چار سنتوں کی فضیلت:۔

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ لَيْسَ فِيهِنَّ تَسْلِيمٌ، تُفْتَحُ لَهُنَّ أَبْوَابُ السَّمَاءِ۔[331]

---

[330] بخاری کتاب الجماعۃ والإمامۃ من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ، وفضل المساجد

[331] ترمذی أبواب الصَّلَاۃ بابٌ آخَرُ

حضرت ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ظہر سے قبل چار سنتیں ایک سلام سے جو پڑھتا ہے تو ان کیلئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

آسمانوں کے دروازے کھلنا قبولیت اور نزولِ رحمت کی طرف اشارہ ہے۔

اگر ظہر سے پہلے سنتیں رہ جائیں تو بعد میں ضرور پڑھے:۔

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا لَمْ يُصَلِّ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ صَلَّاهُنَّ بَعْدَهَا۔[332]

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر ظہر سے پہلے حضور ﷺ کی سنتیں رہ جاتیں تو بعد میں ادا فرماتے تھے۔

ابن ماجہ میں یہ تصریح بھی ہے کہ اگر سنتیں قبل ظہر رہ جاتیں تو ان کو حضور ﷺ ظہر کے بعد والی دو سنتوں کے بعد ادا فرماتے۔ شاید اس لئے کہ چار سنتیں تو ویسے ہی معمول سے ہٹ گئیں ظہر کے بعد والی دو سنتیں تو معمول پر رہیں۔

چار سنتیں ظہر سے پہلے اور چار ظہر کے بعد:۔

عن أُمِّ حَبِيبَةَ ؓ قالت سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ حَافَظَ عَلَى أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ۔[333]

---

[332] ترمذی أبواب الصَّلَاةِ بابٌ آخَرَ

[333] الترمذی ترمذی أبواب الصَّلَاةِ بابٌ آخَرَ، ابن ماجہ ونسائی وغیرہم

اُم حبیبہ ؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے سنا جس نے ظہر سے قبل چار اور ظہر کے بعد چار رکعتوں کی برابر حفاظت کی یعنی ادا کرتا رہا تو اُس شخص کو اللہ جہنم کی آگ پر حرام کر دیتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو ظہر سے پہلے چار سنتیں نہ پڑھے گا وہ میری شفاعت سے محروم رہے گا۔ جناب کی شفاعت کی ہر کلمہ گو کو امید ہے اللہ تعالٰی کرے سب کو نصیب ہو مگر پیارے نبی ﷺ کی اِتباع سے بھی دور اور محروم نہ رہیں۔

اللّٰھمّ ارزقنا شفاعۃ سیدنا محمدٍ ﷺ۔

یا ربِّ بالمُصطفٰی بلِّغْ مَقَاصِدنَا واغْفِرْ لنا ما مَضٰی یا واسعَ الکَرمِ

ھوالحبیب الذی تُرجٰی شفاعتُہٗ لِکلِّ حولٍ مِّن الاحوال مُقتَھِمِ

دافِعِ البلآءِ والوبآءِ والقَحطِ والمرضِ والالم بھی اسی مفہوم سے ہیں۔

عصر سے قبل چار غیر مؤکّدہ سنتیں:۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: رَحِمَ اللهُ امْرَأً صَلَّى قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا۔[334]

حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالٰی رحم فرمائے اُس پر جو عصر سے قبل چار رکعتیں پڑھے۔

اگر وقت ہو تو عصر سے قبل چار رکعتیں ضرور پڑھیں وقت کم ہو تو دو ہی پڑھیں اور حضور ﷺ کی دعا ضرور لیں کہ باعثِ تسکینِ جان ہے۔

﴿إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾[335]

---

[334] الترمذی أبواب الصَّلَاة باب مَا جَاءَ فِي الأَرْبَعِ قَبْلَ العَصْرِ وابوداؤد واحمد

[335] التوبۃ:103

آپ ﷺ کی دعا غلاموں کے لئے باعثِ تسکین ہے۔

فرائض مغرب کے بعد چھ نوافل اور فضیلت:۔

عن محمد بن عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہم قال رَأَيْتُ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ، صَلَّى بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ، فَقُلْتُ: يَا أَبَهْ، مَا هَذِهِ الصَّلَاةُ؟ قَالَ: رَأَيْتُ حَبِيبِي رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ، وَقَالَ: مَنْ صَلَّى بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ غُفِرَتْ لَهُ ذُنُوبُهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ [336]

جناب عمار بن یاسرؓ کے بیٹے محمد انہی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے محبوب ﷺ کو یہ پڑھتے دیکھا اور آپ ﷺ نے فرمایا جو چھ رکعت بعد مغرب پڑھے گا اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اگرچہ سمندر کی جھاگ برابر ہوں۔

تشریح:۔

عام روایات میں چونکہ بعد مغرب دو سنتوں کا ذکر ہے جیسا کہ احادیث گزر چکیں مگر اس روایت میں چھ کا ذکر ہے۔ لہٰذا بعد مغرب دو سنت، دو نفل اور مزید دو نفل پڑھ لیں تو اس سعادت کے حصول کی امید ہے اپنا یہی عمل ہے۔

عشاء کے بعد چار یا چھ نوافل کی روایت:۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت مَا صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ قَطُّ فَدَخَلَ عَلَيَّ إِلَّا صَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، أَوْ سِتَّ رَكَعَاتٍ [337]

---

[336] المعجم اوسط للطبرانی باب من اسمہ محمد

[337] ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب صلاۃ الخوف باب الصلاۃ بعد العشاء

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی عشاء پڑھ کے میرے پاس تشریف لائے تو آپ نے چار یا چھ رکعتیں پڑھیں۔

تشریح:۔

آج بھی احناف عشاء کے بعد دو سنت پھر دو نفل اور پھر تین وتر کے بعد دو نفل پڑھتے ہیں ان چھ رکعتوں کی یہی روایت بنیاد ہے۔

نماز وتر کی اہمیت

عَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ، أَنَّهُ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ إِنَّ اللهَ أَمَدَّكُمْ بِصَلَاةٍ هِيَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ: الوِتْرُ، جَعَلَهُ اللهُ لَكُمْ فِيمَا بَيْنَ صَلَاةِ العِشَاءِ إِلَى أَنْ يَطْلُعَ الفَجْرُ۔[338]

حضرت خارجہ بن حذافہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور نماز سے تمہاری مدد فرمائی جو تمہارے لئے سُرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے وہ وتر نماز ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے واسطے نماز عشاء کے بعد سے طلوعِ صبح صادق کے پہلے تک مُقرر فرمایا ہے یعنی یہ اس کا سارا وقت ہے

تشریح:۔

یہ انداز اور یہ تاکید و اہمیت حضور ﷺ نے کسی سنت نماز پر اختیار نہیں فرمایا اور واضح کیا کہ یہ نماز اللہ نے دی اور اللہ نے ہی اس کا وقت بھی مقرر کیا نہ کہ یہ میری ذاتی رائے یا نفلی عبادت ہے اسی بنیاد پر حضرت امام ابو حنیفہؒ نے تو اس کو فرائض

---

[338] ابو داؤد کتاب سجود القرآن (المعجم) باب تفریع أبواب الوتر کتاب الوتر باب استحباب الوتر والترمذی أَبْوَابُ الوِتْرِ بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الوِتْرِ

میں شامل کرتے ہیں کہ فرائض کی احادیث پہلے گزریں ان میں اس کا ذکر نہیں اور نہ ہی اس کا وقت وہ ہے جو ان پانچ فرض نمازوں کا ہے اور نہ ہی امام صاحب اس کو سنن و نوافل میں شمار کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے خود اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف دو مرتبہ منسوب کیا اس لئے امام صاحب اس کو واجب بتاتے ہیں کہ فرض سے کم اور سنن سے اعلیٰ ہے اور سفر میں بھی برقرار رہتی ہے۔

ابو داؤد میں حضرت بُریدہؓ کے حوالے سے ایک حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

الْوِتْرُ حَقٌّ، فَمَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا۔

کہ وتر حق (لازم) ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں

یہ جملہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ دھرایا۔ بخاری میں بھی اتنا ہے کہ حضور ﷺ نماز تہجد پڑھتے رہتے تھے اور گھر والوں کو نہ جگاتے مگر جب آپ وتر پڑھتے تو گھر والوں کو بھی جگا کر پڑھنے کا حکم فرماتے۔

نماز وتر کی قضا بھی ہے:۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ نَامَ عَنِ الوِتْرِ أَوْ نَسِيَهُ فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَ وَإِذَا اسْتَيْقَظَ۔[339]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو وتر سے سو گیا یا بُھول گیا تو جب بھی اس کا یاد آئے یا جب بھی جاگے تو ضرور پڑھے۔

---

[339] الترمذی أَبْوَابُ الوِتْرِ بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَنَامُ عَنِ الوِتْرِ أَوْ يَنْسَى وابن ماجہ وابو داؤد

نمازِ وتر کو نمازِ عشاء کے بعد ساتھ پڑھ لینا:۔

پہلے روایت گزر چکی ہے کہ نماز وتر کا وقت نماز عشاء کے بعد سے شروع ہو کر صبح صادق تک رہتا ہے اور اس سارے وقت میں کسی بھی وقت وتر پڑھنا جائز ہے ہاں افضل وقت آخر رات یعنی نماز تہجد کا صبح صادق سے پہلے کا وقت ہے کہ اس وقت کی نماز میں ملائکہء رحمت نازل ہوتے ہیں انہی کے نزول کی وجہ سے وہ وقت افضلیت کا ہے مگر صبح جاگنے کا معمول نہ ہو تو فوراً عشاء کے بعد وتر پڑھ لینا جائز ہے۔

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ خَافَ أَنْ لَا يَقُومَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ أَوَّلَهُ، وَمَنْ طَمِعَ أَنْ يَقُومَ آخِرَهُ فَلْيُوتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ، فَإِنَّ صَلَاةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُودَةٌ، وَذَلِكَ أَفْضَلُ۔ [340]

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس کو خوف ہر کہ وہ آخر رات میں بیدار نہ ہو سکے گا وہ وتر اوّل ہی وقت (بعد عشاء) پڑھ لے اور جس کو اُمید ہو کہ وہ آخر رات میں اُٹھ جائے گا تو اسے وتر آخر رات میں پڑھنے چاہیں کیونکہ آخر رات میں رحمت کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں لہذا وہ افضل وقت ہے۔

نماز وتر اور نوافل تہجد کے رکعتوں کی تعداد:۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَيْسٍ، قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: بِكَمْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ؟ قَالَتْ: كَانَ يُوتِرُ بِأَرْبَعٍ وَثَلَاثٍ، وَسِتٍّ وَثَلَاثٍ، وَثَمَانٍ وَثَلَاثٍ، وَعَشْرٍ وَثَلَاثٍ، وَلَمْ يَكُنْ يُوتِرُ بِأَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ، وَلَا بِأَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ۔ [341]

---

[340] مسلم کتاب صلاۃ المسافرین وقصرها باب من خاف أن لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر أوله

[341] ابو داوٗد کتاب الصلاۃ أبواب قیام اللیل باب فی صلاۃ اللیل

حضرت عبد اللہ بن ابی قیسؓ سے روایت ہے کہ میں نے سیدہ عائشہؓ سے پوچھا کہ حضور ﷺ کتنے وتر پڑھتے تھے؟ تو آپ نے فرمایا کہ چار اور تین، چھ اور تین، آٹھ اور تین، دس اور تین اور کبھی کبھی سات سے کم اور تیرہ سے زیادہ نہ ہوتے تھے۔

تشریح:۔

یہاں سیدہ عائشہؓ نے حضور ﷺ کے تہجد اور وتر کے رکعتوں کی تعداد بیان فرمائی چونکہ حضور ﷺ کا معمول مبارک نوافل تہجد کے ساتھ وتر پڑھنے کا تھا اس لئے ان تمام رکعتوں کو وتر بول دیا جاتا ہے۔ جناب سیدہ عائشہؓ کے بیان سے بالکل صاف ظاہر ہے کہ حضور ﷺ نوافل تہجد کبھی چار، کبھی آٹھ اور کبھی دس پڑھتے اور وتر ہمیشہ تین ہی پڑھتے تھے اور یہ کل تعداد سات (4 نفل 3 وتر) سے کم اور تیرہ (دس نفل 3 وتر) سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ جبکہ ابن عباسؓ سے 12 نوافل تہجد کی روایت بھی بخاری ج 1 ابواب التہجد باب استعانۃ۔۔۔ فی الصلٰوۃ حدیث 1119 پر وتر سنتِ فجر ان کے علاوہ ہیں۔

مسلم شریف میں ایک روایت سے ظاہر ہے کہ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے انتہائی حسین و جمیل اور لمبی چار چار نوافل تہجد کی رکعتیں پڑھیں فصلّی ثلاثًا اور آخر میں تین رکعتیں ادا فرمائیں اور یہ بھی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے وتر کی پہلی رکعت میں فلاں دوسری میں فلاں اور تیسری میں فلاں سورۃ تلاوت فرمائی جس سے ان کا تین عدد ہونا ظاہر ہے۔ چونکہ یہ عمل کثیر ہے اور اس کو حضور ﷺ نے اختیار بھی زیادہ فرمایا اور بیان بھی سیدہ عائشہؓ کا ہے کہ آپ یہ نوافل و وتر انہی کی موجودگی میں گھر ہی پڑھتے تھے اسی بنیاد پر احناف عمل بھی تین وتروں کا ہے اور اس روایت سے یہ غلط فہمی بھی دور ہو گئی کہ حضور ﷺ نوافل تہجد ہمیشہ آٹھ ہی پڑھتے تھے لہذا انہی کو معمول بنا کر ہمیشہ آٹھ رکعت ہی آٹھ رکعت ہی تراویح پڑھنی اس لئے کہ نہ تو ہمیشہ آٹھ کا معمول ہے کیونکہ معمول رسول

ﷺ تو تہجد بارے چار سے دس تک تبدیل ہو رہا ہے پھر آٹھ پر دوام کیا؟ جس روایت میں پہلی دوسری اور تیسری رکعت وت اور ان میں سورتوں کا تعین کیا گیا ہے وہ روایت یہ ہے۔

عَنْ عَبْدِ العَزِيزِ بْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: سَأَلْنَا عَائِشَةَ، بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يُوتِرُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﷺ قَالَتْ: سُورَةٌ كَانَ يَقْرَأُ فِي الأُولَى: بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأَعْلَى، وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الكَافِرُونَ، وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ، وَالمُعَوِّذَتَيْنِ۔[342]

حضرت عبد العزیز بن خُریجؓ سے روایت ہے کہ ہم نے سیدہ عائشہؓ سے پُوچھا کہ حضور ﷺ وتر میں کونسی سورتیں پڑھتے تھے؟ تو آپ نے فرمایا پہلی رکعت میں سبح اسم ربّک الاعلٰی، دوسری میں قل یایھا الکٰفرون اور تیسری میں سورہ اخلاص اور معوّذتین تلاوت فرماتے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ وتر تین پڑھتے اور ایک سلام سے پڑھتے۔ جہاں معاملہ گھر کے اندر کا ہو تو سیدہ عائشہؓ یا کسی بھی گھر والی کی گواہی زیادہ معتبر ہے بجائے کسی صحابی کے جو آپ کے گھر نہیں رہتا ہے۔

اقامت کے بعد فجر کی سنتیں پڑھنا:۔

احناف فجر میں اگر اقامت ہو بھی جائے تو پیچھے الگ کسی جگہ سنتِ فجر ادا کر کے شریک جماعت ہوتے ہیں اس بارے مسلم شریف کی ایک حدیث کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ

[342] الترمذی أَبْوَابُ الوِتْرِ بَابُ مَا جَاءَ مَا يُقْرَأُ فِي الوِتْرِ

''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ۔ [343]
کہ جب اقامت ہو جائے تو سوائے فرض نماز کے کوئی دوسری نماز پڑھنا جائز نہیں

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث قابلِ حجّت نہیں۔ اس لئے کہ امام بخاریؒ کی نظر میں اس روایت کی حیثیت صرف اتنی ہے کہ اس کو کتاب الاذان باب اذا اُقیمت الصلوٰۃ میں اس کو ترجمۃ الباب تو بنایا مگر اس باب میں اس روایت کو ذکر نہ کرکے اس کے ناقابلِ حجت ہونے کا اشارہ بھی دے دیا اور نہ باب میں اس روایت کو سند کے ساتھ ضرور لکھتے پھر دوسرا اشارہ یہ دیا اس باب میں ان کے پاس صرف ایک ہی صحیح حدیث تھی جس پر انہوں نے اعتماد کیا اور وہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں کہ جماعت کھڑی ہو جائے تو سنتیں جائز نہیں بلکہ اس روایت سے ثابت ہے کہ اقامت کے بعد حضور ﷺ نے ایک صحابی کو نماز پڑھتے دیکھا مگر اس پر کوئی اعتراض نہ فرمایا۔ روایت یہ ہے۔

عن مالكٍ ابن بحينةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا وَقَدْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاثَ بِهِ النَّاسُ، وَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الصُّبْحَ أَرْبَعًا، الصُّبْحَ أَرْبَعًا۔ [344]

اس روایت میں ایسا کوئی لفظ نہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہو تو نے ایسا کیوں کیا آئندہ نہ کرنا۔ بلکہ یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ فجر میں صرف دو

---

[343] مسلم کتاب صلاۃ المسافرین وقصرہا باب کراہۃ الشروع فی نافلۃ بعد شروع المؤذن

[344] بخاری کتاب الاذان باب اذا اقیمت الصلوٰۃ

سنت اور دو فرض یعنی کل چار رکعتیں ہیں۔ اس سے زائد نوافل اس وقت میں نہ پڑھے جائیں۔

جماعت کی اہمیت بھی امام بخاریؒ سے سنتے جائیں۔

عن عائشه ؓعَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا وُضِعَ العَشَاءُ وَأُقِيمَتِ الصَّلاَةُ، فَابْدَءُوا بِالعَشَاءِ۔[345]

سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب شام کا کھانا چُن دیا جائے اور اُدھر اقامت ہو جائے تو نماز کی بجائے پہلے کھانا کھالو۔ بعد میں نماز پڑھ لینا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا اس سلسلہ میں عمل:۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بھی مذکورہ بالا روایت فرماتے ہیں کہ جب کھانا لگ جائے اور نماز بھی کھڑی ہو جائے تو پہلے تسلّی سے کھانا کھالو اور فارغ ہو کر پھر نماز پڑھو اب ان کا اس پر عمل ان الفاظ سے ہے۔

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ: يُوضَعُ لَهُ الطَّعَامُ، وَتُقَامُ الصَّلاَةُ، فَلاَ يَأْتِيهَا حَتَّى يَفْرُغَ، وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ قِرَاءَةَ الإِمَامِ۔[346]

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے سامنے کھانا اگر رکھا جاتا اور ساتھ جماعت کھڑی ہو جاتی تو آپ نماز کو نہ آتے جب تک کھانے سے فارغ نہ ہو جاتے اور کھانے کے دوران امام کی تلاوت سنتے رہتے اور کھانا کھاتے رہتے۔

تشریح:۔

---

[345] بخاری کتاب الاذان باب اذا حضر الطعام واُقیمت الصلوٰۃ

[346] بخاری کتاب الاذان باب اذا حضر الطعام واُقیمت الصلوٰۃ

جب یہ ثابت ہوا کہ اگر جماعت کھڑی ہو جائے اور کھانا تیار ہو تو پہلے کھانا کھا لینا جائز ہے جب جماعت کے وقت کھانا کھاتے رہنا جائز ہے تو وہ فجر کی دو سنتیں جن کو حضور ﷺ نے دنیا و مافیھا سے افضل قرار دیا ان کا پڑھنا کیوں جائز نہ ہو۔ پھر وہ نمازی جو فجر کی سنتیں ابھی پڑھ رہے ہیں اور اقامت ہو گئی ان کی سنتوں کا کیا بنے گا جو اڑوس پڑوس میں گھروں میں نوافل پڑھے جا رہے ہیں ان کا کیا حکم ہے۔

وتر کے بعد دو نوافل پڑھنا:۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الوِتْرِ رَكْعَتَيْنِ۔ [347]

حضرت امّ سلمہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ ابن ماجہ نے یہ زیادہ کیا کہ بیٹھ کر بہت ہلکی پڑھتے تھے۔ یہ بلکہ پڑھنے کی بات بخاری میں بھی ہے۔

کیا وتر کے بعد دو نوافل بیٹھ کر ہی پڑھے جائیں ؟:۔

جناب امّ سلمہؓ کے علاوہ سیدہ عائشہؓ اور ابو امامہؓ سے بھی یہی روایت کیا گیا کہ یہ نوافل حضور ﷺ بیٹھ کر پڑھتے تھے جس سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کو بیٹھ کر ہی پڑھنا افضل ہے جبکہ حقیقت یہ نہیں۔ حضور ﷺ واقعی بیٹھ کر ہی پڑھتے تھے مگر اس کو افضل تصور کرنے والے اس روایت کو سمجھیں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح مسلم میں روایت ہے ۔ کہ انہوں نے جب حضور ﷺ کو یہ نوافل بیٹھ کر پڑھتے دیکھا تو پوچھا کہ جناب مجھے تو آپ کے حوالے سے کسی نے بتایا ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر

---

[347] أَبْوَابُ الوِترِ بَابُ مَا جَاءَ لَا وِتْرَانِ فِي لَيلَةٍ، ابن ماجہ، زاد ابن ماجہ خفیفین وھو جالس

پڑھنے والے کے مقابلہ میں آدھا ثواب ملتا ہے اور آپ بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ہاں بات تو یہی ہے مگر میں اس معاملہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔

تشریح:۔

یعنی یہ بات درست ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے والے کو آدھا ثواب ملتا ہے مگر میرا معاملہ تم سے الگ ہے اور مجھے بیٹھ بھی پورا ثواب ملتا ہے اور میرے سوا جو بھی ان کو بیٹھ کر پڑھے اس کو آدھا اجر ملتا ہے الہذا معلوم ہوا کہ آدھا اجر لینا ہو تو ان نوافل کو بیٹھ کر اور اگر پورا ثواب لینا ہو تو کھڑے ہو کر پڑھیں۔

''میں تمہاری طرح نہیں''کا مطلب:۔

حضور ﷺ یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں تمھاری طرح انسان اور بشر ہی ہوں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ ''اَیّکُم مثلی ، انّی لستُ کھیتِکم''میری مثل تم سے کون ہے اور میں تمھاری طرح نہیں۔ محمد بن اسحاق نے ثور بن یزید سے مرفوعاً نقل کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان دو سفید پوش افراد میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ ان کو ان کی امت کے دس آدمیوں سے وزن کرو،وزن کیا تو میں بھاری نکلا، پھر کہا سو آدمیوں سے وزن کرو پھر بھی میں بھاری نکلا، ایسے ہی ہزار سے وزن کیا تو بھی بھاری نکلا، پھر کہا کہ بس کرو اگر واللہ ان کو تمام امت سے وزن کرو گے تو یہی وزنی نکلیں گے۔روایت کیا اس کو علامہ اشرف علی صاحب تھانویؒ نے نشر الطیب میں آٹھویں فصل کی روایت نمبر پانچ پر اور سیرت ابن ہشام کا حوالہ بھی دیا۔بخاری ج اکتاب الغسل باب اذا جامع ثم عاد و من دار علی نساء ہٖ فی غسلٍ واحدٍ میں۔روایت ہے کہ حضور ﷺ ایک ہی وقت میں اپنی تمام ازواج کے پاس دورہ (مجامعت) ایک ہی رات دن میں فرمالیتے جب اس حدیث کے راوی قتادہؓ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپکے اندر اتنی طاقت تھی؟ تو انہوں نے فرمایا

ہاں آپ ﷺ میں تیس مردوں کی طاقت تھی ان دنوں ازواج کی تعداد گیارہ یا نو تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں بھی تمھاری طرح بشر ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ نفسِ بشریت وآدمیت اور کچھ عوارضاتِ بشریت میں مماثلت کا اظہار فرمارہے ہیں نہ کہ مقامِ نبوت کی برابری کا اور جب آپ اپنا امتیاز ذکر فرماتے ہیں تو اس سے مراد نفسِ بشریت کی نفی نہیں بلکہ کمالات وفضائل میں آپ دوسروں سے امتیاز بیان فرماتے ہیں، لہذا نہ تو حضور ﷺ کی بشریت کا انکار ممکن ہے اور نہ ہی آپ کے امتیازی فضائل کا جہاں خاص فرشتوں اور انبیاء کو بھی پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

کیا مرد و عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں ؟:۔

نماز کا عمومی حکم اور پھر حضور ﷺ کا عمل سے پڑھ کر دکھانا اور پھر فرمانا کہ اس طرح پڑھو جیسے تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے یہ عام بات ہے اس کے باوجود مرد و عورت کی نماز میں معمولی فرق ہے بنیادی شرائط قریباً ایک ہی ہیں اور احناف عورتوں کو نماز میں معمولی مردوں سے تبدیلی کی بات کرتے ہیں جبکہ عمران ایوب لاہوری صاحب نے اپنی تصنیف نماز کی کتاب میں 171 پر دعویٰ کیا کہ مرد و عورت میں نماز میں کوئی فرق نہیں۔ اب فرق ملاحظہ ہو۔

1:۔ سترِ عورت مرد و عورت کا بالکل الگ ہے اور نماز میں بھی عورت مردوں سے زیادہ سترِ عورت رکھتی ہے اسی ستر عورتکے اضافی ہونے کی وجہ سے ہی معمولی فرق آتا ہے ۔مرد اگر ناف سے گھٹنے تک کپڑا رکھتا ہو تو نماز پڑھ سکتا ہے جبکہ عورت کا سوائے چہرے، ہتھلیوں اور قدموں کے کچھ بھی ننگا نہ ہو اسی امتیاز کی وجہ سے اس کو تعلیم دیتے ہیں کہتبیر تحریمہ کت بعد ہاتھ اپنی اوڑھنی کے نیچے با پردہ کرکے باندھ لے ۔ اسی سترِ عورت کی

غرض سے اس کو سینہ پر ہاتھ باندھنے کا بتاتے ہیں اور یہ عمل خود حضور ﷺ سے ثابت ہے جس پر اعتراض ممکن نہیں اور حضور ﷺ کی مختلف سنتیں بھی زندہ رہیں کیونکہ پھر مردوں اور کچھ پر عورتوں نے عمل کر لیا دوسرا بڑا فرق بیٹھنے کا ہے کہ وہ بائیں قدم پر بیٹھنے کی بجائے پاؤں ایک طرف نکال دے اور چوتڑ پر بیٹھے یہ عمل بھی حضور ﷺ سے بوقت علالت اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بڑھاپے میں ثابت ہے لہذا یہ بھی "صلّو کما رَاَیتُمونی اُصلّی" کے عموم میں داخل ہے کہ حضور ﷺ نے یہ کب فرمایا کہ میری عذر والی نماز کی نقل نہ کرنا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب کسی نے اعتراض کیا کہ یہ کس طرح بیٹھے ہو تو فرمایا میں بوڑھا ہوں قدموں پر نہیں بیٹھ سکتا عورت صنفِ نازک ہے اگر اس طرح بیٹھ جائے تو کیا اعتراض۔

2:۔ عورت کے لیے اوڑھنی لازم مرد کے لیے نہیں۔

3:۔ مردوں کے لیے اگلی صفیں عورتوں کیلیے پچھلی۔ مردوں کی پہلی صف افضل عورتوں کی سب سے پچھلی افضل عورتیں مردوں کی اقتداء میں نماز پڑھتی ہیں مرد عورتوں کی اقتداء میں نہیں۔

4:۔ مرد نماز میں سبحان اللہ سے اشارہ دیتا ہے عورت صرف ہاتھ پر ہاتھ مار کر۔ ابن ماجہ نے نافع سے انہوں نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ " التسبيح للرجال والتصفيق للنسآء" امام بخاری اور ابوداؤد وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ان الفاظ سے روایت کی " التصفيق للنسآء التسبيح للرجال" کہ مرد نماز میں سبحان اللہ کہنے سے اور عورت ہاتھ مارنے سے اطلاع کرے۔ اگر اس روایت کو صحیح مانتے ہو تو ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک بھی اور احادیث میں کچھ فرق تو ہے۔ پھر عورت کا کاندھوں تک ہاتھ اٹھانا یہ سنتِ نبوی سے بھی ثابت ہے کہ حضور ﷺ کاندھوں برابر ہاتھ اٹھائے جب احناف کی عورتیں سنت پر عمل کر رہی ہیں تو اعتراض فضول بن جاتا ہے اور عورت کی پردہ داری بھی اسی میں ہے کہ وہ تحریمہ کے

وقت ہاتھ زیادہ بلند نہ کرے کہ سترِ عورت میں خلل آسکتا ہے اوریوں کہ احناف کے مرد کانوں برابر اور عورتیں کاندھوں برابر ہاتھ بلند کرتی ہیں اس طرح حضور ﷺ کی اس حوالے تمام احادیث پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔ بخاری میں ہے کہ جب عورتیں حضور ﷺ کیساتھ شریک جماعت ہوتیں تو سلام کے بعد مردوں کو اس وقت تک اٹھنے کی اجازت نہ ہوئی جب تک عورتیں چلی نہ جاتیں یہ بھی ان کی ستر پورشی ہے یہی مدعا ہمارا ہے اب اگر آپ کو پسند نہ ہو تو جو چاہو کرو آپ کو کون پابند کر سکتا ہے۔ یہ بھی فرق ہی ہے کہ مردوں کا امام الگ کھڑا ہوتا ہے عورت اگر عورتوں کی امامت کرے تو صفِ اول کے اندر ہو گی کہ الگ کھڑی پر شیطانی نظر الگ سے پڑ سکتی ہے ۔ ثابت ہوا کہ شریعت عورت کو محفوظ بنانا چاہتی ہے یہی ہماری رائے ہے جو شریعت سے ہے ۔اگر احناف کی عورت کاندھوں کی بجائے کانوں تک ہاتھ بلند کتے یا سینہ کی بجائے ہاتھ ناف کے نیچے باندھے جبکہ سینہ پر معقول ہے کہ چھاتی دوپٹے کے نیچے سے ابھری ہوئی نظر نہ آئے یا اگر مردوں کی طرح نماز میں بیٹھ جائے تو احناف نے کب کہا کہ اس کی نماز نہیں ہو گی لیکن آپ تنگ نظر ہیں آپ یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ اگر عورت اہلِ حدیث کی ہو اور احناف کی عورتوں کی طرز پر نماز پڑھے تو ہو جائے گی اگر تنگ نظر نہیں ہو تو اعلان کرو کہ احناف عورتوں کی نماز بھی ٹھیک ہی ہے۔

بیس رکعت تراویح کا بیان:۔

یہاں بھی اہل حدیث بھائی شدید غلط فہمی کا شکار ہیں وہ اس طرح کہ ان کے خیال میں رمضان میں کوئی اضافی نوافل حضور ﷺ سے ثابت نہیں جبکہ رمضان کے فضائل اضافی عبادت کا تقاضا کرتے ہیں اور خود حضور ﷺ کے قول و عمل سے بھی اضافی ترغیب ثابت ہے اگر وہی معمول کے نوافل تھے تو کمر بستہ ہونے کی رمضان میں کیا ضرورت؟ پھر اہل حدیث ایک حدیث سے غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں وہ یہ کہ سیدہ

عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ نوافل تہجد اور تین وتر کل گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے اس بارے حدیث وتر کے باب میں گزر چکی کہ حضور ﷺ سے دس نوافل سوائے وتر کے بھی ثابت ہیں دوسرا یہ کہ ہمیں یہ روایت تسلیم ہے کہ حضور ﷺ رمضان و غیر امضان میں نوافل تہجد اتنے پڑھتے تھے کیونکہ یہ روایت حضور ﷺ کے نوافل تہجد بارے ہے اور صاف بتا رہی ہے کہ اس کا رمضان سے کوئی واسطہ اور خصوصیت نہیں یہ تو عام معمولِ تہجد ہے رمضان اور غیر رمضان میں اس پر تو محترم بحث نہیں۔ ہماری بحث اس کے علاوہ رمضان میں معمول سے اضافی نوافل سے ہے اور ہمارے پاس اس کی دلیل ہے اور آپ کے پاس اپنے عمل کی دلیل نہیں کہ حضور ﷺ ہمیشہ ہر رات لازماً آٹھ ہی نوافل پڑھتے ہوں اور پورا مہینہ جماعت سے پڑھتے ہوں۔ اگر آپ کے پورا مہینہ آٹھ رکعت باجماعت باقاعدگی سے تراویح نوافل کی نیت سے پڑھنے کی دلیل تو انتظار رہے گا اب ہمارے دلائل پیشِ خدمت ہیں۔

1: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً سِوَى الْوِتْرِ۔[348]

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ نبی ﷺ رمضان میں سوائے وتروں کے بیس رکعت پڑھتے تھے بیہقی نے زیادہ کیا کہ بغیر جماعت کے پڑھتے تھے۔

جن روایت میں ہے تین دن جماعت کیساتھ پڑھیں ان سے مراد یہ نہیں کہ بغیر جماعت کے پڑھی ہی نہیں۔ پھر جس روایت سیدہ عائشہؓ سے آپ چپکے ہوئے ہیں اس میں تو جماعت کا نام ہی نہیں اور ہونا بھی نہیں چاہیئے کہ وہ معاملہ ہی الگ ہے اور با جماعت تین کی بات تو امام بخاریؒ بھی تسلیم کرتے ہیں تو جب ایک عمل سنت سے ثابت ہو گیا اسی کو اگر صحابہ معمول بنا لیں تو کیا اعتراض ؟اور جب یہ وضاحت کی

---

[348] المعجم الاوسط للطبرانی باب من اسمہ احمد، ابن ابی شیبہ و والبیہقی زاد البیہقی فی غیرِ جماعۃ

حدیث میں موجود ہے کہ آپ نے تین دن جماعت سے پڑھنے کے بعد یہ وجہ بھی بتائی کہ میں نہیں چاہتا کہ میرے عمل کی وجہ سے تم پر فرض ہو جائے جب حضور ﷺ وصال فرما گئے تو فرض ہونے کا خوف جاتا رہا باقی کوئی وجہ نہ پڑھنے کی تھی نہیں تو صحابہ نے اس کو ٹھیک معمول بنایا صحابہ کا عمل ملاحظہ فرمائیں۔

2:۔ عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ أَنَّهُ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ فِي زَمَانِ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ فِي رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ رَكْعَةً[349]

روایت ہے کہ لوگ عمر بن خطاب ؓ کے زمانہ میں رمضان میں تیئیس 23 رکعتیں یعنی بیس تراویح تین وتر پڑھتے تھے۔

کیا صرف چند سالوں میں صحابہ سنت سے ہٹ گئے تھے جبکہ حضرت عمر جیسا انسان ابھی موجود ہے جناب عثمان و علی ؓ ابھی موجود ہیں اس روایت سے بیس تراویح پر صحابہ کا عملی اجماع ثابت ہو رہا ہے اور وہ بیس رکعت تراویح پڑھ رہے ہیں ممکن ہے صحابہ سے زیادہ آپ شریعت کے رموز اور احادیث کے مفاہیم جانتے ہوں۔

خود امام مالک ؒ مدنی ہیں اور مسجد نبوی کا تواتر سے عمل انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جو آج تک حرمین شریفین میں وہی تواتر چلتا آرہا ہے کیونکہ حرمین کے تواتر کو بدلنا آسان نہیں۔

3: عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: كُنَّا نَقُومُ فِي زَمَانِ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرِ۔[350]

سائب بن یزید سے روایت ہے کہ ہم عمر کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔

---

[349] مؤطا امام مالک (تحقیق محمد فواد عبد الباقی بیروت لبنان) باب ماجاء فی قیام رمضان

[350] السنن الصغیر للبیہقی باب قیام شہر رمضان

4:۔عن أُبیّ ابن کعب ؓ قال انّ عُمرابن الخطاب ؓ اَمَرَهٗ ان تصلّی باللّیل فی رمضان قال انّ الناس یصُومون النهار ولا یحسِنون ان یَقرأُوا فلوقرأتَ علیهم باللیل یا امیرالمؤمنین هذا شیٔ لم یکن فقال فقد عَلِمتُ ولکنّهٗ حسنٌ فصلّی بهم عشرین رکعة۔

عَنْ أُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ أَنَّ عُمَرَ أَمَرَ أُبَیًّا أَنْ یُصَلِّیَ بِالنَّاسِ فِی رَمَضَانَ فَقَالَ إِنَّ النَّاسَ یَصُومُونَ النَّهَارَ وَلَا یحسنون أَن ﴿یقرؤا﴾ فَلَوْ قَرَأْتَ الْقُرْآنَ عَلَیْهِمْ بِاللَّیْلِ فَقَالَ یَا أَمِیرَ الْمُؤْمِنِینَ هَذَا ﴿شَیْءٌ﴾ لَمْ یَکُنْ فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُ وَلَکِنَّهُ أَحْسَنُ فَصَلَّی بِهِمْ عِشْرِینَ رَکْعَةً۔[351]

ابی بن کعب ؓ سے روایت ہے کہ عمر فاروق ؓ نے رمضان میں لوگوں کو تراویح کا حکم دیا اور فرمایا چونکہ لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور قرآن کو اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے۔ بہتر ہے کہ تم اس پر قرآن پڑھا کرو تو جس ابی بن کرب کو حکم دیا جارہا تھا تو حضرت عمر ؓ نے فرمایا میں بھی جانتا ہوں کہ پہلے نہ تھا مگر یہ اچھا کام تو ابی بن کعب نے لوگوں کو بیس رکعت پڑھائیں۔

تشریح:۔

معلوم ہوا سابقہ روایات سے کہ پڑھتے تو پہلے بھی تھے مگر جماعت کا قیام تراویح کیلیے حضرت عمر ؓ کے زمانے سے انہی کے حکم پر ہوا اور سوال کے باوجود انہوں نے اس کو اچھا کیا اور تمام صحابہ نے اس پر عمل کیا کسی کا اختلاف کرنا معلوم نہیں ہوا۔ پھر یہ حدیث بھی صحیح ہے کہ '' علیکم بسنّتی و سُنّت الخلفاء الراشدین المهدین '' کہ ہم پر حضور ﷺ اور خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے اسی پر آج تک حرمین شریفین میں عمل ہے ۔یہاں یہ مغالطہ دینا کہ خلفاء کی وہ سنت ہم پر لازم ہے جو نبی کی سنت ہو یہ درست اس لیے نہیں کہ پھر اس حدیث کا کوئی مطلب باقی نہیں رہتا کہ حضور ﷺ کی سنت

---

[351] رواہ ابن منیع فی صحیحہ، الاحادیث المختارۃ أو المستخرج من الأحادیث، کنز العمال المجلد الثامن صلاۃ التراویح رقم 23471

تو اس حدیث کے بیان سے پہلے بھی لازم تھی پھر اس کی کیا ضرورت۔ دوسری وجہ یہ کہ اگر خلفاء کی وہی سنت لازم ہے جو پہلے سے سنتِ رسول ﷺ ہو تو اس حدیث میں خلفاء کی کیا خصوصیت۔ سنتِ رسول ﷺ تو ہر کسی کیلئے قابل عمل ہے۔ جبکہ سنتِ رسول ﷺ کے علاوہ یہ ان کا خصوصی مقام ہے اور خلفاء راشدین نے اس سے مناسب فائدہ اٹھایا جیسے عثمانؓ نے ایک قرائت پر قرآن کو جمع کرکے باقی سب نسخے جلا دیئے اور جمعہ کے لیے دوسری اذان جاری کی ایسے ہی عمر فاروقؓ نے بیس تراویح کی جماعت جاری کی ان اعمال کو جملہ صحابہ نے قبول کیا۔ اگر آپ کا پھر بھی اصرار ہو کہ صرف سنتِ نبوی میں خلفاءِ راشدین کی اتباع ہے تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔

''مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَلَهُ أَجْرُهَا، وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ۔۔۔ الخ[352]''

کیا اس سے مراد بھی سنتِ نبوی ﷺ کا اجراء ہے؟ یہ حدیث مسلم کی ہے اور صحیح ہے ایسے ہی تیسری حدیث ملاحظہ ہو'' ما راٰہُ المؤمنون حسنًا فهو عند الله حَسَنٌ '' یہ حدیث بھی حسن ہے دیکھیں مشکوٰۃ سے۔ جناب کی خدمت عالیہ میں التماس ہے کہ احادیث سے بھاگنے کی بجائے سمجھیں اور عمل کریں یاد رہے اگر ایک حدیث کو کسی نے جان بوجھ کر بغیر کسی معقول وجہ کے رد کیا تو یہ درحقیقت گستاخی رسول ﷺ ہے اس سے کم از کم بچیں۔ زندگی ہمیشہ نہ رہے گی کل شفاعت کیسے ہو گی؟

5: عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: دَعَا الْقُرَّاءَ فِي رَمَضَانَ فَأَمَرَ مِنْهُمْ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ عِشْرِينَ رَكْعَةً۔[353]

حضرت علیؓ نے قاریوں کو بلا کر ایک کو حکم فرمایا کہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھائیں۔

---

[352] کتاب الزکاۃ باب الحث علی الصدقۃ ولو بشق تمرۃ أو کلمۃ طیبۃ، وأنہا حجاب من النار

[353] البیہقی باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان

بیہقی نے اسی روایت کو عبد الرحمن سلمی سے بھی روایت کیا اور دوسری مرتبہ حضرت ابو الحسناء سے بھی روایت کیا۔

امام ترمذیؒ کی شہادت بھی پیشِ خدمت ہے۔

ترمذی شریف میں باب القیام فی شہرِ رمضان میں ہے

وَأَكْثَرُ أَهْلِ العِلْمِ عَلَى مَا رُوِيَ عَنْ عُمَرَ، وَعَلِيٍّ، وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِشْرِينَ رَكْعَةً، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ، وَابْنِ المُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ وقَالَ الشَّافِعِيُّ: وَهَكَذَا أَدْرَكْتُ بِبَلَدِنَا بِمَكَّةَ يُصَلُّونَ عِشْرِينَ رَكْعَةً۔ [354]

اکثر اہلِ علم صحابہ جیسے علیؓ و عمرؓ و غیرہما سے بیس رکعت تراویح ہی روایت کی گئی ہے سفیان ثوری، اُبن المبارک اور امام شافعیؒ سے بھی بیس رکعتیں ہی روایت ہوئیں امام شافعیؒ مزید فرمایا کہ میں نے مکہ والوں کو بھی بیس تراویح پڑھتے پایا۔ جو آج بھی الحمد اللہ پڑھ رہے ہیں۔

امام ترمذیؒ نے بات کو پوری وضاحت سے بیان کیا اور ہماری پچھلی تمام پیش کردہ روایات کی تائید کر دی اور امام شافعیؒ نے بھی مکہ والوں کا عمل اپنے مشاہدہ سے بیان کر دیا اب کیا شک باقی رہا؟

جمہور علماء کا قول:۔

عمدہ القاری شرح بخاری جلد پنجم پر رقم طراز ہیں کہ

[354] أبواب الصوم عن رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ باب ماجاء فی قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ

وَقَالَ ابْن عبد الْبر: وَهُوَ قَول جُمْهُور الْعلمَاء، وَبِه قَالَ الْكُوفِيُّونَ وَالشَّافِعِيّ وَأَكْثر الْفُقَهَاء، وَهُوَ الصَّحِيح عَن أبي بن كَعْب من غير خلاف من الصَّحَابَة۔[355]

ابن عبد البرؒ نے کہا اور یہی جمہور علماء اور کوفیوں اور امام شافعیؒ اور اکثر فقہاء کا قول ہے یہی صحیح ہے ابی بن کعب سے اور صحابہ سے کسی نے اس میں اختلاف نہ کیا ۔

اور امام بیہقیؒ نے اسناد صحیح کیساتھ صحابہ کا بیس تراویح پر اجماع نقل کیا کہ دورِ فاروقی اور علیؓ اور عثمانؓ کے دور میں بیس تراویح پڑھتے تھے جس میں کسی صحابی کا کوئی اختلاف نہ تھا۔

سائب بن یزید کی روایت کا جواب:۔

میں نے امام مالکؒ سے یزید بن رومان کے حوالے سے بیس رکعت پر حضرت عمرؓ کے دورِ مبارک میں روایت پیش کی اور اسی موطاء امام مالک میں اسی یزید بن رومان کے بیٹے سائب بن یزید کی سند سے حضرت عمرؓ کے حکم سے گیارہ رکعت کی روایت بھی موجود ہے جس کے دو جواب ہیں۔ایک یہ کہ اس روایت میں ایک راوی محمد ابن یوسف ہیں جن کی روایات میں شدید اضطراب ہے وہ اس طرح کہ امام مالکؒ نے یہاں ان سے گیارہ رکعت روایت کیں جبکہ محمد ابن نصر مروزی نے انہی سے تیرہ رکعتیں روایت کیں اور محدث عبدالرزاق نے انہی سے اکیس رکعتیں فرمائیں یہ تمام کچھ فتح الباری شرح بخاری ج4 ص18 مطبوعہ خیریہ مصر میں ملاحظہ فرمائیں،لہذا ان کی روایت کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

---

[355] عمدۃ القاری شرح بخاری باب فضل من قام رمضان

دوسرا جواب یہ ہے کہ چونکہ اس حوالے سے حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے معمولات ہی الگ الگ رہے ہیں کبھی گیارہ کبھی اس سے کم اور کبھی تیرہ یہ روایت میں وتر کے باب میں ذکر کر چکا تو مختلف معمولات نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی وجہ سے عین ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ شروع میں گیارہ کا عمل پھر تیرہ اور پھر بیس کا اختیار فرمالیا ہو کہ موطا امام مالکؒ ہی میں ہے کہ۔

وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ سُورَةَ الْبَقَرَةِ فِي ثَمَانِ رَكَعَاتٍ فَإِذَا قَامَ بِهَا فِي اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً رَأَى النَّاسُ أَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ۔[356]

کہ پہلے قاری آٹھ رکعت میں پوری سورۃ بقرہ پڑھتے تھے پھر جب اس قاری نے سورۃ بقرہ بارہ رکعتوں میں پڑھی تو لوگوں نے اسے آسانی محسوس کیا۔

ایسی آسانی کے پیشِ نظر جناب عمر فاروقؓ نے پھر بیس رکعت کا معمول اختیار کیا جس کا حوالہ دے چکا ہوں ایسی ہی توجیہ و تطبیق ملاء علی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ان مختلف روایات کو دی ہے جو سمجھ آتی ہے جہاں تک سیدہ عائشہؓ کی رمضان وغیر رمضان بارے روایت کا تعلق ہے اس پر بات گزر چکی کہ وہ خاص تہجد کے حوالے سے ہے تبھی اس میں رمضان وغیر رمضان کی بات ہے کہ تراویح غیر رمضان میں تو نہیں ہوتی گویا وہ روایت ہی الگ عمل کے بارے میں ہے اور بخاری میں اسی روایت کے آخر میں صراحت ہے کہ سیدہ عائشہؓ نے پوچھا جناب آپ وتر سے پہلے سو کیوں جاتے ہیں تو حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا میری صرف آنکھیں سوتی ہیں جبکہ دل بیدار رہتا ہے یعنی وضو کے ٹوٹنے سے باخبر رہتا ہوں اور وتر آپ آخری رات ہی پڑھتے جبکہ نوافل تراویح تو اول رات میں ادا ہوتی ہے دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جب دورِ فاروقی میں جملہ صحابہ بیس تراویح پڑھنے لگے تو اگر مائی صاحبہ کا مذکورہ روایت سے مراد گیارہ تراویح ہوتیں

---

[356] موطا امام مالک باب ماجاء فی قِیَامِ شَہرِ رَمَضَان

تو اعتراض کیوں نہ کیا۔ یہ بھی بات سمجھنے کی ہے کہ صحابہ کبار بھی تو حضور ﷺ کے جملہ احکامات و معمولات سے باخبر تھے پھر جناب عمر و عثمان و علیؓ کے دور خلافت میں بیس رکعت کیسے پڑھیں۔ معلوم ہوا کہ آج چودہ سو سال بعد مسئلہ ہمیں سمجھ نہیں آرہا صحابہ اور بالخصوص خلفاء کو تو سمجھ آہی گیا تھا۔ یہ کیسے تسلیم کریں پاس زندگی بسر کرنے والے جلیل القدر صحابہ کو ایک بات سمجھ نہ آئے آج چودہ سو سال بعد ہم کو سمجھ آجائے۔ یہ ہماری سمجھ کی نادانی ہے صحابہ کرام کا عمل گردوغبار سے پاک ہے۔

نماز جنازہ کا بیان

نماز جنازہ کی اہمیت و ضرورت:۔

اسلام کی نظر میں انسان انتہائی مُعزز و محترم مخلوق ہے۔ جس کے پیش نظر اسلام انسانی تکریم واحترام کی ہمہ وقت تعلیم دیتا ہے اور اسلام کی ساری تعلیمات سے مقصود انسان کی خیر خواہی اور بھلائی سے یہی وجہ ہے کہ اسلام کہ اسلام انسان کو اُس وقت سے تحفّظ فراہم کرتا ہے جب اِنسان ماں کے پیٹ میں ایک بے جان گوشت کالوتھڑہ ہوتا ہے اسر جب پیدا ہوتا ہے تو اس کو پاک صاف کرکے اس کے کان میں اذان کے بامقصد و پاکیزہ کلمات کہنے کی تعلیم دیتا ہے اور پھر اس کی پیدائش پر صدقہ و قُربانی کی ترغیب دیتا ہے درحقیقت یہ اسلام کا استقبال ہے جو ہر آنے والے انسان کا کرتا ہے۔ پھر ساری زندگی اس کے مال جان اور آبرو کو تحفظ دیکر اس کو امن و سکون اور راحت و آرام پہنچاتا ہے اور اس کو اتنا تحفظ دیتا ہے کہ ساری زندگی اس کی غیر موجودگی میں ایسا ایک لفظ بھی بولنے کی اجازت نہیں دیتا جس سے اس کی عزّت مجروح ہو ایسے ہی جب انسان حیات مُستعار کا مقرر وقت پورا کرکے جہانِ فانی سے کوچ کرتا ہے توتب بھی اسلام اس کو

ایسی تکریم و تعظیم سے خاک کے حوالے کرتا ہے کہ اس سے کوئی خوبصورت و احسن انداز ہو ہی نہیں سکتا۔ اور پھر اس کی قبر کا تحفظ بھی کرتا ہے کہ اس کو مٹانے کی اجازت دیتا ہے نہ اس پر مکان تعمیر کرنے اور اس پر بیٹھنے کی اجازت دیتا ہے۔ جب انسان دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اسلام فوراً اس کے ہاتھ پاؤں درست کرنے اور آنکھیں بند کرنے کی تعلیم دیتا ہے کہ کھلی آنکھیں نازیبا نظر نہ آئیں اور وقتِ مرگ کلمہ کی تلقین اور سورہ یسین و رعد کی تلاوت کی تعلیم بھی اُسی کے مفاد میں کہ اس کا آخری کلام کلمہ طیبہ ہو اور جان کُنی میں آسانی ہو پھر اس کو باقاعدہ انتہائی باپردہ غسل اور پھر خوشبو سمیت نیا لباس کفن کی شکل میں پہنا دیتا ہے اور پھر اس کو نماز جنازہ کی صورت میں آخری سلامی پیش کرتا ہے اور اہلِ ایمان کی نیک دعاؤں کا تحفہ اس کے ساتھ بھیجتا ہے کہ لمبے اور مشکل سفرِ آخرت میں زادِ راہ بن سکے اور تمام قریبی مسلمانوں کو پابند کرتا ہے کہ اس کی آخری سلامی یعنی جنازہ میں شرکت کریں اور اس کے جنازہ کو کاندھا دینے پر اجر عطا فرماتا ہے کہ مسلمان بڑھ چڑھ کر اس کو کاندھا میں ایسے ہی جنازہ میں شرکت اور پھر تدفین میں شرکت پر اجر عطا فرماتا ہے تاکہ انتہائی اعزاز سے اِس مسافر کو خاک کے حوالے کیا جاسکے۔

سچ کہا کسی شاعر نے:۔

آتے ہوئے اذاں جاتے ہوئے نماز اتنے ہی قلیل وقت میں آئے اور چلے گئے۔

نماز جنازہ فقہ حنفی کی روشنی میں:۔

’’وَیقوم المصلّی بِحذاء صدر المیت والصلوٰۃُ ان یُکَبِّرَ تکبیرۃً یَحمِدُ الله تعالیٰ عَقِیْبَھا ثُمَّ یُکَبِّرُ تکبِیْرۃً وَیُصلّی علی النّبی ﷺ ثُم یُکَبِّرُ تکبیرۃً ثالثۃً یَدْعُو فِیْھا لِنَفْسِہٖ وللمیتِ وَللمسلمینَ ثُمّ یُکَبِّرُ تکبیرۃً رابِعَۃً ویُسلّمُ وَلا یَرْفع یدیہِ الّا فی التکبیرۃِ الاُولیٰ‘‘۔[357]

ترجمہ:۔ امام میّت کے سینے کے برابر کھڑا ہو اور یُوں نماز پڑھے کہ تکبیر کہے بعد از تکبیر حمد باری تعالیٰ کرے پھر تکبیر کہے اور نبی ﷺ پر درود پڑھے پھر تکبیر کہے اور دُعا کرے اپنے لئے اور میّت کے لئے اور عام مسلمین کے لئے پھر چوتھی تکبیر کے اور سلام پھیر دے اور ہاتھ صرف پہلی تکبیر پر بلند کرے۔

تشریح:۔

اس سے ظاہر ہوا کہ احناف کے نزدیک جنازہ بصورتِ نماز صف در صف کھڑے قبلہ رو جماعت کے ساتھ حمد باری تعالیٰ درود شریف اور دعاؤں کا نام ہے۔ اس کی تائید میں حدیث پیش ہے۔

إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَحْمِيدِ اللهِ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ، ثُمَّ لْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ لْيَدْعُ بَعْدُ بِمَا شَاءَ۔[358]

ترجمہ:۔ یعنی جب تم میں سے کوئی دُعا کرے تو حمد و ثناءِ رب سے شروع کرے ۔پھر درود شریف پڑھے اور پھر جو چاہے دعا مانگے۔

---

[357] المختصر القدوری باب الجنائز

[358] الترمذی أبواب الدعوات عَن رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وسَلَّم

اسی فقہی عبارت اور حدیث کی روشنی میں احناف پہلی تکبیر کے بعد حمد باری تعالیٰ پر مشتمل کوئی بھی عبارت پڑھ سکتے ہیں یہی احناف کی ظاہر روایت ہے۔ ملاحظہ ہو المختصر القدوری شرح المختصر القدوری باب الجنائز حاشیہ نمبر 10 پر۔ جبکہ بعض احناف نے کہا کہ پہلی تکبیر کے بعد وہی ثناء پڑھے جو عام نمازوں کے افتتاح میں پڑھتے ہیں یہ بات امام حسنؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی اور اسی روایت نے ظاہر کیا کہ ثناء میں وجلّ ثناءُک کالفظ زیادہ نہ کیا جائے اس لئے کہ یہ لفظ روایت میں غیر محفوظ ہے۔ یہ عبارت بھی میں نے مذکورہ حوالہ سے نقل کی۔

اس سے یہ اختلاف بھی ختم ہوا کہ جنازہ میں وجلّ ثناء ک پڑھنا چاہیئے یا نہیں ۔ ہاں اگر اس لفظ کی تلاش ہو تو جامع الفردوس میں ملے گا مگر ضعیف ۔ لہذا صاف بات یہ ہے کہ احناف عام نمازوں میں معمول ثناء پر ہی اکتفاء کریں۔

دوسری تکبیر کے بعد درود شریف کے الفاظ:۔

جیسا کہ مذکورہ فقہی عبارت سے ظاہر ہے کہ دوسری تکبیر کے بعد نبی ﷺ پر درود پڑھے اور درود شریف کے الفاظ بھی عین وہی ہیں جو عام پنجگانہ نمازوں میں پڑھا جاتا ہے۔ ہاں یاد رہے کہ نمازِ جنازہ میں درود شریف اتنا ہی کافی ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْد۔

لیکن اگر آگے بھی پڑھے تب بھی درست ہے

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْد۔ [359]

---

[359] المختصر الضروری شرح المختصر القدوری باب الجنائز

جبکہ امام محی الدین یحیی شرف النوویؒ نے ریاض الصالحین میں باب مایُقرا ءفی صلوٰۃ الجنازۃِ میں درود شریف صرف پہلے انّک حمید مجید تک فرمایاہے۔ ثابت ہوا کہ جن الفاظ سے درود شریف عام نمازوں کی چھوٹی کتابوں میں ملتا ہے لازم نہیں کہ ان الفاظ سے پڑھا جائے بلکہ یہی درود افضل ہے جو حضور ﷺ نے عام نمازوں میں تعلیم فرمایاہے۔

تیسری تکبیر کے بعد دعا پڑھے:۔

تیسری تکبیر کے بعد اپنے لئے میّت کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے دُعا کا محل ہے۔ اپنے لئے دعا مانگنا یہ قرآن کی کئی آیات سے ثابت ہے کہ جہاں دوسروں کے لئے آپ دُعا کرتے ہیں تو سب سے پہلے آپ کو رحمت الٰہی کی حاجت ہونی چاہیئے لہٰذا اپنے لئے پہلے دُعا کریں، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کی اپنے حق میں دُعا اور استغفار قبول ہو گا۔ تو آپ کی زبان اس قابل ہو گی کہ میّت کے لئے دُعا کریں اور وہ بھی قبول ہو۔

چند اٰیات بطور مثال پیش ہیں:۔

ربّنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقُونا بالایمان ، ربّنا اغفرلی ولوالدَیَّ وللمؤمنین ، ربّنا اغفرلی ولوالدیّ ولمن دخل بیتیَ مؤمنًا۔۔ ، ربّنا اغفرلی ولاخی۔

تیسری تکبیر کے بعد چونکہ موقعِ دُعا ہے تو یہاں کوئی دُعا مخصوص نہیں ۔ احادیث میں دعائیں جہاں ملتی ہیں کہ کسی جنازہ پر حضور ﷺ نے کوئی دعا پڑھی اور کسی پر کوئی دوسری دعا۔

ہمارے فقہاء نے بھی ان تمام دُعاؤں کو ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو بہارِ شریعت مولانا امجد علی مرحوم سے ۔اور احادیث کے مطالعہ سے ہی یہ بھی بات نظر آئی کہ احادیث میں موجود چند دُعائیں کسی ایک جنازہ پر سب پڑھ دینا حضور ﷺ کی سنت

نہیں بلکہ کوئی سی ایک دعا پڑھنا معمول تھا۔ انہی مختلف دُعاؤں میں سے جو عام معمول و مروج ہے وہ یہ ہے۔

عن أبي هريرة وأبي قتادة وأبي إبراهيم الأشهلي عن أبيه، وأبوه صحابي رَضِيَ اللهُ عَنهُم عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّم أنه صلى على جنازة فقال اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا، وَمَيِّتِنَا، وَشَاهِدِنَا، وَغَائِبِنَا، وَصَغِيرِنَا، وَكَبِيرِنَا، وَذَكَرِنَا، وَأُنْثَانَا، اللَّهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ، اللَّهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ، وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ۔ [360]

روایت کیا اس دعا کو ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابراہیم الاشہلی کی روایت سے اور روایت کیا اسی کو ابو داؤد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور اور ابو قتادہؓ کی سند سے۔ حاکم نے کہا کہ یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری و مسلم دونوں کی شرط پر صحیح ہے۔ اور امام الترمذیؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ یہ روایت سب سے زیادہ ابراہیم الاشہلیؒ کی روایت سے صحیح ہے۔ امام نوویؒ نے ریاض الصالحین باب یُقراء فی صلوٰۃِ الجنازۃ میں جنازہ سے متعلق اور اس میں دعاؤں کو جمع فرمایا اور کسی حدیث کی سند پر اتنی بحث نہ کی جس قدر اس مذکورہ دُعا بارے روایت پر بحث کرکے اس کو ثقہ بتایا جس سے احناف میں معروف و معمول دُعا کی امتیازیت ظاہر ہوتی ہے۔

اسی دعا کے الفاظ نے ہماری فقہ حنفی کی عبارت کہ مقامِ دعا پر اپنے لئے میت کے لئے اور عام مسلمین کے لئے دعا کی جائے کی خوب مکمل تائید کر دی کہ اس دعا میں اپنے لئے پھر میت کے لئے پھر تمام مسلمانوں کے لئے دعا کی گئی ہے جبکہ باقی دعاؤں میں یہ جامع انداز نظر نہیں آیا۔ امام نوویؒ بھی ہماری تائید میں فرماتے ہیں کہ

---

[360] ریاض الصلحین کتاب عیادۃ المریض وتشییع المیت والصلاۃ علیہ وحضور دفنہ والمکث عند قبرہ بعد دفنہ باب مایقرأ فی صلاۃ الجنازۃ

ثُمَّ یُکَبِّرُ الثالثۃ وَیَدْعُوا للمیّت وللمسلمین۔[361]

کہ تیسری تکبیر کے بعد میّت کے لئے اور مسلمین کے لئے دُعا کی جائے۔

چوتھی تکبیر کے بعد کیا کرے:۔

جیسا کہ ہماری فقہی عبارت سے ظاہر ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہ پڑھے بلکہ دائیں بائیں سلام پھیر دے۔ یہی ہمارا احناف کا ظاہرُ المذھب ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہ پڑھے سلام پھیر دے۔ جبکہ ہمارے بعض مشائخ نے اس بات کو مُستحسَن جانا کہ چوتھی تکبیر کے بعد

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّار۔ پڑھے اور بعض نے

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا الی الخر

پڑھنی بتائی اور بعض نے

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ O وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ O وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

تک مگر یہ احناف کا ظاہر مذھب نہیں۔

جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے بعد تکبیرات پر ہاتھ بلند نہ کرے:۔

احناف پہلی تکبیر کے علاوہ باقی تکبیراتِ جنازہ پر ہاتھ بلند کر کے رفع یدین نہیں کرتے حدیث کی بنیاد پر جو یہ ہے۔

---

[361] ریاض الصلحین کتاب عیادۃ المریض وتشیع المیت والصلاۃ علیہ وحضور دفنہ والمکث عند قبرہ بعد دفنہباب مایقرأ فی صلاۃ الجنازۃ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ عَلَى الْجِنَازَةِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُودُ[362]

عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ جنازہ پر پہلی تکبیر پر ہاتھ بلند فرماتے پھر نہ فرماتے۔

چوتھی تکبیر کے بعد دعا کا مسئلہ:۔

ہم تو چوتھی تکبیر کے بعد فورًا اسلام پھیرنے کی بات کرتے ہیں دعا کی نہیں جبکہ امام نوویؒ نے چوتھی تکبیر کے بعد دعا کی بات تو ضرور کی مگر تمام دعائیں تیسری تکبیر کے بعد بیان کیں چوتھی تکبیر کے بعد ان کے پاس کوئی روایت نہ تھی اور نہ ہی ذکر کی اور جو ایک روایت بیان بھی کی وہ ہماری تائید کر رہی ہے جبکہ امام نوویؒ کے حدیث کے مطالعہ اور شرح میں اپنا ایک خاص مقام ہے جب ان کے پاس یہاں کچھ نہیں تو کسی اور کے پاس کیا ہوگا۔ جو روایت انہوں نے پیش کی وہ یہ ہے۔

عن عبد الله بن أبي أوفى رَضِيَ اللهُ عَنهُ: أنه كبر على جنازة ابنة له أربع تكبيرات فَقَامَ بَعْدَ التَّكْبِيرَةِ الرَّابِعَةِ بِقَدْرِ مَا بَيْنَ التَّكْبِيرَتَيْنِ يَسْتَغْفِرُ لَهَا وَيَدْعُو، ثُمَّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ هَكَذَا۔[363]

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیؓ نے اپنی بچی کے جنازہ پر چار تکبیریں پڑھیں چوتھی کے بعد دو تکبیروں کے مابین کی مقدار کھڑے استغفار اور دعا کرتے رہے پھر فرمایا حضور ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔

---

[362] دار قطنی کتاب الجنائز باب وضع الیمنی علی الیسری ورفع الایدی عند التکبیر

[363] ریاض الصالحین کتاب عیادۃ المریض وتشییع المیت والصلاۃ علیہ وحضور دفنہ والمکث عند قبرہ بعد دفنہ باب مایقرأ فی صلاۃ الجنازۃ

اس روایت کو خود ہی اگلی روایت سے ضعیف ثابت کر دیتے ہیں اس سے آگے فرماتے ہیں۔

وفی روایة، کبر أربعاً فمکث ساعة حتی ظننت أنه سیکبر خمساً ثم سلم عن یمینه وعن شماله، فلما انصرف قلنا له: ما هذا؟ فقال: إنی لا أزید علی ما رأیت رَسُول اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَسَلَّم یصنع، أو هکذا صنع رَسُول اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَسَلَّم۔[364]

ایک روایت کہ مطابق عبد اللہ بن ابی اوفیؓ نے چوتھی تکبیر کہی توڑ کے رہے کچھ دیر یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ یہ ابھی پانچویں تکبیر کہیں گے مگر انہوں نے دائیں بائیں سلام پھیرا اور ہماری طرف پھر کر فرمایا کہ جو کچھ میں نے حضور ﷺ کو کرتے دیکھا تھا اس سے کچھ زیادہ نہ کیا۔

اس کو امام حاکمؒ نے روایت کیا اور حدیث حسن صحیح کہا جس سے ثابت ہوا کہ ایک تو جنازہ کی تکبیرات صرف چار ہیں۔ جس پر بخاری میں کئی روایات ہیں دوسرا یہ معلوم ہوا کہ چوتھی کے بعد کھڑے تو لمحہ بھر ہوئے مگر پڑھا کچھ نہیں۔ اس روایت کو حاکمؒ نے صحیح کہا جس سے ظاہر ہے کہ اوپر والی صحیح نہیں کہ وہ اس کے خلاف ہے اور وہ محفوظ بھی نہیں کہ اس میں بات ہی نامکمل ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد دعا کا ذکر ہے مگر سلام کا ذکر کیے بغیر بات شروع کی گئی ہے۔ پھر جنازہ سے فراغت کے بعد دونوں روایات میں ان کی وضاحت ظاہر کرتی ہے کہ یہ ان کا تفرّد ہے معمول نہیں ورنہ وضاحت کرنے یا مقتدیوں کو حیران ہونے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

---

[364] رواہ حاکم وقال حدیث حسن صحیح۔ ریاض الصالحین کتاب عیادة المریض وتشییع المیت والصلاة علیه وحضور دفنه والمکث عند قبره بعد دفنه باب مایقرأ فی صلاة الجنازة

جآء الحق کی پیش کردہ روایت کی حقیقت:۔

مولانا احمد یار خان گجراتیؒ نے جاء الحق حصّہ اول باب دعا بعد از نماز جنازہ کی تحقیق ۔ میں عبد اللہ بن ابی اوفیؓ کی روایت کا پہلا انداز بیان کرنے کی کوشش فرمائی مگر روایت کے الفاظ عربی عبارت میں نامکمل رہے جبکہ ترجمہ میں ان کو ذکر کر دیا گیا ہے عین ممکن ہے کہ کاتب سے یہ الفاظ درج کرنا بھول گئے ہوں۔ البتہ جو الفاظ انہوں نے جاء الحق میں ذکر کیے ان کا ترجمہ یہ نہیں جو مولانا نے کیا ہے ۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہاں عبد اللہ بن ابی اوفیٰ سے دو راوی روایت کرتے ہیں پہلا ضعیف اور دوسرا اقوی ہے امام حاکم نے اس کو صحیح کہا اور بات بھی اس نے مکمل اور محفوظ کی جبکہ مولانا احمد یار گجراتیؒ نے ثقہ روایت کو چھوڑ کر ضعیف اور نامکمل روایت سے استدلال کیا اور جو استدلال کیا وہ بھی قبول اس لئے نہیں کہ انہوں نے اس روایت سے نمازِ جنازہ کا سلام پھر جانے کے بعد دعا ثابت کرنے کی کوشش کی جبکہ یہ بات سلام کے بعد کی نہیں بلکہ چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے کی ہے۔ لہذا ان مذکورہ وجوہات سے ان کا استدلال مناسب نہیں۔

جنازہ کیا نماز ہے یا دعاء؟:۔

اس بارے انصاف کی بات یہ ہے کہ جنازہ من وجہ نماز ہے کہ اس کے لئے طہارت ، قیامِ جماعت ، قبلہ رُو ہونا ، کپڑوں کی طہارت ، صف بندی اور تکبیرات وسلام اس میں موجود ہیں لہذا مطلق نماز ہونے کا انکار مناسب نہیں جبکہ دوسری نظر سے اگر دیکھا جائے تو کئی وجوہات سے یہ باقاعدہ عمومی نمازوں کی طرح ہر گز نماز نہیں بلکہ یہ ایک طرح کی اندازِ نماز سے دُعا ہے ۔ اس لئے کہ تمام نمازوں کے اوقات مقرر ہیں اس کا کوئی وقت نہیں سوائے اوقاتِ مکروھہ کے رات ہو یا دن جنازہ جائز ہے پھر اس میں قراءت ، اذان واقامت ، رکوع ، سجود ، تشہد قومہ

وجلسہ وغیرہ کچھ نہیں اور یہ فرض نمازوں کی طرح سب پر فرض بھی نہیں اور نہ ہی اس کے آخر میں سجدہ سہو جیسی کوئی چیز ہے۔ پھر اس کی میّت سامنے رکھ کر پڑھنا اور قبر پر پڑھنا بھی ثابت ہے جبکہ باقی نمازیں نہ قبروں پر ہوتی ہیں نہ میّت کے برابر ہوتی ہیں لہٰذا اس کے دُعا کا پہلو غالب نظر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ نہ امام بخاری نے صلوۃ الجنازہ کا باب قائم کیا اور نہ ہی ہمارے فقہاء نے اس کو صلوۃ الجنازہ کہا بلکہ امام بخاریؒ نے کتاب الجنائز کا لفظ استعمال کیا اور ہمارے فقہاء نے باب الجنائز بتایا حالانکہ یہاں نماز کے حوالے سے صلٰوۃ الکسوف، صلٰوۃ الاستسقاء اور صلٰوۃ الخوف پیچھے سے چل رہے ہیں تو یہاں صلٰوۃ الجنازہ کا لفظ استعمال ہوتا مگر ایسا نہیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ عوام میں نماز جنازہ کیوں مشہور ہے۔

تو عرض ہے کہ عوامی الفاظ کا شرع میں کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا۔ عوام صرف اس لئے نماز کہہ رہے ہیں کہ امام ہے جماعت ہے اور صف بندی ہے باقی عوام کیا جائیں۔ اور علماء تو بخوبی جانتے ہیں صلٰوۃ صرف نماز کو ہی نہیں کہتے بلکہ دُعا کو بھی عربی میں صلٰوۃ ہی کہتے ہیں جس کا اُردو ترجمہ دُعا یا نماز دونوں کر لئے جاتے ہیں مگر مناسبت کا لحاظ رکھا جاتا ہے یہاں صلٰوۃ کا ترجمہ دُعا کرنا ہی مناسب ہے نہ کہ نماز کیونکہ یہی لفظ قرآن میں بھی استعمال ہو رہا ہے پیشِ خدمت ہے۔

سورہ نور میں ہے۔

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ [365]

---

[365] نور:41

ہر چیز اپنی دُعا اور تسبیح کرنا خوب جانتی ہے۔یہاں صلوٰۃ ترجمہ دُعا ہے کہ نماز تو ظاہر ہے ہر چیز نہیں پڑھتی۔ پھر خاص کر جب صلوٰۃ کا صلہ علیٰ ہو تو خاص معنی دُعا ہی ہوتا ہے۔جیسے

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتُہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔[366]

یہاں دونوں جگہ معنی نماز نہیں کہ اللہ اور ملائکہ بھی نماز پڑھتے ہیں حضور ﷺ کی اور اے ایمان والوں تم بھی حضور ﷺ کی نماز پڑھو بلکہ یہاں معنی نزولِ رحمت اللہ تعالیٰ کے لئے اور ملائکہ اور اہل ایمان انسانوں کی طرف سے دُعا ہے۔ جو حضور ﷺ کے حق میں نزول رحمت کے لئے کی جاتی ہے۔اسی سورہ احزاب میں میں ہے۔

ھُوَالَّذِیْ یُصَلِیْ عَلَیْکُمْ وَمَلَائِکَتُہٗ۔[367]

وہی اللہ ہے جو تم پر رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے تمہارے حق میں نزولِ رحمت کی دُعا کرتے ہیں نہ کہ یہ معنی ہے کہ اللہ بھی تمہاری نماز پڑھتا ہے اور اس کے فرشتے بھی۔ سورۃ التوبہ ایت 103 میں ہے۔

وَصلِّ علیھم انّ صلوٰتَکَ سکنٌ لھم۔

اے رسول ﷺ آپ دُعا کریں اِن کے لئے بے شک آپ کی دُعا ان کے لئے باعث تسکین ہے۔ یہاں دونوں جگہ صلوٰۃ کا معنی دعا ہے نہ کہ نماز اس لئے کہ جب صلوٰۃ کا صلہ علیٰ ہو تو معنی دعا ہی کیا جا سکتا ہے اور نماز جنازہ کا صلہ بھی علیٰ ہے جیسے

ولا تُصلِّ عَلٰٓی احدٍ منھم مات ابدًا ولا تَقُمْ عَلیٰ قبرہٖ۔[368]

---

[366] سورۃ احزاب

[367] سورۃ احزاب

[368] التوبہ آیت 84

اور نہ پڑھیے جنازہ کسی پر ان منافقین میں سے جو مر جائے کبھی بھی اور نہ ان کی قبر پر کبھی کھڑے ہوں۔

اسی آیت کے مفہوم مخالف سے جنازہ ثابت ہے۔

نمازوں کی نسبت اللہ کی طرف جبکہ جنازہ کی نسبت میت کی طرف ہوتی ہے:۔

ملاحظہ فرمائیں جب نمازوں کی بات ہوئی تو فرمایا۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ[369]
یعنی نماز اللہ رب العالمین کے لئے ہے پھر فرمایا

اَقِمِ الصلوٰۃَ لِذِکرِیْ۔
نماز میرے ذکر کے لئے قائم کرو۔

جبکہ جنازہ ذکرِ خداوندی کی غرض سے نہیں بلکہ دُعاء للمیّت کی غرض سے ہوتا ہے اور ذکر الہٰی تبرکًا شامل دُعا ہوتا ہے۔ اور جنازہ پر دعا کی نسبت اللہ کی بجائے میت کی طرف ہوتی ہے جیسے زید عمرو بکر کا جنازہ نہ کہ اللہ تعالیٰ کا جنازہ۔ احادیث سے بھی جنازہ کا دعا ہونے کا پہلو غالب نظر آتا ہے ملاحظہ ہو۔

1۔ عَنْ أَبِی ہُرَیْرَۃَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّہِ صَلَّی اُللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَقُولُ: إِذَا صَلَّیْتُمْ عَلَی الْمَیِّتِ فَأَخْلِصُوا لَہُ الدُّعَاء ۔[370]

---

[369] الانعام۔163

[370] ابوداؤد کتاب الجنائز باب الدعاء للمیت وغیرہ

جب تم میت پر نماز پڑھو تو خاص اُسی کے لئے دعا کرو۔ یہاں بھی صلّی کا صلہ علی ہے جو دعا کو ظاہر کرتا ہے۔ جس کا ترجمہ یوں بھی ہے کہ جب تم میت پر دعا کرو تو پورے خلوصِ دل سے اس کے لئے دعا کرو۔

2۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی اسی ابو داؤد میں روایت ہے کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک جنازہ پر دعا پڑھی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

جِئْنَاکَ شُفَعَاء َ فَاغْفِرْ لَہُ ۔[371]

کہ ہم سارے جنازہ کی صورت میں تیرے حضور حاضر ہی اس مقصد کیلئے ہوئے کہ ہم میّت کی سفارش کریں

لہٰذا اس کی بخشش فرما۔ ان دونوں احادیث نے جنازہ کی دعا ہونے کے پہلو کا واضح کر دیا ۔چونکہ جنازہ میں نماز کی بجائے دعا کا پہلو غالب ہے اسی لئے جنازہ میں تلاوتِ قرآن نہیں جبکہ نمازوں سے اصل مقصود تو تلاوت قرآن ہی ہوتا ہے باقی اس کے توابع ہوتے ہیں ملاحظہ ہو۔

أَنَّ عَبْدَ اللہِ بْنَ عُمَرَ کَانَ لاَ یَقْرَأُ فِی الصَّلاَۃِ عَلَی الْجِنَازَۃِ ۔[372]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جنازہ میں تلاوتِ قرآن نہ کرتے تھے۔

اس حوالے سے عینی شرح بخاری ج2 باب قرأۃ الفاتحہ علی الجنازہ ایک عبارت ملاحظہ ہو۔

وَمِمَّنْ کَانَ لَا یقْرَأ فِی الصَّلَاۃ علی الْجِنَازَۃ وینکر: عمر بن الْخطاب وَعلی بن أبی طَالب وَابْن عمر وَأَبُو هُرَیْرَۃ، وَمن التَّابِعین: عَطاء وطاووس وَسَعِید بن الْمسیب وَابْن سِیرِین

[371] ابو داؤد کتاب الجنائز باب الدعاء للمیت

[372] موطا امام مالک باب مایقول المصلی علی الجنازۃ

وَسَعِيد بن جُبَير وَالشعْبِىّ وَالْحكم، وَقَالَ ابْن الْمُنْذر: وَبِه قَالَ مُجَاهِد وَحَمَّاد وَالثَّوْرى، وَقَالَ مَالک: قِرَاءَة الْفَاتِحَة لَيست مَعْمُولا بهَا فِى بلدنا فِى صَلَاة الْجِنَازَة۔[373]

جو حضرات جنازہ میں قرأتِ قرآن سے انکار کرتے تھے ان میں سے یہ حضرات بھی ہیں۔ عمر بن خطاب، علی ابن ابی طالب وعبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وابو هریرہؓ اور تابعین سے عطاء اور طاؤس اور سعید بن مسیّب اور ابن سیرین اور سعید بن جبیرؒ اور شعبی اور حاکم، ابن منذر، مجاھد، ثوری اور امام مالکؒ نے کہا کہ جنازہ میں فاتحہ پڑھنا ہمارے شہر (مدینہ) میں معمول ہی نہ تھا

جب مدینہ کے جنازوں میں فاتحہ معمول نہ تھا تو معمولاتِ نبوی ﷺ تو مدینہ کی سرزمین سے پھوٹے۔ اگر فاتحہ جنازوں میں حضور ﷺ کا عام معمول ہوتا تو اہل مدینہ کا لازمی معمول ہوتا۔ امام مالکؒ کا یہ فرمانا واضح کر دیتا ہے۔ کہ فاتحہ جنازہ میں نہیں۔ اسی موطاء میں امام مالکؒ نے ابو ہریرہؓ سے یہ بھی روایت کیا۔

عمنّ سُئِلَ ابا هريرة كَيْفَ يُصَلِّى عَلَى الْجَنَازَةِ؟فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَنَا، لَعَمْرُ اللهِ، أُخْبِرُكَ. أَتَّبِعُهَا مِنْ أَہْلِهَا. فَإِذَا وُضِعَتْ كَبَّرْتُ. وَحَمِدْتُ الله وَصَلَّيْتُ عَلَى نَبِيِّهِ. ثُمَّ أَقُولُ: اللَّهُمَّ عَبْدُكَ، وَابْنُ عَبْدِكَ، وَابْنُ أَمَتِكَ. كَانَ يَشْہَدُ۔[374]

جب ابو ہریرہؓ سے سوال ہوا کہ آپ جنازہ پر کیا پڑھتے ہیں؟ تو فرمایا تیری عمر کی قسم میں تجھے خبر دیتا ہوں کہ میں گھر سے ہی جنازہ کے ساتھ چلتا جب جنازہ رکھا جاتا تو میں تکبیر کہتا اور اللہ کی حمد پڑھتا اور اس کے نبی ﷺ پر درود پڑھتا پھر یہ دعا پڑھتا اے اللہ یہ تیرا بندہ ہے اور تیرے بندے کا بیٹا ہے اور تیری بندی کا بیٹا ہے اور یہ توحید و رسالت کی گواہی دیتا تھا لہذا اس کی مغفرت فرما۔

---

[373] عمدۃ القاری شرح بخاری باب قرأۃ فاتحۃ الکتاب علی الجنازۃ

[374] موطا امام مالک باب مایقول المصلی علی الجنازۃ

یہاں جو ترتیب امام مالکؒ نے ابو ہریرہؓ سے بیان کی یہی ترتیب یعنی حمد پھر درود پھر دعائیں فقہ حنفی سے بیان کر چکا جبکہ ابوہریرہؓ ہی سب سے زیادہ احادیث کا علم رکھتے تھے اب واضح ہوا کہ احناف کی ترتیب عین حدیث کے مطابق ہے۔

جنازہ میں فاتحہ پڑھنا:۔

امام مالکؒ کے حوالے سے ذکر کر چکا کہ مدینہ میں ان کے مبارک زمانہ میں جنازہ میں فاتحہ کا معمول نہ تھا اور یہی مدنی معمول ہمارا بھی ہے کہ جنازہ میں فاتحہ نہیں۔ امام بخاریؒ نے بخاری ج 1۔ کتاب الجنائز میں باب قراۃ فاتحہ الکتاب باندھا مگر اس میں کوئی حدیث لانے کی بجائے حضرت حسن بصری تابعیؒ کا قول ذکر کیا کہ۔

وَقَالَ الحَسَنُ: يَقْرَأُ عَلَى الطِّفْلِ بِفَاتِحَةِ الكِتَابِ وَيَقُولُ: اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَسَلَفًا وَأَجْرًا ۔[375]

کہ حسن بصریؒ بچوں کے جنازہ پر فاتحہ پڑھتے اور اللّٰھم اجعلہ لنا فرطًا الخ۔ پڑھتے یہی دعا احناف بھی بچوں کے جنازوں پر آج بھی پڑھتے ہیں۔ حسن بصریؒ کے قول سے معلوم ہوا کہ فاتحہ بچے کے جنازے پر پڑھی جائے۔ اسی باب کے تحت امام بخاری اگلی روایت یوں لاتے ہیں۔

عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَوْفٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَلَى جَنَازَةٍ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الكِتَابِ قَالَ: لِيَعْلَمُوا أَنَّهَا سُنَّةٌ۔[376]

---

[375] بخاری کتاب الجنائز باب قراۃ فاتحۃ الکتاب علی الجنازۃ

[376] بخاری کتاب الجنائز باب قراۃ فاتحۃ الکتاب علی الجنازۃ

حضرت طلحہ ابن عبد اللہؓ نے کہا کہ میں نے ابن عباسؓ کے پیچھے جنازہ پڑھا تو انہوں نے فاتحۃ الکتاب پڑھی اور فرمایا تاکہ یہ لوگ جان جائیں کہ یہ بھی سنت طریقہ ہے۔

عین ممکن ہے یہ بھی کسی بچے کا جنازہ ہو کیونکہ ایسے ہی باب میں امام بخاری نے اس کو محفوظ کیا پھر یہ اثر بھی ہے نہ کہ مرفوع حدیث۔ پھر اس روایت کے آخری الفاظ کہ یہ لوگ جان جائیں کہ یہ بھی ایک سنت ہے بچے کے جنازے میں۔ ان الفاظ سے بالکل عیاں ہے کہ فاتحہ ہر جنازے کا لازمی حصّہ نہ تھا ورنہ ابن عباسؓ کو یہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی کہ یہ بھی سنت ہے کیونکہ عام معمول کو تو سب جانتے ہیں بتانے کی کیا ضرورت ؟ واضح ہوا کہ فاتحہ معمول نہیں۔ اس کے علاوہ کوئی روایت بھی فاتحہ کی جنازہ میں نہیں۔

اور نہ ہی ابن عباسؓ کے علاوہ کسی صحابی سے کوئی ایسی روایت ہے کہ جنازہ میں فاتحہ پڑھی جائے ہاں ایک روایت مشکوٰۃ، ترمذی، ابو داؤد اور ابن ماجہ میں انہی عبد اللہ بن عباسؓ ہی سے روایت ہے کہ

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَلَى الجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الكِتَابِ ۔[377]

کہ حضور ﷺ نے کسی جنازہ پر فاتحہ پڑھی مگر یہ بھی ممکن ہے کہ بچے کا جنازہ ہو کیونکہ اس روایت میں اجمال ہے معلوم نہیں کہ بچے کا جنازہ تھا یا بڑے کا دوسرا یہ کہ یہ حدیث ہی انتہائی ضعیف ہے چنانچہ ترمذی میں اسی روایت بارے ہے کہ

حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِذَاكَ الْقَوِيِّ، إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ هُوَ أَبُو شَيْبَةَ الوَاسِطِيُّ مُنْكَرُ الحَدِيثِ۔

---

[377] الترمذی أبوابُ الجنائزِ عن رسولِ اللہِ صلَّی اللہُ علیہِ وسلَّم بابُ ماجاءَ فی القراءۃِ علی الجنازۃِ بفاتحۃِ الکتابِ

ابو عیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیثِ ابن عباسؓ کی اسناد قوی نہیں اس لئے کہ اس میں ابراہیم بن عثمان ہے جو شیبۃ کا ابّو ہے وہ منکر الحدیث ہے یعنی جس کی روایت کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اور جہاں تک

لا صلوٰۃ لمن لم یقرأُ بفاتحۃ الکتاب

والی روایت کا تعلق ہے اس بارے پہلے بحث ہو چکی ہے۔ مزید عرض ہے کہ یہ روایت اکیلے نماز پڑھنے والے کے لئے ہے جماعت کے نہیں اور جنازہ جماعت سے ہی ادا ہوتا ہے نہ کہ الگ۔ ملاحظ ہو ابو داؤد شریف میں کتاب صلوٰۃ میں جہاں یہ حدیث لاصلوٰۃ لمن یقرا بفاتحۃ الکتاب درج ہے وہاں ساتھ یہ بھی ہے۔ وقال ابو سفیان الثوریؒ لواحدٍ۔ یعنی اس روایت میں جس فاتحہ کو نماز میں لازم قرار دیا گیا ہے۔ وہ انفرادی نماز پڑھنے والے کے لئے ہے جماعت والے کے لئے نہیں کیونکہ جماعت میں امام پڑھ لیتا ہے۔ پھر یہ حدیث کمالِ نماز کی نفی پر محمول ہے مطلق نماز کی نفی پر محمول نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر فاتحہ پہلی رکعتوں میں رہ جائے تو چونکہ ترکِ واجب ہو الہذا سجدہ سہو سے نماز ہو جائے گی۔ ایسے ہی "لا صلوٰۃ فی جوارِ المسجد الاّ فی المسجد" اور پھر "لا وضوءَ لمَن لّم یَذکرِ اسمَ اللہ عَلَیہِ"[378] میں بھی مطلق صلوٰۃ یا وضو کی نفی نہیں بلکہ کمالِ صلوٰۃ اور کمالِ وضو کی نفی ہے اس بات کی تائید دار قطنی کتاب الوضوء کی اس روایت سے ہوتی ہے۔

عَنْ أَبِی ہُرَیْرَۃَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: " مَنْ تَوَضَّأَ وَذَکَرَ اسْمَ اللہِ تَطَہَّرَ جَسَدُہُ کُلُّہُ، وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ یَذْکُرِ اسْمَ اللہِ لَمْ یَتَطَہَّرْ إِلَّا مَوْضِعُ الْوُضُوءِ۔[379]

---

[378] ابن ماجہ، ترمذی

[379] سنن دار قطنی کتاب الطہارۃ باب التسمیۃ علی الوضوء، السنن الکبریٰ ایضا

حضور ﷺ نے فرمایا جو وضو میں اللہ کا ذکر کرے تو اس کا سارا بدن وضو سے پاک ہو جاتا ہے اور جو وضو میں اللہ کا نام نہ لے تو اس کے صرف وضو کے اعضاء ہی پاک ہوتے ہیں یعنی اس کا وضو تو ہو جاتا ہے مگر اس طرح کامل نہیں جیسے وہ اللہ کا نام لیتا تو مکمل ہوتا۔

لہٰذا امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ جنازہ میں فاتحہ کے قائل نہیں جبکہ امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ جنازہ میں فاتحہ کے قائل ہیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں چونکہ جنازہ من وجہ نماز ہے اور نماز بغیر فاتحہ کے نہیں ہو سکتی تو ہماری گزارش ہے کہ اگر یہی دلیل ہے تو جناب کوئی نماز اگر فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی تو فاتحہ کے علاوہ باقی تلاوتِ قرآن کے بغیر بھی کوئی نماز نہیں۔ آخر وہ کونسی نماز ہے جس میں فاتحہ ہو اور باقی تلاوتِ قرآن نہ ہو؟۔ فرائض مکتوبہ پنجگانہ، جمعہ و عیدین، کسوف و خوف وغیرھم کوئی ایک بھی بغیر قرأت کے نہیں۔ لہٰذا اگر عام نمازوں پر قیاس سے فاتحہ لازم ہے تو پھر صرف فاتحہ نہیں قرأت بھی لازم ہے جو فاتحہ کے علاوہ ہو
۔

اگر قرأت علاوہ فاتحہ کے بغیر نماز جنازہ ہو جاتا ہے تو فاتحہ کے بغیر کیوں نہ ہو؟۔ یہ تو اس طرح ہے کہ نماز جنازہ چونکہ نماز ہی ہے اور حکم قرآنی ہے ”واقیموا الصلوٰۃ“ جو مردوں عورتوں سب کو حکم ہے لہٰذا عورتیں بھی شامل جنازہ ہوں کہ نماز ہے جب اللہ نے عورتوں کو جنازہ میں شامل ہونے کا حکم دیا تو انکو کون روک سکتا ہے ؟جبکہ ایسا نہیں کہ عورتوں کی شرکت کو حضور ﷺ نے جنازہ سے روک دیا ہے۔

کیا جنازہ کی جملہ دعائیں سرّاً پڑھی جائیں یا جہراً:۔

چونکہ ہماری نظر میں جنازہ دعا ہی ہے اور حمد و ثناء اور درود اس دُعا کے توابع ہیں لہٰذا دُعا میں سرّ اولیٰ ہے کہ حکم ربانی ہے۔

1۔ اُدعُوا ربکم تضرّعًا وّ خُفْيَة ۔[380]

2۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ[381]

3۔ اِذْ نَادٰى رَبَّہ نِدَآءً خَفِيًّا ۔[382]

ان تینوں آیات کا تقاضا ہے کہ دُعا آہستہ پڑھی جائے۔ اِسی وجہ سے جنازہ کی دعائیں ہم آہستہ پڑھتے ہیں ہاں اگر کوئی جہراً دعائیں پڑھ دے تو ممانعت بھی نہیں اور حضور ﷺ نے تعلیم اور اظہارِ جواز کے لئے جنازہ کی دُعاؤں کا جہراً بھی پڑھا اور صحابہ نے سن کر یاد بھی کیں اور روایت بھی فرمائیں۔ مگر جب امام جہراً پڑھے گا تو مقتدی صرف سماعت کریں گے ورنہ جہر سے پڑھنے کا امام کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

احناف کے نزدیک جنازہ میں میّت کا سامنے ہونا شرط ہے:۔

چونکہ حضور ﷺ سے عمومی روایات سے یہی ثابت ہے کہ آپ ﷺ میّت سامنے رکھ کر جنازہ پڑھتے تھے اور اگر میّت دفن ہو چکی بعد میں حضور ﷺ کو علم ہوا تو بخاری میں اس حوالے سے تین روایات ہیں کہ حضور ﷺ نے ان کی قبر پر جا کر نماز جنازہ پڑھی۔ اگر حضورِ میّت شرط نہ تھا تو حضور ﷺ قبر پر تشریف نہ لے جاتے اور بغیر میّت کے جنازہ پڑھ لیتے مگر ایسا نہ فرمایا۔ ساری زندگی یہی معمول رہا سوائے ایک نجاشیؓ کے

---

[380] الاعراف آیت 55

[381] الاعراف آیت 205

[382] مریم آیت 3

جنازہ کے۔ اس کی وجہ حضور ﷺ کی خصوصیت بھی ہو سکتی ہے اور جیسے بعد از معراج بیت المقدس سامنے کر دیا گیا ممکن ہے نجاشیؓ کا جنازہ سامنے کر دیا گیا ہو اور اصل وجہ میری ذاتی نظر میں یہ ہے کہ نجاشیؒ عیسائیوں کا بادشاہ ہونے کی وجہ سے نہ تو اس کی میت کو حاضر کیا جا سکتا تھا اور نہ وہاں کوئی چند مسلمان تھے جو اس کا جنازہ پڑھتے لہذا عذر کی بنا پر آپ ﷺ نے پڑھا جس سے اتنی بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ اگر آج کوئی مسلمان ایسے غیر مسلم علاقے میں فوت ہو جس پر نہ وہاں کوئی جنازہ پڑھیں اور نہ ہی میت ہمارے حوالے کریں تو عذر کی بنا پر غائبانہ جنازہ جائز ہونا چاہیئے جس طرح پرندے کو گردن پر سے ذبح کرنا ہوتا ہے مگر شکاری پرندہ چونکہ ہاتھ میں نہیں لہذا عذر کی بنا پر جہاں سے بھی زخمی ہو کر مرے تو حلال ہے۔ جانور کو گلے سے ذبح کرنا لازم ہے مگر کنوئیں میں گر جائے اور گلے سے ذبح کرنا ممکن نہ ہو تو عذر کی بنا پر اوپر سے تیز دھار آلے سے زخمی کر دیں عذر کا یہی ذبح ہے۔ ایسے ہی اگر حضورِ میّت ممکن نہ ہو اور وہاں اس پر کوئی جنازہ بھی پڑھنے والا نہ ہو تو عذر کی وجہ سے غائبانہ جنازہ ہو گا۔ اس کے علاوہ نہ کبھی سنت سے ثابت ہے اور نہ ہی یہ قرینِ قیاس ہے کہ جنازہ پڑھنے نہ جاؤ گھر میں ہی غائبانہ ادا کرو۔ حضور ﷺ کے زمانہ مبارک میں بھی آپ ﷺ تمام جنازوں میں تو شریک نہ ہوئے مگر کسی کا بھی سوائے نجاشیؓ کے غائبانہ جنازہ تو آپ ﷺ نے نہیں پڑھا اور نجاشیؓ کی وجہ میں نے ذکر کر دی ایسا ہی ایک اور جنازہ ہوا وہاں بھی میّت کو شہد کی مکھیوں نے اسطرح گھیر رکھا تھا کہ قریب جانا ممکن نہ رہا تو عذر کی وجہ سے غائبانہ پڑھا گیا۔ اب روزانہ کا معمول وہ عمل نہیں بنایا جاتا جو عمل آپ ﷺ نے زندگی میں ایک مرتبہ کیا ہو بلکہ اس کو معمول بنایا جاتا ہے جس کو حضور ﷺ نے معمول بنا رکھا ہو اور بار بار کیا ہو۔ یہ کیا معقولیت ہے کہ ہزاروں جنازے میت کو سامنے رکھ کر پڑھے وہ معمول نہ بنائیں اور ایک جو بغیر میّت کے پڑھا اس کو

روزانہ کا معمول بنالیں۔ پھر میّت سامنے نہ ہو تو اس کو جنازہ کون کہتا ہے کیونکہ جنازہ تو کہتے ہی میّت کے چارپائی پر ہونے کو ہیں۔ جب میّت نہیں تو جنازہ کس کو کہیں گے ؟۔

اگر فاتحہ جنازے میں پڑھا جائے تو احناف اس پر کیا حکم لگاتے ہیں:۔

احناف نے پہلی تکبیر کے بعد حمد باری تعالی کی بات کی ہے اگر فاتحہ کو حمد کی نیت سے پڑھے تو کوئی حرج نہیں ایسے ہی فاتحہ چونکہ حمد وثناء کیساتھ دعا بھی ہے لہذا اگر اس کو دعا کے مقام پر پڑھا جائے دعا کی نیت سے تب بھی جائز ہے کہ فاتحہ کے دعا ہونے سے بھی انکار نہیں ہاں اگر فاتحہ کو حمد وثناء یا دعا کی نیت سے نہیں بلکہ قراءت وتلاوتِ قرآن کی نیت سے پڑھا تو مکروہ ہو گا کہ سنت سے ثابت نہیں۔ ملاحظہ ہو احناف کی عبادت

وَفِی الْخَزَانَۃِ لَا بَأسَ بِقِرَأْۃِ الْفَاتِحَۃِ بِنِیَّۃِ الثَّنَآءِ وَاِنْ قَرَأَھَا بِنِیّۃِ الْقِرَأۃِ کَرِہَ ۔

خزانہ فقہ حنفی کی کتاب ہے اس میں ہے کہ فاتحہ جنازہ میں اگر حمد وثناء کی نیت سے پڑھی تو کوئی حرج نہیں اور اگر قراءت کی نیت سے پڑھی تو مکروہ ہے۔ ظاہر ہے مکروہ کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ جنازہ ہی نہ ہو۔

یہ عبارت المختصر الضروری شرح المختصر القدوری باب الجنائز حاشیہ یحمد اللہ تعالیٰ نمبر 10 پر موجود ہے۔

جنازہ کا سلام پھیرنے کے بعد دعا کا کیا حکم ہے:۔

چونکہ جنازہ از خود سراسر دعا ہے یہی وجہ ہے کہ جنازہ کے بعد دعا احادیث سے ثابت نہیں اور فقہاء سے بھی ثابت نہیں بلکہ کراہت ثابت ہے۔اس کراہت کا حکم مکروہ تنزیہی کا ہے اس لیے کہ مکروہ تحریمی وہ ہے جس کی حرمت خبرِ واحد یاقولِ صحابی سے ثابت ہو چونکہ دعا بعد از نماز جنازہ کی حرمت خبرِ واحد یا قولِ صحابی سے ثابت نہیں لہذا یہ مکروہ تحریمی نہیں بلکہ مکروہ تنزیہی ہے اور مکروہ تنزیہی کا حکم توضیح تلویح میں باب الکراہیت میں یہ لکھا ہے کہ مکروہ تنزیہی وہ عمل ہے جس کا کر لینا جائز اور نہ کرنا بہتر ہو۔لہذا دعا بعد از نماز جنازہ کر لینا جائز عمل ہے اور نہ کرنا بہتر ہے۔ہاں ایک وجہ سے اس کی یہ کراہت بھی ختم ہو جاتی ہے کہ جنازہ کے فوراًبعد نہ مانگی جائے بلکہ فاتحہ و قل شریف پڑھنے کا وقفہ دے کر یا صدقہ وغیرہ کا وقفہ دیکر جیسے کچھ علاقوں میں معمول ہے اب اگر معمولی وقفہ سے دعا کی جائے تو کراہت بھی ختم ہو جاتی ہے کہ جب جنازہ سے متصل نہ ہوئی تو بعد میں تو عمومی آیاتِ دعا سے مطلقاً ثابت ہے لہذا مکروہ نہ ہوئی افغانستان ،سرحد اور چند سال پہلے تک پورے برصغیر میں اسی انداز و مفہوم سے مروج تھی۔

عام معمولِ مسلمین بن جانے سے بھی کراہت ختم ہو جاتی ہے جیسے او جھڑی کھانا مکروہ ہے مگر عام مسلمانوں میں ہر جگہ معمول ہے لہذا کراہت ختم ہو گئی۔ او جھڑی چٹ کر جانا اور دعا پر سیخ پا ہونا یہ کیا معقولیت ہوئی ؟ او جھڑی اگر آپ کے پیٹ کا مسئلہ ہے تو دعا میت کے حق میں اس کا مسئلہ ہے لہذا میت کے حق کو پیٹ سے مقدم رکھیں کہ معذور و حاجت مند ہے۔اور اس عنوان پر آخری گزارش یہ ہے کہ اس دعا کی متصل کراہت یوں بھی ختم ہو جاتی ہے کہ جنازہ کے اندر دعائیں عربی میں ہیں ہمارے نمازیوں کو آتی نہیں اگر عربی دعا آتی ہے تو مفہوم سے بے خبر ہیں لہذا انہوں نے جنازہ تو

پڑھ لیا، مگر دل سے میت کے لیے دعا کرنے سے محروم رہے لہذا آخر میں اپنی زبان میں شعوری دعا کھل کر مانگیں کہ مجبور میت کا فائدہ ہو سکے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جسطرح دعا بعد از جنازہ اگر مکروہ تنزیہی ہے تو جناب عربی خطبہ جمعہ سے پہلے جناب کا اپنی زبان میں تقریر و بیان بھی مکروہ ہے کہ حدیث سے یہاں ثابت ہے اور نہ فقہاء سے مگر چونکہ ہم معذور ہیں عربی خطبہ سمجھتے نہیں اس لیے غیر عربی بیان کی بدعت نکال لی اور عذر کی وجہ سے یہ بیان نہ مکروہ رہا اور نہ بدعت بلکہ بدعتِ حسنہ کی خوبصورت مثال بن گیا عین اسی طرح دعا بعد از جنازہ فاتحہ و قل شریف پڑھوا کر دعا کریں تو میت کو ایصالِ ثواب بھی خوب ہوگا اور اب یہ دعا تلاوت پر ہوگی نہ جنازہ کے بعد پر اس طرح کراہت کا شبہ بھی نہیں رہتا کہ ایک نئے عملِ تلاوت پر دعا ہو گئی۔

جنازہ سے متعلق چند ضروری مسائل:۔

مسئلہ:۔ نمازِ جنازہ مسجد جماعت مین نہ پڑھا جائے بلکہ جنازہ گاہ، عید گاہ یا کسی بھی کھلی جگہ پڑھا جائے کہ یہی سنت سے ثابت ہے۔ ایک دفعہ حضور ﷺ نے مسجد میں پڑھا مگر اس کا کوئی عذر تھا کہ جناب اعتکاف میں تھے یا بارش تھی۔ ہاں اگر بارش ہو اور کوئی دوسری جگہ محفوظ نہ ہو تو اب بھی عذر سے مسجد میں جنازہ پڑھا جا سکتا ہے۔ جنازہ کو مسجد جماعت میں نہ پڑھنے کی حکمت عام نمازوں کی حکمت عام نمازوں کی جماعت کو امتیاز دینا ہے اور نوافل کی جماعت کی کراہت میں بھی یہی حکمت وعلت پنہاں ہے۔ مسجد جماعت سے میری مراد وہ مسجد ہے جہاں نماز پنجگانہ کی جماعت ہوتی ہو ورنہ تو جنازہ گاہ اور عید گاہ کو بھی عرف میں مسجد کہا جاتا ہے احناف کی عبارت اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو۔

وَلَا يُصَلَّى عَلَى مَيِّتٍ فِي مَسْجِدٍ جَمَاعَةً) لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَنْ صَلَّى عَلَى جِنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا أَجْرَ لَهُ۔[383]

یعنی میت پر جنازہ مسجدِ جماعت میں نہ پڑھا جائے۔

مسئلہ:۔ جب میت کو چارپائی پر اٹھائیں تو چاروں پایوں سے ایک ایک آدمی کم از کم اٹھائے نہ کہ دو آدمی اٹھائیں۔ چاروں طرف سے چارپائی پکڑنے میں میت کے گرنے سے تحفظ بھی مقصود ہے اور تکریم میت بھی۔

مسئلہ:۔ میت کو لیکر جلدی چلیں مگر ایسی دنکی چال نہ ہو جس سے میت کو جھٹکے لگیں کہ گرنے کا بھی خطرہ ہے اور تکریم ووقار کے بھی خلاف ہے۔

مسئلہ:۔ جب میت کو لیکر جنازہ گاہ پہنچیں تو جنازہ کو زمین پر رکھنے سے پہلے لوگوں کا بیٹھ جانا مکروہ ہے۔

مسئلہ:۔ اگر جنازہ میں مرد وعورت وبچے وغیرہ ہوں تو امام کے قریب پہلے مرد میت پھر بچے اور پھر عورت کا جنازہ ترتیب پائے۔ اگر سب مرد ہیں تو جو افضل ہوں ان کو امام کے قریب رکھا جائے۔

مسئلہ:۔ قبر کو عام آدمی کے سینے برابر گہرا کریں اور اگر اس سے زیادہ گہری ہو تو افضل ہے اور میت کی حفاظت ہے۔

مسئلہ:۔ میت کو قبر میں قبلہ کی طرف سے رکھا جائے اور رکھتے وقت پڑھے بِسْمِ اللّٰہِ، وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰہِ اور میت کا رخ قبلہ رُو کر دے اور کفن پر لگائی گرہیں اب کھول دے کہ حاجت ختم ہو گئی۔

---

[383] العنایہ شرح الہدایہ باب الجنائز فصل فی الصلوۃ علی المیت

مسئلہ:۔ قبر کی تعمیر میں سادگی اختیار کرتے ہوئے سادہ چیزوں یعنی کچی اینٹوں اور پتھروں کا استعمال کیا جائے کہ یہ جائے فخر ومباحات اور مقام زینت نہیں مقامِ بلاوعبرت ہے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ جس چیز کو آگ نے چھوا ہو استعمال نہ کی جائے کیونکہ خود کفن کی تیاری بھی آگ کے بغیر نہیں اور گرم پانی سے غسل کروایا دھاں بھی آگ کا اثر تو ہوا۔

مسئلہ:۔ اگر بچے کی پیدائش کے وقت زندہ ہونے کے آثار پائے گئے اور ساتھ ہی فوت ہو گیا تو نام بھی رکھیں غسل دیں اور جنازہ پڑھیں اور اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تو نہ نام رکھیں نہ جنازہ بلکہ کسی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیں۔

مسئلہ:۔ خودکشی کرنے والے کا جنازہ بھی پڑھا جائے گا۔ باغی اور ڈاکو کا جنازہ نہ پڑھا جائے اگر دورانِ بغاوت یا دورانِ ڈاکہ مارے جائیں۔

مسئلہ:۔ اگر میت کا جسم کسی بھی وجہ سے پورا نہیں مل سکا کہ سامنے رکھکر جنازہ پڑھیں تو پھر اگر نصف جسم ہے اور سر کا حصہ ہے اور سر بھی موجود ہے تو سامنے رکھا جائے۔ اگر جسم کا بہت ہی کم یا کچھ حصہ ملا تو سامنے رکھنے کی ضرورت نہیں۔ مسئلہ:۔ اگر نمازِ جنازہ شروع ہو گیا اور کوئی بعد میں آیا تو جہاں بھی آکر ملے شامل ضرور ہو اور اپنی ترتیب رکھ کے پہلے ثناء پھر تکبیر کے بعد درود اور پھر تکبیر کے بعد دعا۔ ہاں یہ یاد رکھے کہ ایک تکبیر اس کی وہ شمار ہو گئی جو شامل ہوتے ہوئے کہی بعد ازاں امام کیساتھ اپنی تکبیریں گنتا جائے اور اگر امام سلام پھیر دے تو یہ سلام نہ پھیرے بلکہ اپنی کل تکبیریں پہلی تکبیر سمیت چار پوری کرے اور بعد ازاں سلام پھیر دے۔

مسئلہ:۔ میت کی فوتگی سے تین دن تک گھر والے تعزیت کریں۔ دعا وتلاوت وغیرہ کرتے رہیں اور عام لوگ انہی ابتدائی تین دنوں کے اندر ہی ممکن ہو تو تعزیت کر لیں اور تیسرے

دن اجتماعی دعا میت کے حق میں کرکے تعزیت ختم کردیں۔ اسی تعزیت کی اختتامی دعا کو برِ صغیر کے عرف کے حق میں قلِ شریف سے تعبیر کیا جاتا ہے جبکہ یہ کوئی الگ مستقل شرعی حکم نہیں اور تلاوت وذکر وصدقہ وخیرات واعمالِ خیر سے ایصالِ ثواب کسی بھی وقت جائز ہے ہاں اگر کسی دن کو باعثِ خیر وبرکت تصور کرتے ہوئے تلاوت وصدقہ وخیرات کے لیے خاص کیا تو جائز ہے مگر اس کو تعین انسان یقین کرے تعین شریعت تصور نہ کرے کہ شریعت نے ایصالِ ثواب کو مطلق رکھا کسی خاص دن سے متعین نہ کیا۔ جب تعینِ عبد سمجھا جائے تو پھر تیجہ وچالیسواں بھی سمجھ آجائے گا کہ تیجہ تو ہے ہی تعزیت کا دراصل اختتام اور چالیسواں بھی مطلق ایصالِ ثواب کو بندے نے اپنے لیے یوں متعین کیا جیسے بندہ نوافل کی کوئی تعداد یا ان کے لئے کوئی وقت مقرر کرلے یا نفلی روزوں کے لئے کوئی دن اپنے طور پر مقرر کرے یا سفر کیلئے یا حج پر جانے کے لئے یا بچہ کی شادی کے لئے دن مقرر کرتا ہے ۔ تو اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں جب تک وہ اس کو تعیّنِ شرع تصور نہ کرے۔ اگر کسی لاعلم کو سمجھ نہ ہو تو سمجھانا چاہیئے نہ کہ فتویٰ لگا دینا چاہیئے۔ چونکہ تعیّن عبد شرع میں موجود ہے اور چالیسواں وغیرہ اُسی کی مثال ہے یہی وجہ ہے کہ تیجہ و چالیسواں کا ثبوت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور شیخ احمد سرہندی وغیرھم کی عبارات وتصنیفات میں آج بھی موجود ہے۔ شریعت میں ازخود شدّت پسندانہ روش اختیار کرنا قابلِ ستائش نہیں۔

حیلۃ الاسقاط:۔

جب انسان اپنی حیاتِ مُستعار پوری کرکے دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو لازمی طور پر اس کی نمازیں اور روزے پورے نہیں ہوتے جبکہ کوشش رہے کہ پُورے کرتا رہے لیکن یہ تلقین زندہ انسان کو تو مفید ہے مگر جو فوت ہو گیا اب اس کو ایسی تلقین بے سود ہے بلکہ اس کا مفاد

اب اس میں ہے کہ اس کی قضا شدہ نمازوں کے بدلے نوافل پڑھ کر اس کو ایصالِ ثواب کیے جائیں اور روزوں کی جگہ نفلی روزے ایصالِ ثواب کیے جائیں اور ہمارے فقہاء احناف نے میّت کی بہتری اور خیر خواہی کے لئے حیلہء اسقاط کا طریقہ بتایا ہے کہ اگر میّت اپنی نمازوں اور روزوں بارے حیلہء اسقاط کی وصیت کر جائے تو ورثاء پر حیلہ اسقاط واجب ہے اور اگر وہ وصیت نہ کرے تب بھی جائز ہے کہ ورثاء میّت کی بھلائی میں اپنے مال سے نہ کہ یتیم ورثاء کی وراثت سے۔ حیلہء اسقاط کا معنی ہے میّت کے ذمّہ لازم و فرض نمازوں اور روزوں کو اس کے ذمّہ سے گرانے اور ختم کرنے کے لئے حیلہ وصورت اختیار کرنا اس اسقاط کا تذکرہ قدیم فقہی کتابوں اور فتاوی جات میں بھی موجود ہے اور آج بھی نور الایضاح سے لیکر ھدایہ تک اور فتاوی دارالعلوم دیوبند اور علماء بریلوی کی کتابوں جیسے جاء الحق وغیرہ میں آج بھی موجود ہے اور چند سال قبل تک پورے صوبہ سرحد، بلوجستان اور افغانستان میں موجود تھا اور اب بھی کچھ علاقوں میں برقرار ہے مگر افسوس کہ اس ثابت شدہ طریقہِ ایصال ثواب پر بھی طرح طرح کے فتوے لگا کر روک دیا گیا اور شادی بیاہ سے لیکر جنازہ تک دولت کا رخ صرف اپنے برائے نام دینی اداروں کی طرف کر کے علماء سوء مدرسہ سے 4000روپے تنخواہ لیکر اس میں بیوی بچوں کو بھی پالتے ہیں اور گاڑیاں بھی خرید لیتے ہیں۔

سبحان اللہ! کیا کراہت ہے علماء سوء کی۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔

زیارتِ قبور:۔

زیارتِ قبور سنت ہے۔ حضور ﷺ نے اس کا حکم بھی فرمایا اور اس کی حکمت بھی بیان فرمائی کہ اس سے آخرت یاد آتی ہے لہذا مطلقاً زیارتِ قبور سے بھاگنا سنت سے بھاگنا ہے۔ اور دوسری طرف زیارت قبور کرنے والے اپنی جہالت علمی کی وجہ سے ہزاروں غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہین۔ ان کو شرعی طریقہ سے زیارت قبور کرنی چاہیئے۔

زیارتِ قبور میں کیا کیا خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں:۔

ہم ایسی قوم ہیں کہ ایک جائز اور نیک کام کو اپنی جہالت اور شریعت سے دوری کی وجہ سے خراب کر دیتے ہیں۔ چند خرابیوں کا ذکر کرنا مناسب ہو گا۔

درباروں پر میلوں کا انعقاد:۔

کئی بڑے بڑے لا وارث دربار ایسے ہیں جن پر بالکل شریعت سے آزاد غیر شرعی طریقوں پر مشتمل میلے منعقد کیے جاتے ہیں۔ اولیآء وصالحین کے عقیدت مند اں سے التماس ہے کہ ان غیر شرعی میلوں کو روکنے کے مختلف طریقے استعمال کریں۔ مثلاً بیان وتقریر میں ان کا رد کرنا۔ اجتماعی اشہارات جو مفتیانِ اسلام کے فتاوٰی سے مزین ہوں ان کی تشہیر کریں۔ میڈیا کو استعمال کریں اور اجتماعی کوشش کر کے حکومت سے بھی قانون پاس کروایا جا سکتا ہے کہ صالحین کی قبور اور مزارات کو میلوں اور چرسی بھنگی لوگوں سے واگزار کروایا جائے۔

قبور صالحین پر سجدوں کی جہالت:۔

صالحین نے لوگوں کو رب کے سامنے جھکنے اور سجدہ کی ترغیب و تعلیم دی اور آج ظالم وجاہل لوگوں نے رب کو سجدہ کرنے کی بجائے جسمی سجدہ تو کیا قبر کو ہاتھ لگانے اور اس کے قریب جانے سے بھی سختی سے منع کیا گیا ہے مزارات پر مدارس کا قیام اور دعوتِ دین کو جاری کیا جائے تو جملہ خرابیوں از خود تم توڑ جائیں گی اور مزارات سے نورِ اسلام کی کرنیں بھی پھوٹ کر مخلوقِ الٰہی کے قلوب کو منور کریں گی۔

کسی بھی قبر پر جا کر اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور پھر صاحبِ قبر و مزار کے لیے دعا کریں اور ہو سکے تو کچھ پڑھ کر ان کی ارواح کو ایصالِ ثواب کریں۔

کیا مزاراتِ صالحین سے سوال کیا جائے؟

روئے زمین پر سب سے بڑا مزار پُرانوار تو خود رسول ﷺ کا ہے وہاں پر جا کر کیا کرنا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رہنمائی فرمادی ہے۔

فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَہُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا[384]

کہ وہاں سب سے پہلے رب العالمین کے سامنے دامن طلب پھیلا کر سوالی بن کر مغفرت طلب کریں پھر حضور ﷺ کی بارگاہِ عالی میں گزارش کریں کہ وہ بھی آپ کے لیے مغفرت کی سفارش فرمائیں تو پھر تم اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول فرمانے والا اور نہایت مہربانی ورحیم پاؤ گے۔

جب روئے زمین پر سب سے بڑے دربار کا یہ عالم ہو وہاں کسی غیر سے سوال کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی بات اور عقیدہ کو اجاگر کیا مولانا احمد رضا خان ؒ نے اپنی تصنیف عرفانِ شریف میں کہ کب جناب سے یہی سوال ہوا کہ کیا یہی سوال ہوا کہ کیا مزارات پر جا کر ان سے سوال کیا جائے تو حضرت ؒ نے فرمایا جب اور جہاں مانگا جائے تو رب کی ذات سے مانگا جائے اسی بات کی توثیق فرمائی جگر گوشۂ پیر مہر علی شاہ ؒ پیر نصیر الدین نصیر ؒ نے جس پر حقیقت ناشناس لوگوں نے بلاجواز واویلا بھی کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے میاں محمد بخش عارف کھڑی شریف ؒ نے بھی یہی تعلیم فرمائی کہ

ے مانگت کولوں منگنڑ والا رہے ہمیشہ خالی

---

[384] النسآء۔64

اس کی ہے دین محمد جھیڑا آپ سوالی

صاحب مزار سے مانگنا تو بعد کی بات ہے خود انبیآئے کرام سے ان کی حیاتِ ظاہری میں جس نے جب بھی مانگا تو اس کا مُدّعا بھی یہی ہوتا تھا کہ نبی اس مسئلہ میں ہمارے حق میں دعا فرمائیں اور انبیاء بھی اس راز سے خوب واقف تھے کہ تمام خزانوں کا اصل حقیقی مالک ہی اللہ تعالیٰ ہے لہذا جب اُمتی گزارش کرتے تو انبیاء دعا ہی فرماتے جیسا کہ اُدعُ لنا سے ظاہر ہے کہ قوم بنی اسرائیل کو جب حاجت ہوتی تو حضرت موسیٰؑ سے نہ مانگا بلکہ گزارش کی کہ آپ ہمارے حق میں دعا کریں یعنی رب سے مانگ کر دیں۔

1- قالُوا أُدعُ لنا ربّک یُبیّن لنا مالونُها ۔

2- قالُوا أُدعُ لنا ربّک یُبیّن لنا ماهی ۔

اِن الفاظ سے دو مرتبہ دُعا کی التماس کی۔

3- فادعُ لنا ربّک یخرج لنا ممّا تُنبتُ الارض ۔

4- وَاذاسْتسقٰی موسیٰ لقومہٖ ۔

یہاں پانی کا مطالبہ اور ضرورت قوم کو پیش تھی۔

5- ایسے ہی جب حضور ﷺ خطبہء جمعہ ارشاد فرما رہے تھے تو صحابہ نے قحط سالی کا شکوہ کیا تو جناب ﷺ نے فورًا بارگاہِ ربانی میں ہاتھ مبارک بلند فرمائے اور فورًا اشاد کام ہوئے۔

6- ربّنا انزِل عَلینا مآئدۃً من السمآءِ ۔[385]

[385] المائدہ۔114

یہاں بھی اس آیت سے ماقبل آیات میں حواریوں نے حضرت عیسٰیؑ سے التماس کی کہ کیا آپ کا رب یہ کر سکتا ہے کہ ہمارے پاس آسمان سے خوان نازل کرے؟ تو جناب نے دعا فرمائی۔ اور جہاں کسی نبی نے کوئی کام دعا کی بجائے معجزہ سے کیا اور مشکل حل کر دی۔ تو اس معجزہ کو بھی رب کریم کی طرف منسوب کیا جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے معجزاتِ خمسہ کو رب کی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا۔

اَنِّیْ قد جئتکم باٰیۃٍ من ربّکم [386]

میں تمہارے پاس رب کی طرف سے معجزہ لایا ہوں۔ پورے قرآن میں یہی انداز اختیار کیا گیا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور احناف شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی نظر میں:۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ پانچویں صدی ہجری میں گزرے جن کی علمیت و بزرگی اور زھد و تقوی کا نہ صرف ایک زمانہ مُعترف ہے بلکہ آپ نے قابلِ قدر تصانیف چھوڑیں اور ایسے خلفآء چھوڑے جنہوں نے نورِ اسلام سے جہان کو روشن کیا اور ایسی خدمتِ اسلام جناب کے حصّے میں آئی کہ آپ بجا طور پر مُحی الدّین (دین کو نئ تازگی اور حیات بخشنے والے) کہلائے۔ آپؒ سلسلہ قادریہ کے بانی ہیں۔ اور فقہ میں آپ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار ہونے کی وجہ سے حنبلی ہیں۔ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں جناب کی تصنیف غنیۃ الطالبین فصل وھذا التکبیر الذی ذکرناہ فی عید الاضحی الحنر، میں فرماتے ہیں

---

[386] ۔آل عمران۔49

''وقال الامام ابو حنیفہ ؒ لیس فی الفطر تکبیر ٌ مسنونٌوقال مالکٌ یکبّرُ ---- وقال الشافعی ؒ یکبّرُ''

یہ عبارت اس اصل غنیۃ الطالبین سے پیش خدمت ہے ۔ جو عربی میں سے نہ کہ کسی ترجمہ شدہ غنیۃ سے۔

یہاں آپ غور فرمائیں کہ شیخ صاحب نے دیگر ائمہ کی رائے پیش کرنا چاہی تو سب سے پہلے امام ابو حنیفہ ؒ کا ذکر فرمایا دوسرا یہ کہ امام کا لفظ صرف ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ذکر کیا۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ و شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ لفظ امام ذکر نہ فرمایا۔ اور تیسرا امتیاز یہ لکھا کہ صرف امام ابو حنیفہ کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھا دوسرے ائمہ کے ساتھ نہیں لکھا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ جناب کی نظر میں امام ابو حنیفہ ؓ کی قدر و منزلت باقی ائمہ سے سوا ہے۔ غنیہ الطالبین (عربی) سے دوسری عبارت ملاحظہ ہو۔

وھو مذھب اِمَامِنا احمد بن حنبل ؒ ----وھو مذھبُ الامام الأعظمِ ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔[387]فصل وَ أختُلِفَ فی قدرِ التکبیر فی ھذہِ الامام۔

یہاں شیخ الطائفہ الشیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا فقہی امام ظاہر فرمایا اور دوسرا یہ کہ ان کے نام پر رحمۃ اللہ تعالیٰ لکھا جبکہ حضرت ابو حنیفہ ؓ کے لئے الامام الاعظم (تمام اماموں سے بڑا امام) لکھا اور جناب کے اسم گرامی کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اعزازی لفظ لکھ کر خوب ظاہر کیا کہ میری نظر میں ان کی قدر و قیمت کیا ہے۔ یہاں سے ظاہر ہوا کہ ابو حنیفہ ؓ کو آج صرف احناف ہی امام اعظم نہیں کہتے بلکہ پانچویں ہجری میں بھی شیخ عبد القادر حنبلی ؒ جیسے بزرگوں نے بھی آپ کو امام اعظم ہی بتایا۔

---

[387] غنیۃ الطالبین عربی

کیا حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے احناف کو گمراہ فرقوں میں شمار کیا:؟

بے حیا بہتان طرازی جن کی فطرتِ ثانیہ بن چکی انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ شیخ صاحب نے امام ابو حنیفہؒ کے مُقلّدین یعنی احناف کو گمراہ فرقوں میں شمار کیا۔ اس جھوٹ کی حقیقت جاننے کے لئے غنیۃ الطالبین سے متعلقہ عبارت حاضرِ خدمت ہے۔

''وَاَمَّا الْحنفیۃُ فھم بعضُ اصحابِ ابی حنیفۃُ النعمان بن ثابت زعموا انّ الایمان ھُو المعرفۃُ وَالاِقرارُ باللہِ ورسُولِہِ وبما جاء من عندہِ جُملۃً علی ماذکرہٗ البرھُوتی فی کِتابِ الشّجَرَۃِ''

تو یہ ہے وہ عبارت جس کو جناب نے مختلف فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے برہوتی کی کتاب الشجرۃ کے حوالے سے لکھا اس کے علاوہ کوئی ایک لفظ بھی ثابت ہو تو ذمّہ دار ہیں۔ ترجمہ یہ ہے۔

''اور جہاں تک حنفیہ کی بات ہے تو ان میں سے بعض اصحاب ابی حنیفہ نعمان بن ثابت نے گمان کیا کہ ایمان نام ہے اللہ و رسول کی پہچان کرنے اور اقرار کرنے کا اور وہ تمام کچھ جو رسولِ محترم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اس کی معرفت اور اقرار کا جیسا کہ برہوتی نے اپنی کتاب الشجرۃ کے اندر لکھا۔

تشریح:۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ یہ برہوتی کی رائے ہے جو الشجرہ میں لکھی گئی ہے اور پھر آپ نے بعض اصحاب حنیفہ کی بات یہاں بعض کا نکرہ لفظ ذکر کرنا اور کسی کا نام نہ لینا اور پھر اصحاب حنیفہ کی بات کرنا نہ کہ مقلدین کی بات کرنا۔ یہاں اس عبارت کو تمام احناف پر چسپاں کرنا کہاں کی شرافت ہے یہ تو اصحاب حنیفہ میں سے بعض کی

بات کی جو نامعلوم ہیں اور پھر جو بات بعض اصحاب حنیفہ کے بارے منسوب کی اس میں گمراہی کالفظ آخر کونسا ہے ؟ ایمان کی تعریف تو ہے یہی کہ اللہ رسول اور شریعت جو رسول اللہ کی طرف سے لائے اس کی کامل پہچان حاصل کرنا اور دل و زبان سے اس کا اقرار کرنا تو اس عبارت میں تو ایسی کوئی چیز آپ نے بعض اصحاب حنیفہ کی طرف منسوب ہی نہیں کی جو غلط ہو اور نہ ہی اس عبارت کے اوّل و آخر میں ان کو گمراہ بتایا۔ہاں اگر کوئی یہ کہے کہ یہ عبارت من جملہ گمراہ فرقوں کے باب میں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن انتہائی مقدس و پاکیزہ کلام ربانی ہے مگر باوجود اس کے اس کے اندر کتّے، خنزیر، فرعون اور ابلیس کا ذکر ہے تو کیا مقدس کلام میں ان چیزوں کے ذکر سے یہ چیزیں مقدس ہو گئیں ؟ ہر گز نہیں۔ ایسے ہی گمراہ فرقوں کے اندر اگر آپ نے بر ہوتی کی عبارت ذکر کر دی اور عبارت بھی وہ جو بالکل صحیح مفہوم رکھتی ہے تو اعتراض بلاجواز ہے۔

شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا فقہی مسلک حنبلی ہے۔

احناف پر واضح رہے کہ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فقہی مسلک چونکہ حنبلی ہے لہذا وہ ہر فقہی اختلاف ائمہ میں امام احمد بن محمد بن حنبلؒ کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اور تقلید کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب آپ حنبلی ہیں تو وہی رائے دیں جو امام احمد بن حنبلؒ کی ہے نہ کہ وہ جو امام اعظمؒ کی ہے۔ہاں اگر شیخ صاحب کی رائے کو کوئی احناف کے خلاف دلیل بنائے تو اسے اتنا ہی عرض ہے کہ ہم چاروں ائمہ فقہ اور ان کے بزرگوں کا احترام کرتے ہیں مگر تقلید ہم امام ابو حنیفہؒ کی کرتے ہیں نہ کہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی اور دوسری بات یہ ہے کہ جہاں شیخ صاحب کی کوئی ایک رائے اپنے حق میں استعمال کرتا ہے تو اسے چاہیئے کہ آپ کی تمام آراء کو قبول کرے وہ اس طرح کہ شیخ صاحب مُقلِّد بھی ہیں، شیخ صاحب بیس تراویح کے بھی قائل ہیں شیخ صاحب اہل سنت و جماعت کو نجات پانے والا گروہ بتاتے ہیں۔ شیخ صاحب دم اور تعویذات کے بھی قائل ہیں بیعتِ مرشد اور تصوّف کے بھی قائل ہیں۔ قبر رسول کی طرف منہ اور قبلہ کو پیٹھ کر کے روضہ رسول پر سلام و دعا کے بھی قائل ہیں۔ اور منبر رسول کے مَس کرنے کو مستحب فرماتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنے کے بھی قائل ہیں۔ یہ باتیں آپ کو غنیۃ الطالبین فصل فاذا منّ اللہ تعالٰی بالعافیۃ وقدم المدینۃ میں ملیں گی۔

یہاں جناب شیخ صاحب پانچویں صدی ہجری میں ہونے کے باوجود حضور ﷺ کو واسطہ دعا بناتے ہیں اور بار بار بناتے ہیں اور جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت کا سوال کرتے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ آج سے ہزار سال قبل پانچویں صدی ہجری میں تو یہ ساری باتیں صرف جُہلاء نہیں بلکہ صوفیاء و علماء کے اعتقادات کا حصّہ تھیں آج یہ تمام باتیں کیسے شرک اور باطل ہو سکتی ہیں ۔ تو یہ ہیں حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ جن کو احناف کے خلاف استعمال اور پیش کیا جاتا ہے ۔اگر اب بھی مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ صاحب کو احناف کے خلاف غلط استعمال کیا جارہا ہے تو اگلی مرتبہ حضرت کی تمام تصانیف سے آپ کے جملہ نظریات و تعلیمات و اعتقادات جمع کر کے ایک مبسوط کتاب پیش کر دوں گا۔ ان شآء اللہ تعالیٰ۔

احناف اور خدمتِ اسلام تاریخ کی روشنی میں

پہلی صدی ہجری کے آخر تک جب اکثر صحابہ کرام وصال فرما چکے تھے تو ضرورت تھی ایک مرد درویش کی جو اسلام اور اسلامی احکامات و تعلیمات کو امت تک منتقل کرنے کی ذمّہ داری قبول کرے ۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے امام الائمہ سراج الامّہ جناب نعمان بن ثابتؓ کو عین کوفہ میں 80 ہجری میں وجود بخشا جبکہ آپ کے علاوہ کوئی معروف امام پہلی صدی ہجری میں صحابہ کرامؓ کے علاوہ پیدا ہی نہیں ہوا۔ امام مالکؒ دوسری صدی ہجری میں گزرے اور باقی ائمہ فقہ و حدیث سب تیسری صدی ہجری کی پیداوار ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کو حصولِ علم کے لئے وہ اعلیٰ و ارفع ماحول نصیب ہوا جہاں جناب علی کرم اللہ وجہہ کا فقر و دانش، حضرت عبد اللہ ابن مسعود خادم رسول کا تبحرِ علمی اور امام محمد باقر و امام حضرت جعفر صادق کے علوم و معرفت کے انوار جگمگا رہے تھے ۔ ائمہ فقہ و حدیث میں تابعی ہونے کی سعادت بھی جناب کو نصیب ہوئی اور آپ نے خانوادہِ رسالت مآب اور خادم رسول ﷺ

جناب عبد اللہ ابن مسعودؓ کے علوم کو یوں سمویا اور پھر یہ نور یوں ظاہر ہوا کہ رہتی دنیا تک جہان کو روشن کر گیا۔ آج صحاح ستہ کی کوئی کم ہی ایسی روایت ہو کہ جس کی سند میں کوئی کوفی نہ ہو اور جناب کے فیضِ علم و معرفت سے بڑے بڑے امامِ زمانہ ہوئے جیسے امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ اور امام زفر بصری وغیرہ یہی وجہ ہے کہ دوسری صدی ہجری سے لیکر چودھویں صدی ہجری کے وسط تک تقریباً بارہ صدیاں حرمین شریفین کی خدمت کا اعزاز احناف کو ہی حاصل رہا اور احناف ہی سلاطین و قضاۃ و مُدّرسین وائمہ مساجد اور خادم اسلام رہے۔ آج وہاں حنبلی مذھب رائج ہے۔

جبکہ پہلا اہل حدیث کا مدرسہ کل کلاں مدرسہ دار الحدیث محمدیہ کے نام سے 12 ربیع الاول 1352ھ کو قائم ہوا۔ اس مدرسہ کا بانی عبد الحق نوناری عجمی پاکستانی احمد پور شرقیہ ہے۔

سلاطینِ عباسیہ، سلجوقی، خوارزمی اور خلافت عثمانیہ یہ سب احناف تھے اور یہی حالت عوام کی بھی تھی۔ اسی وجہ سے امام ابو یوسفؒ قاضی القضاۃ یعنی چیف جٹس سپریم کورٹ مقرر ہوئے۔ دوسری طرف پہلی صدی ہجری کے آخر میں 92 ہجری کو محمد بن قاسم شقفیؒ اسلامی فوج لیکر سندھ پر حملہ آور ہوا اور صرف تین سال میں سندھ فتح ہو چکا تھا یہ فوج بھی بصرہ سے آئی تھی جہاں امام اعظمؒ کا فیض امام زفرؒ کے نام سے بصرہ کی عوام و خواص کو زیرِ اثر کر چکا تھا اس طرح بصرہ سے آنے والے احناف مجاہدوں کی صورت میں مسلکِ احناف ہندوستان پہنچا اور آج تک افغانستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور ہندوستان میں اسلام کی خدمت کا سہرا بجا طور پر احناف کے سر ہے۔ 392ھ میں سلطان محمود غزنویؒ نے ہندوستان کو فتح کیا یہاں اسلامی حکومت قائم کی۔ سلطان محمود غزنوی خود حنفی اور بعد میں تمام اسلامی سربراہان احناف ہی تھے۔ جن میں خاندانِ غلاماں، غوری، خلجی، سادات، تُغلق، سوری اور خاندان

مغلیہ تھے یہ سب احناف ہی تھے۔ گویا اسلام کا سہرہ ہندوستان میں پہلی صدی سے آج تک حنفی مسلک کے سر ہے۔

پوراتر کی اور خود بلخ و بخارا میں بھی احناف کا راج ہے محدثین نہ صاحب مذہب فقہ ہیں نہ پوری اسلامی دنیا میں کسی علاقے سے ایسی مثال دے سکتے ہیں جہاں ائمہ فقہ کی بجائے ائمہ حدیث یا اہلِ حدیث کا مسلک رائج و غالب ہو۔

جس کا اعتراف نواب صدیق حسن خانؒ نے بھی ترجمانِ وہابیہ ص 10 پر کیا ہے اور ہندوستان اور گرد و نواح میں صدیوں پر محیط دَورِ احناف میں جلیل القدر ان گنت صوفیائے اسلام اور عظیم المرتبت علماء و محدثین کی نہ ختم ہونے والی ایک تاریخ رقم ہو چکی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے بجا فرمایا کہ

" در جمیع بلدان و جمیع اقالیم بادشاہاں حنفی اند و قضاۃ و اکثر مُدّرساں و اکثر عوام حنفی اند (کلماتِ طیبات ص۔177)

کہ تمام شہروں اور تمام ملکوں میں بادشاہان حنفی تھے اور قاضی، اکثر مُدّرسین اور اکثر عوام بھی حنفی تھی۔ اور آج بھی ہے۔ یہ سارا فیض اور خدمتِ دین کا اعزاز امام ابو حنیفہؒ کو حاصل ہوا اور اجر بھی حاصل ہو رہا ہے کہ حدیث گواہ ہے جس نے اسلام میں اچھی روش اختیار کی وہ اس کا بھی اجر پائے گا اور جو اس اچھی روش پر چلے گا اُس کا بھی اجر پائے گا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔

دوران تحریر زیر مطالعہ رہنے والی کتب:۔

1۔ قرآن مجید ترجمہ جمال القرآن از حضور ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری مرحوم

2۔ بخاری شریف محمد بن اسماعیل بخاریؒ

3۔ مشکوۃ شریف

4۔ معارف الحدیث از مولانا محمد منظور نعمانیؒ

5۔ جنت میں لے جانے والے اعمال از حافظ محمد شرف الدین عبد المؤمن بن خلف دمیاطیؒ

6۔ ریاض الصالحین امام نوویؒ

7۔ سیرۃ النبی علامہ شبلی نعمانیؒ

8۔ المختصر القدوری الشیخ ابو الحسین احمد بن محمد البغدادیؒ متوفی 428ھ

9۔ نماز کی کتاب حافظ عمران ایوب لاہوری صاحب

10۔ جآء الحق مفتی احمد یار خان مرحوم گجراتی

11۔	مسند الامام الاعظمؒ	سراج الامہ نعمان بن ثابتؒ المعروف امام ابو حنیفہؒ
12۔	تنسِیقُ النّظام شرح	مسند امام اعظمؒ
13۔	تجلیاتِ صفدر	مولانا محمد امین اکاڑویؒ
14۔	فتاوی نوریہ	مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ بصیر پوریؒ
15۔	کشف المحجوب	حضرت علی ہجویریؒ
16۔	غنیۃ الطالبین عربی	شیخ عبد القادر جیلانیؒ
17۔	شرح صحیح مسلم	غلام رسول سعیدی مرحوم یکم ربیع الثانی 1438 =

1 جنوری 2017ء

عرب شیوخ کی پاکستان میں ناجائز دخل اندازی

پاکستان کے طول و عرض میں ایک ایسا نیٹ ورک کام کر رہا ہے جن کی پُشت پر عرب ممالک کے شیوخ ہیں جو باقاعدہ فنڈز جمع کرتے ہیں اور پاکستان میں ذاتی مذھبی و سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے اُس فنڈ کو پاکستان میں پھیلے نیٹ ورک کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اِس نیٹ ورک کی ذمّہ داری یہ ہے کہ جگہ جگہ مساجد و مدارس کا قیام عمل میں لایا جائے اور مخصوص لٹریچر چھپوا کر عام کیا جائے۔ جس گاؤں یا گلی محلّے میں ان کے ہم خیال ایک دو افراد بھی ہوں تو ان کے بہانے وہاں باقاعدہ کام شروع کر دیا جاتا ہے ایسی تمام مساجد و مدارس کو ہر قسم کا مالی تعاون باہر سے ہو رہا ہے ۔ ایسے لوگوں کے مسلک پاکستان کے طول و عرض میں دفاتر موجود ہیں جو اس نیٹ ورک کو باقاعدہ چلا رہے ہیں اور لوگوں میں اضطراب، کشیدگی اور اختلاف کی خلیج کم ہونے کی بجائے زیادہ ہو رہی ہے۔ گزارش صرف اتنی ہے کہ یہ نیٹ ورک کیا اسلام کی اشاعت چاہتا ہے یا

مخصوص نظریات کی ؟ اگر عرب شیوخ واقعی نیک نیّتی سے کارِ خیر میں مصروف عمل ہیں تو ان کا یہ طریقہ پاکستان کے لئے ہر گز مناسب نہیں۔ یہ پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت ہے جس سے مسائل پاکستان ہی کے لئے پیدا ہونے کا قوی امکان موجود ہے۔ لہذا ایک طرف ارباب حکومت و سیاست اپنی ذمّہ داری کو سمجھیں اور ایسے کسی بھی نیٹ ورک کو پاکستان میں پھیلنے سے روکیں جو آگے چل کر ہمارے لئے مسائل پیدا کر سکتا ہے اور فرقہ واریت پروان چڑھ سکتی ہے۔ اگر واقعی عرب شیوخ کسی خاص مقصد کے لئے نہیں بلکہ خدمتِ اسلام کے لئے رقم خرچ کرنا چاہتے ہیں تو وہ عوام میں براہ راست اپنی نمائندگی پیدا نہ کریں بلکہ حکومتِ پاکستان کو رقم فراہم کریں اور حکومت پاکستان اُس سرمائے کو مختلف مدارس و مساجد اور مختلف اسلامی کتب کی تشہیر و اشاعت پر کام میں لائے تا کہ عرب شیوخ کا کارِ خیر بھی ہوتا رہے اور حکومتِ پاکستان کے لئے مسائل بھی پیدا نہ ہوں۔ لیکن عرب شیوخ کا ایک مخصوص طبقے کو پروان چڑھانے سے ان کی بد نیتی بالکل عیاں ہے اور یہ ہر گز خدمتِ اسلام بھی نہیں بلکہ در حقیقت خدمت گروہ اور فرقہ ہے جبکہ پاکستان میں پہلے بھی گروہ بندی کا عذاب زوروں پر ہے اور یہ نیٹ ورک جلتی پر تیل چھڑک رہا ہے۔

لہذا ان کو اور ایسے تمام اداروں اور ممالک کو سرکاری سطح پر انتہائی سختی سے پابند کیا جائے کہ وہ پاکستانی سرکار کے ہاتھوں بغیر ہر گز کسی کو فنڈز جاری نہ کریں اور پاکستانی معاشرے کے حال پر رحم کرتے ہوئے ہمارے لئے مسائل پیدا نہ کریں کہ کل یہ مسائل پاکستانی حکومت ہی کے لئے مسئلہ بنائیں گے اس وقت یہ عربی شیوخ ذمّہ داری قبول نہیں کریں گے۔

آخری گزارش:۔

معذرت خواہ ہوں کہ نماز کے کچھ اہم مسائل بیان نہ کر سکا دیگر کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔ اگر تمام مسائل نماز ذکر کرتا تو کتاب بہت طویل ہو جاتی اور میرا مقصد اس سے لکھنے کا فوت ہو جاتا۔ لکھنا ایک اہم اور مشکل ترین ذمہ داری ہے مجھے اعتراف ہے کہ کافی غلطیاں ہو چکی ہونگی علماء کی مثبت آراء کا منتظر رہوں گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ مزید غلطیاں کتابت میں بھی ہوں۔ جہاں آپ ایسی عبارت سے گزریں کہ آپ کو اس سے اختلاف ہو تو اسے اختلاف رائے تصور کرتے ہوئے صرفِ نظر فرمائیں اور جہاں ممکن ہو میری رہنمائی ضرور فرمائیں۔ اگر کسی جگہ کوئی قابلِ اعتراض لفظ نکل گیا ہو جس سے کسی کی دل شکنی ہوئی ہو تو پیشگی معذرت خواہ ہوں۔ اللہ کریم اس ادنی کوشش کو حبیب علیہ السلام کے طفیل شرفِ قبولیت بخشے۔ آمین۔